بَلَغَ العُلٰى بِكَمَالِهٖ

سیّد حماد رضا بخاری

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

(حیاتِ طیّبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حصّہ اوّل: مکی دَور

حصّہ دوم: مدنی دَور

حصّہ سوم: تکمیل دِین

سیّد حماد رضا بخاری

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب	بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
تالیف	سیّد حماد رضا بُخاری
پروف ریڈنگ	ڈاکٹر سیّدہ شاہین صبا بُخاری
کمپوزنگ	بُخاری گرافکس، فیصل آباد
ناشر	بُخاری پبلشرز، فیصل آباد
طبع اوّل	مئی ۲۰۱۷ء
قیمت	
ای میل مؤلف	hrbukhari@hotmail.com
فون نمبر مؤلف	0300-9655650

بُخاری پبلشرز

پی-14، سادات سرکل، سرگودھا روڈ، فیصل آباد

فون نمبر: 0301-8422555

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ اظہر حسین بہشتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

دُنیا میں کچھ ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جو تاریخ کا رُخ موڑ دیتی ہیں، انھیں میں سب سے اعلیٰ وارفع ہستی جس نے مختصر سے عرصے میں دُنیا میں انقلاب برپا کردیا، پرچمِ اسلام کو بلند کیا اور اقدارِ انسانی کو اپنی معراج تک پہنچادیا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ قرآنِ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کے بارے میں یوں قصیدہ کہا،

''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○''

(اور بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ سورۃ القلم آیت ۴)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرم خوئی کے بارے میں کچھ اس طرح بیان فرمایا،

''وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانْفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ''

(اے محبوب! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ان کے لیے اتنے نرم دل ہیں اور اگر تند مزاج وسخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے گردوپیش سے منتشر ہوجاتے۔ سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۵۹)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شرحِ صدر یعنی وسعتِ قلبی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی،

''اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ○''

(کیا ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا سینہ کشادہ نہیں کیا۔ سورۃ الشرح، آیت ۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اخلاق، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرم خوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شرحِ صدر ہی تھا جس کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تحریکِ اسلام اور یہ انقلاب کامیاب ہوگیا۔ اسلام کی نشرواشاعت آپ کے کردار کی بُلندی کی وجہ سے تھی نہ کہ تلوار کے ذریعے۔ بعض اوقات بعض دشمنانِ اسلام کی طرف سے یہ اعتراض کردیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا اور اس کی طرف داری بعض نام نہاد مسلمانوں نے بھی کرڈالی جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کردار کا پرتو ہے، اگر اسلام میں جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے

کہ یہ ساری جنگیں دفاعی جنگوں کی حیثیت رکھتی تھیں اور پھر اگر قرآن کو حکم مان کر اِس سے فیصلہ لیا جائے تو قرآنِ مجید واضح طور پر اعلان کرتا ہُوا نظر آتا ہے کہ اسلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ کردار کے ذریعے دُنیا میں پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے بل بوتے پر جیسا کہ مندرجہ بالا آیات آپ کی نظر سے گزریں۔ قرآنِ مجید نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی کو انسانیت کے لیے اُسوۃ قرار دیا اور فرمایا،

''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ''

(بیشک تمھارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات میں (پیروی کے لیے) بہترین نمونہ ہے۔

سورۃ اُحزاب، آیت ۲۱)

بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو تلوار کے زور پر اسلام پھیلائے اُس کی زندگی کو تمام انسانیت کے لیے اُسوۃ اور نمونہ قرار دے دیا جائے؟ لہٰذا اِس مقام پر غور و فکر کرنا چاہیئے کہ یہ نظریہ کن لوگوں کا ہے؟ آیا حامیانِ اسلام کا ہے یا دشمنانِ اسلام کا؟

قارئین محترم! آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب برادرِ عزیز سیّد حماد رضا بخاری کی ایک بہترین کاوش ہے۔ اِس کتاب میں انھوں نے اپنی گزشتہ کاوش، ''صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ'' کی طرح اہلِ اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر کی روایات کو یکجا کیا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جو توہین آمیز روایات نقل کی جاتی ہیں اُن کا بہترین اسلوب میں جواب بھی دیا ہے۔ حماد بخاری صاحب ایک سچے عاشقِ رسول ہیں، اِس کا اندازہ آپ کو کتاب کے مطالعے کے دوران میں خود بخود ہو جائے گا۔ خداوند متعال ان کی اِس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کے زورِ قلم میں مزید اضافہ فرمائے۔

والسّلام

اظہر حسین بہشتی

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ ہجری

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ سیّد مزمل نقوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تاریخ کے دامن میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ حقائق بھی اور افسانے بھی، قصّے بھی اور کہانیاں بھی، رُموز بھی اور اشارات بھی، تفصیل بھی اور اجمال بھی، سچ بھی اور جھوٹ بھی۔ یہ تو محقق کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح حقائق کو سچے موتیوں کی طرح چنتا اور سچ کو جھوٹ سے الگ کرتا ہے۔

سیرت کی کتب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ سیرت نگاروں نے عمداً یا سہواً بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو صاحبِ سیرت کی شان کے منافی ہوتی ہیں۔ بعد میں آنے والے مصنفین بھی تبصرہ کیے بغیر اُن ہی باتوں کو نقل کر دیتے ہیں جنھیں پڑھ کر ایک عام قاری الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔

بردار محترم سیّد حماد رضا بخاری ایسی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور اگر کوئی ایسی روایت ان کے زیرِ قلم آ جائے تو اُس پر بحث ضرور کرتے ہیں۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنا نظریہ تو بیان کرتے ہیں لیکن قاری پر تھوپنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ قاری کے ذہن کو جستجو کی راہیں دکھاتے ہیں، حق بھی یہی ہے، قرآن و سنت کا پیغام بھی یہی ہے۔ تدبر کرنا قرآن کی آرزو ہے، غور و فکر کرنا انبیا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت ہے۔ اسی سے انسان آگے بڑھتا ہے، ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پا لیتا ہے۔ یوں خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' اپنے نام کی طرح ایک منفرد تالیف ہے۔ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت وکردار پر فاضل محقق کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔ جسے اپنا کر نہ صرف ایک عام فرد بلکہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا باشعور اہلِ علم وذوق انسان اپنی زندگی کو عظیم انسانی قدروں کے مطابق ڈھال سکتا ہے، کیونکہ اس کتاب میں اُس ذات والا صفات کی سیرت بیان کی گئی ہے جسے خدا نے اسوۂ حسنہ اور انسانیت کے لیے نمونۂ عمل قرار دیا ہے۔

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسے انسان کامل کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانا انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس کے لیے فاضل مصنف مبارکباد کے مستحق ہیں۔

خداوندمتعال ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور وہ اپنے ترشحاتِ قلم سے لوگوں کو مستفید کرتے رہیں۔ (آمین)

سیّد مزمل نقوی

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۳۶ ہجری

۱۸ اپریل ۲۰۱۵ء

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ محمد علی غازی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

برادر محترم عزت مآب جناب سیّد حماد رضا بخاری صاحب کی زیرِ نظر کتاب ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' جو کہ نام سے ہی کمال اور عظمت کی عکاس ہے، کے ابواب کو سطحی نظر سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، واقعاً کتاب اسمِ بامسمیٰ ہے۔

اُس عظیم ہستی جسے اللہ رب العزت ''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ'' کا عظیم مژدہ سنائے، کے کمالات کو قلمبند کرنا کوئی آسان کام نہیں اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس عظیم کارنامے کے لیے اللہ کی طرف سے توفیق اور جس ہستی کی محبت میں یہ نیک قدم اٹھایا گیا ہے اُس کی نظرِ رحمت کا شامل حال نا ہونا ناممکن ہے۔

کتاب جس ہستی کے نام سے منسوب ہے صاحبِ کتاب نے اپنی بساطِ علمی کے تحت اُس ہستی کی سیرتِ طیبہ کو کمال خوبی اور تحقیق کے معیار و ملاک کو سامنے رکھتے ہوئے کما حقہٗ پیش کیا ہے۔

یقیناً اُس نور کی سیرتِ نورانی کا بیان دُنیا و آخرت کے لیے سرمایۂ ابدی ہے، شانِ مظہرِ کمالِ الٰہی کا بیان اور اُن کمالات کو قلم بند کرنا پھر وقت نکال کر پڑھنا یقیناً ہم سب کے لیے سرمایۂ ابدی ہے۔

جناب سیّد بزرگوار نے ایک ایسا نیک قدم اٹھایا ہے جسے تعبیرِ علمی و عملی میں حسنہ جاریہ کہا جاتا ہے۔

اللہ اِس حسنہ جاریہ کو بحقِ ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین۔

الاحقر

محمد علی غازی

نجف اشرف، عراق

۲۰ جمادی الثانی، ۱۴۳۸ ہجری

تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر مولانا قدسی رضوی

(پی ایچ ڈی، ہندوستان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

جب سے انسان اس دنیا میں آباد ہُوا ہے اُس وقت سے آج تک ہر دَور میں کسی نہ کسی خطے میں کوئی الٰہی راہنما اور ہادی ایسا ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس نے انسانوں کو سیرت و کردار کی تعمیر کی دعوت دی اور اخلاق و اعمال کی درستی کا درس دیا۔ ان الٰہی اور اخلاقی راہنماؤں نے ہمیں بنیادی انسانی صفات پر قائم رہنے، حیوانوں سے ممتاز زندگی گزارنے اور بلند ترین اخلاقی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی تعلیم دی۔ ان ہی راہنماؤں میں سے ایک مقدس و پاک ذات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری زندگی کارِ تبلیغ سے بھری ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں ایسی اُمت ابھری جو تمام قوموں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی اور اس سے دنیائے بشریت کو ایسا اعلیٰ نمونۂ حیات حاصل ہُوا کہ اگر سارا عالم اس کی آواز پر لبیک کہہ کر عمل پیرا ہوجائے تو اس کو خاطر خواہ استقامت حاصل ہوجائے اور انسان ترقی کی طویل منزلیں طے کر لے جس سے حیاتِ انسانی کے گوناگوں جوہر آشکار ہوجائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محنتِ شاقہ نے ایک مردہ و افسردہ قوم میں زندگی کی رُوح پھونک دی۔ باہم برسرِ پرخاش قبیلوں کے مجموعۂ متفرقات کو وحدت بخش کر ایک ایسی قوم بنادیا جس کا محرک عمل حیات ابدی کی اُمید تھی۔ روشنی کی جو منتشر شعائیں اُس وقت علیٰحدہ علیٰحدہ دلِ انسانی پر پڑی تھی اُنھیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک نقطہ پر مرکوز کردیا۔ معاشرہ کو نہ صرف ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا بلکہ اس معاشرے کے افراد کو انسانیت کا علمبردار بنا کر پیش کیا اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں روحانی واخلاقی پاکیزگی، فرد کی آزادی اور فرد اور معاشرہ کے مابین ایک توازن قائم کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

کتابِ ہذا محترم سیّد حماد رضا بخاری صاحب کی انتھک علمی کاوشوں اور تحقیقی ذوق کا بہترین نتیجہ ہے۔ یہ کتاب اپنے آپ میں ایک ''نیا دَور'' ہے سیرت کی کتب کے حوالے سے۔ مؤلف محترم نے جہاں زبان کی سادگی اور سلاست کو بخوبی اپنایا ہے وہیں ایک بہترین علمی تسلسل کو بھی رواں رکھا ہے۔ بہت کم ایسی کتب سامنے آتی ہیں جہاں روانیٔ تحقیق کے ساتھ الفاظ کی نشست اور جملات کا استعمال ممدوح کی شان اور عظمت کے منافی نہیں ہوتے۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اُن تمام باطل افکار کو رَد کیا گیا ہے جو سیرتِ طیبہ پر دھبہ لگانے کی بیکار کوشش کرتے ہیں اور پاکیزہ نقوشِ عصمت کو مندمل کرنے کی سازش میں گرفتار رہتے ہیں۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اس بہترین علمی سرمایہ کو مطالعہ میں لائیں اور اس کے مندرجات سے قلب ونفس کو منور کریں۔

میں، بصمیمِ قلب دُعا گو ہوں کی محترم محقق سیّد حماد رضا بُخاری صاحب کی توفیقاتِ دینی میں اضافہ ہو اور آپ کا قلم ہمیشہ حق کی وکالت میں چلتا رہے۔ اللہ سے بتصدقِ اہل بیت اطہار علیہم السلام ان کی صحت وسلامتی اور کامیابی کے لیے دُعا ہے۔

والسّلام ورحمت اللہ

احقر العباد

ڈاکٹر قدسی رضوی

ہندوستان

۲۱ مارچ ۲۰۱۷ء

تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر ظہیر عباس
(پی ایچ ڈی، پاکستان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(''بلغ العلیٰ بکمالہٖ'' ایک تاریخ ایک تحقیق)

اُردو ادب میں ''سیرت نگاری'' بحیثیت فن اور صنف ایک ممتاز مقام رکھتی ہے، یہ صنف جہاں سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے حسین جھروکوں کو وا کرتی ہے وہیں فکری اور علمی دریچوں کو بھی روشن کرتی ہے۔ ایک سیرت نگار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت اور عقیدت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ جب پوری ایمانداری کے ساتھ حقائق و واقعات کو پیش کرتا ہے تو یہ صنف اپنے اوجِ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ حقائق و واقعات کا باہم مربوط ہونا ہی تحقیق کی علامت ہوتا ہے۔ بغیر تحقیق کے تاریخ محض واقعات کا مجموعہ کہلاسکتی ہے۔ بحیثیتِ طالب علم راقم کو ایک چیز ہمیشہ اُلجھن میں ڈالتی ہے کہ تاریخ اور سیرت کی کُتب میں واقعات کچھ اور کہہ رہے ہوتے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے حقائق کچھ اور بتا رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے سیرت نگاری ایک نازُک اور حساس کام ہوتا ہے، اس میں مصنف کو احتیاط، وسیع مطالعہ اور تحقیقی استدلال سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس میں کوئی دو آراء نہیں کہ سیرت نگاری میں اکثر سیرت نگاروں نے اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اسے اُردو ادب میں ممتاز اور نمایاں مقام تک پہنچایا ہے۔

''بلغ العلیٰ بکمالہٖ'' بھی سیرت نگاری کے تمام تقاضوں پر پورا اُترتی ہے۔ اس

کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی بھی غیر معتبر روایت کو شامل نہیں کیا گیا اور نہ ہی ایسا اندازِ تحریر اپنایا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے زیبا نہیں۔ مصنف نے ہر واقعے پر بڑا مفصل اور معتبر علمی استدلال پیش کیا ہے جو واقعے کی اصل رُوح کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مؤلف نے تاریخ اور سیرت کی کُتب سے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں وہ اسے ایک تحقیقی مقالہ کے درجے پر فائز کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ مصنف نے فنی معیار کا خاص اہتمام کیا ہے۔ تحریر کا اُسلوب اتنا سادہ اور عام فہم ہے کہ جس پر کسی بھی مسجعیٰ اور مقفیٰ عبارت کو قربان کیا جا سکے۔

یہ کتاب ایک عام فہم قاری کے لیے بھی یکساں مفید ہے۔ اس میں لفظی رعایت، جملہ سازی اور دُرست املا کے تمام اُصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے جو کہ زُبان اور نثری خصوصیات پر پورا اُترتے ہیں۔

''بلغ العلیٰ بکمالہٖ'' سیرت نگاری کے میدان میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ راقم کی دُعا ہے کہ اللہ پاک سیّد حماد رضا بخاری صاحب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ہمیں اس کتاب سے مستفید ہونے کا شرف بخشے۔ آمین۔

ڈاکٹر ظہیر عباس

فیصل آباد

۲۴ مارچ، ۲۰۱۷ء

فہرست
حصّہ اوّل
(مکّی دور)

ہدیہ	33
انتساب	34
مقدمہ	35
نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق	38
نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلابِ طیّبہ سے ارحامِ مطہرہ کی طرف انتقال	44
نسبِ گرامی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	49
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد	50
حضرت ابراہیم علیہ السلام	50
حضرت اسماعیل علیہ السلام	58
حضرت فہر قریش	62
حضرت قُصی	63
حضرت عبد مناف	63
حضرت ہاشم	64
حضرت عبدُ المُطلب شَیبۃُ الحمد علیہ السلام	66
حارث بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	71
حضرت امیر حمزہؓ بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	71
حضرت عباسؓ بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	71
زبیر بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	73
ابولہب بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	73
حضرت ابُوطالب بن عبد المطلب علیہ السلام (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	73
حضرت علی علیہ السلام (برادرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	76
عمّاتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	79

حضرت عبد اللہ علیہ السلام (والد گرامی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	81
سیّدہ آمنہ علیہا السلام (والدہ ماجدہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	83
طلوعِ سحر (ولادتِ با سعادت سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ۵۲ قبل ہجرت، ۵۷۱ء	84
سطیح کاہن کی خبر	91
یہودی عالم یوسف کی خبر	93
شام سے ابنِ حواش المقبل کی خبر	94
اَسمائے گرامی جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	97
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور کنیت جمع کرنے کی ممانعت اور حضرت علی علیہ السلام کا استثنا	100
رضاعتِ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	101
روایتِ شق الصدر	103
روایتِ شق الصدر کا تنقیدی جائزہ	104
وفاتِ حضرت سیّدہ آمنہ علیہا السلام (۴۷ قبل ہجرت/ ۵۷۷ء)	111
کم سِنی میں ہی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی رِحلت کا فلسفہ	111
کفالتِ جناب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	112
حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کے لیے حضرت ابو طالبؑ کی نامزدگی	114
حضرت ابو طالبؑ کے ہمراہ سفرِ شام (۴۰ قبل ہجرت/ ۵۸۲ء)	115
سفرِ شام حضرت ابو طالب علیہ السلام کی زبانی	117
عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور ہبل ولات وعزیٰ وغیرہ	125
شِرک وبُت پرستی اور فسق وفجور سے سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفرت	126
حَربِ فُجار (۳۷ قبل ہجرت/ ۵۸۶ء)	127
حَربِ فجار میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو طالب شریک نہیں تھے	128
حِلفُ الفضول (۳۷ قبل ہجرت/ ۵۸۶ء)	129
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیڑ بکریاں چرانا	130
مکّہ مکرّمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش	132
حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام	133

حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے ساتھ تجارتی شراکت	135
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بزرگ راہب سے خالد بن اسید اور طلیق کی گفتگو	138
ابوالمویہب راہب کی خبر	140
حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام سے عقد (۲۷ قبل ہجرت/ستمبر ۵۹۵ء)	142
حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی	144
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید	146
ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	151
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پسند کے مطابق ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار	157
اولادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	161
حضرت قاسمؓ کی ولادت (۲۵ قبل ہجرت/ ۵۹۸ء)	163
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت (۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل/ ۶۰۰ء)	164
خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تدبُّر اور انصاف (۱۸ قبل ہجرت/ ۶۰۵ء)	168
غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت گذاری	169
پہلی وحی اور آغازِ بعثت (۱۲ قبل ہجرت/ ۶۱۰ء)	171
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب ''اُمی'' کی وضاحت	175
ہواتف، جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ کی گواہی	178
عجوہ کھجور	187
دعوتِ ذوالعشیرہ (سنہ ۴ بعثت، ۹ قبل ہجرت/ ۶۱۴ء)	188
قریش کا ظلم وستم	193
ہجرتِ حبشہ (رجب ۷ قبل ہجرت/ اپریل ۶۱۵ء)	195
دارالارقم (سنہ ۶ بعثت)	201
معاشرتی مقاطعہ (محرم ۷ قبل ہجرت/ستمبر ۶۱۵ء)	202
رُومیوں کی شکست کی پیش گوئی (سنہ ۸ بعثت، ۵ قبل ہجرت، ۶۱۸ء)	208
معجزۂ شق القمر (سنہ ۹ بعثت)	209
معجزۂ شق القمر اور ہندو مہاراجے	212

مہاراجہ کیرالہ مالابار	212
مہاراجہ مالی بار سامری	215
ریاست کھابڑی کے راجا کنور سین اور وزیر رتن سین	216
ریاست دھار کے راجا بھوج	223
ریاست بھوپال کے راجا بھوجپال	223
معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اہلِ سُنّت کی نظر میں)	225
معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اہلِ تَشَیُّع کی نظر میں)	234
معراجِ جسمانی یا معراجِ روحانی؟	237
بُراق	239
واقعہ معراج پر اہلِ مکّہ کا ردّعمل	240
معراج کا سفرنامہ	243
شجرۂ طوبیٰ	251
سِدرۃُ المنتہیٰ	254
نمازوں میں تخفیف کی درخواست	255
مقصدِ معراج	256
کیا حضرت علی علیہ السلام شریکِ معراج تھے؟	264
امکانِ معراج	267
قرآن کی گواہی	269
واقعۂ معراج پر چند اور دلائل	271
معراج اور صلواۃُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	274
درودِ ابراہیمی	277
ولادتِ حضرت فاطمۃُ الزہراء علیہا السلام (۵ بعثت، سنہ ۴۶ عام الفیل/ ۶۱۴ء)	278
حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت/ ۶۱۹ء)	280
حضرت ابوطالبؑ کے بعد قریش کی دست درازیاں	286
اُمّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت/ ۶۱۹ء)	286

حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکر (رضی اللہ عنہما) سے عقد (۳ قبل ہجرت) 287

طائف (سنہ ۱۰ بعثت، ۲۷ شوال ۳ قبل ہجرت/فروری، مارچ ۶۱۹ء) 288

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جنّات کی حاضری 293

قبیلہ خزرج کی ایک جماعت کا قبولِ اسلام (سنہ ۱۱ بعثت) 296

بیعتِ عقبہ اولیٰ (سنہ ۱۲ بعثت، ذوالحجہ ۱ قبل ہجرت/۶۲۱ء) 297

بیعتِ عقبہ ثانیہ (سنہ ۱۳ بعثت، ۳ ماہ قبل ہجرت/ جون ۶۲۲ء) 299

ہجرتِ مدینہ (۱۴ بعثت/ ۶۲۲ء) 301

حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر 301

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غارِ ثور میں 305

خیمۂ اُمّ معبد عاتکہ میں روشنی 307

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حُلیہ مبارک 309

حصّہ دوم
(مدنی دَور)

اسلام میں سنہ ہجری کا اجرا 319

سنہ ایک ہجری 320

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبا میں تشریف آوری (۸ ربیع الاوّل ۱ ہجری/ ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء) 320

مسجدِ قبا (۱ ہجری/ ۶۲۲ء) 324

قبیلہ اوس اور خزرج میں دیرینہ دشمنی کا خاتمہ (۱ ہجری/ ۶۲۲ء) 325

پہلی نمازِ جمعہ (۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱ ہجری) 327

پہلی نمازِ جمعہ کا خطبہ (۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱ ہجری) 328

نمازِ جمعہ کا باقاعدہ آغاز 330

مدینہ منوّرہ 330

مسجدِ نبوی کی تعمیر (ربیع الاوّل ۱ ہجری/ اکتوبر ۶۲۲ء) 333

نماز کی رکعتوں کا تعیّن (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 337

اذان و اقامت (ربیع الاوّل ۱ہجری/ اکتوبر ۶۲۲ء) 339

ہمدردوں کی وفات (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 340

بنونجار کے نئے قائد (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 341

مہاجرین کی آبادکاری (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 342

مواخات (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 342

زراعت و تجارت 345

میثاقِ مدینہ (دُنیا کا پہلا تحریری دستور) 346

میثاقِ مدینہ کا متن (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 348

میثاقِ مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں 355

رینالڈ ایلین نکولسن 355

جولیس ویل ہاسن 356

سر تھامس واکر آرنلڈ 358

لیفٹیننٹ جنرل سر جان بیگٹ گلب پاشا 359

روبن لیوی 359

جوزف ہیل 360

فرانسسکو جبریلی 361

ویلیم منٹگمری واٹ 362

ہیواین کینیڈی 363

ایڈورڈ گبن 365

ماوٗرس گاڈفرائے ڈی ماماینز 365

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 366

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 370

زکوٰۃ کا حکم (۱ہجری/ ۶۲۲ء) 371

دفاعی منصوبہ بندی (رمضان المبارک ۱ہجری/ مارچ ۶۲۳ء) 371

جہاد (رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)	374
غزوہ اور سریہ وغیرہ کی تعریف	375
سریہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ/ سریہ سیف البحری/ سریہ عیص (رمضان ۱ ہجری)	378
قریش کے تجارتی قافلوں پر حملوں کی تردید	379
سریہ رابغ یا سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (شوال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء)	381
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی (شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء)	382
سریہ خرّار یا سریہ سعد بن ابی وقاص (ذیقعدہ ۱ ہجری/ مئی ۶۲۳ء)	382
سنہ ۲ ہجری	383
غزوۂ ودّان اور غزوۂ ابو (ماہِ صفر ۲ ہجری/ اگست ۶۲۳ء)	383
غزوۂ بواط (ربیع الاوّل یا ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء)	384
غزوۂ سفوان/ غزوۂ بدر اُولیٰ (ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء)	385
غزوۂ عُشیرہ (جمادی الاوّل یا جمادی الثانی ۲ ہجری/ نومبر، دسمبر ۶۲۳ء)	386
حضرت علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب کی وجہ	386
سریہ دارِ ارقم (سنہ ۲ ہجری)	388
عَلم	388
سب سے پہلا عَلم	389
سریہ عبداللہ بن جحش یا سریہ نخلہ (رجب ۲ ہجری/ جنوری ۶۲۴ء)	389
تحویل خانہ کعبہ (شعبان سنہ ۲ ہجری/ جنوری، فروری ۶۲۴ء)	392
روزہ (شعبان دو ہجری/ فروری ۶۲۴ء)	393
غزوۂ بدر (۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک/ ۱۳ یا ۱۵ مارچ ۶۲۴ء)	394
غزوۂ بدر کا پس منظر	394
قافلہ	395
خواب	397
لشکرِ کفّار کی جنگ کے لیے روانگی	399
لشکرِ کفّار کی تعداد	401

لشکرِ کفّار کا سامانِ حرب	401
جبرائیل علیہ السلام کی اطلاع اور مجلسِ مشاورت	401
لشکرِ اسلام کی روانگی	404
اسلامی لشکر کی تعداد	405
لشکرِ اسلام کے عَلم اور علمبردار	405
اسلامی لشکر کا سامانِ حرب	406
اسلامی لشکر کا بدر میں پڑاوٗ	406
عریش	409
حق و باطل کا ٹکراوٗ	410
جنگ میں ملائکہ کی مدد	415
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت	418
علی علیہ السلام کے ہاتھوں تہِ تیغ ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام	419
دیگر مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام	420
ابوجہل بن ہشام کا انجام	421
اُمیّہ بن خلف کا انجام	423
عقبہ بن ابی معیط کا انجام	423
ابوالبختری بن ہشام کا قتل	424
ابولہب کا انجام	425
شہدائے بدر کے اسمائے گرامی	427
بدر سے واپسی	429
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجام حضرت ابوہند انصاری رضی اللہ عنہ	430
اسیرانِ بدر	430
اسیرانِ بدر کی رہائی	432
سریۂ عمیر بن عدی (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری)	434
غزوۂ قرقرۃ الکدیٰ یا غزوۃ الکدر (۲۵ رمضان ۲ ہجری/ ۲۰، ۲۱ مارچ ۶۲۴ء)	435

عید الفطر اور صدقہ فطر (۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۴ء)	436
سریہ سالم بن عمیر (۲ ہجری/ ۶۲۴ء)	437
غزوۂ قینقاع (۱۵ شوال ۲ ہجری/ ۱۰ اپریل ۶۲۴ء)	437
سیّدۃُ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کا نکاح (یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری)	441
حضرت علی علیہ السلام کی زبانی شادی کی روایت	445
خاتونِ جنّت علیہا السلام کا حق مہر	448
سیّدہ کونین علیہا السلام کی رُخصتی	449
اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا رَجز	450
اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کا رَجز	450
اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کا رَجز	451
ملکہ کونین سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کا جہیز	453
غزوہ سویق (۵ ذوالحجہ ۲ ہجری/ ۲۹ مئی ۶۲۴ء)	456
شاعر اُمیّہ بن صلت کی موت	458
سنہ ۳ ہجری	459
نماز عید قربان اور قربانی (۱۰ ذی الحج ۲ ہجری/ ۳ جون ۶۲۴ء)	459
غزوۂ ذی امر/ غزوۂ بنی ام/ غزوہ انمار/ غزوۂ غطفان (ربیع الاوّل ۳ ہجری)	459
سریہ محمد بن مسلمہؓ (۱۴ ربیع الاوّل ۳ ہجری/ ۴ ستمبر ۶۲۴ء)	462
آیت اللہ سیّد رُوح اللہ خمینی کے پیغام اور فتویٰ کا مکمل متن	466
غزوۂ نجران یا غزوۂ بنوسلیم (ربیع الآخر ۳ ہجری/ ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء)	467
حضرت حفصہؓ سے نکاح (شعبان ۳ ہجری/ فروری ۶۲۵ء)	468
ولادت امام حسن علیہ السلام (۱۵ رمضان ۳ ہجری، ۲۸ فروری ۶۲۵ء)	468
غزوۂ اُحد (۶ شوال ۳ ہجری/ ۲۲ مارچ ۶۲۵ء)	470
اُحد کی وجہ تسمیہ	470
غزوۂ اُحد کا پس منظر	470
لشکرِ کفّار	474

مسلمانوں میں اختلاف رائے	476
لشکرِ اسلام	477
روانگی	478
منافقین کی غداری	478
عینین کا درّہ	479
آغازِ جنگ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت	480
ابتدائی فتح	484
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	485
مالِ غنیمت کا لالچ اور درّہ عینین والوں کی غلطی	487
شیر خدا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی استقامت	491
انجام	494
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہاد	497
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کی تلواریں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سپرد	500
واقعاتی تسلسل سے متعلق ایک اہم وضاحت	501
جنگ میں مسلمان خواتین کی خدمات	503
جاں نثارانِ اُحد کا مختصر تذکرہ	503
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام	503
حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ	503
حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پس منظر	504
حضرت ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہ	506
حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ	508
رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	509
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	510
حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ	511
حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ	511

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ	512
حضرت اُمّ عمارہ انصاریہؓ	514
یہودی مخریق کی جاں نثاری	514
حضرت عمرو بن ثابتؓ	515
شہدائے اُحد کی تجہیز و تدفین	516
شہدائے اُحد کا ماتم	516
حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح	517
غزوۂ حمرا الاسد (ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری/ ۱۱ اپریل ۶۲۵ء)	517
سنہ ۴ ہجری	519
سریہ ابو سلمہؓ مخزومی (یکم محرم ۴ ہجری/ ۱۳ جون ۶۲۵ء)	519
سریہ عبداللہ بن انیسؓ (۵ محرم ۴ ہجری/ ۱۷ جون ۶۲۵ء)	519
رجیع کا المیہ (صفر ۴ ہجری/ جولائی، اگست ۶۲۵ء)	520
المیہ بئرِ معونہ/ سریہ منذر بن عمرو/ سریۃ القریٰ (صفر ۴ ہجری/ جولائی اگست ۶۲۵ء)	524
غزوۂ بنی نُضیر (ربیع الاوّل ۴ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۵ء)	526
غزوہ ذات الرقاع (جمادی الاوّل ۴ ہجری/ اکتوبر، نومبر ۶۲۵ء)	529
ولادتِ امام حسین علیہ السلام ۳ شعبان ۴ ہجری (۷ جنوری ۶۲۶ء)	531
رضاعت امام حسین علیہ السلام	533
شہزادوں کے نام حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود رکھے	533
شہزادوں کے نام اللہ نے حجاب میں رکھے تھے	533
حسنین علیہم السلام کے نام اہل جنّت کے نام ہیں	534
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا حسنین علیہم السلام میرے بیٹے ہیں	534
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں ہی ان کا نسب ہوں	534
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی مشابہت	535
حسنین علیہم السلام وارثانِ اوصافِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں	536
حسنین علیہم السلام تمام جنّتی جوانوں کے سردار ہیں	536

حسنین علیہم السلام سے محبت کرنا واجب ہے	537
حسنین علیہم السلام سے بغض رکھنے والا مبغوض ہے	537
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسنین علیہم السلام کی خاطر منبر سے نیچے تشریف آوری	537
حسنین علیہم السلام پشتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر	537
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طوالتِ سجدہ	538
کیا اچھے سوار ہیں	538
حُرمتِ شراب (۴ ہجری)	539
حضرت اُمِّ سلمہؓ سے نکاح (شوال ۴ ہجری/ مارچ ۶۲۶ء)	543
غزوۂ بدر الموعد یا بدر الاُخریٰ (ذیقعد ۴ ہجری/ اپریل ۶۲۶ء)	543
وفات حضرت فاطمہ بنت اسد علیہا السلام (۴ یا ۵ ہجری/ سنہ ۶۲۶ء)	544
سنہ ۵ ہجری	545
غزوۂ دومۃ الجندل (۲۵ ربیع الاوّل ۵ ہجری/ ۲۴ اگست ۶۲۶ء)	545
غزوۂ مریسیع یا غزوۂ بنی المصطلق (شعبان ۵ ہجری/ ۲۸ دسمبر ۶۲۶ء)	546
حضرت جویریہؓ سے نکاح	547
حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح	548
غزوۂ احزاب یا جنگ خندق (ذیقعد یا شوال ۵ ہجری)	551
دشمنانِ اسلام کی پیش قدمی	552
لشکرِ کفّار کی تعداد	553
لشکرِ اسلام کی تعداد	553
خندق	553
خندق کی حدود	555
لشکرِ کفّار کی آمد	555
بنوقریظہ کی بغاوت	556
بنوقریظہ کی بغاوت کا سدباب	559
مقابلہ	560

عمرو بن عبدِ ود العامری	562
شیر خدا کی جنگ	564
عمرو بن عبدِ ود کے ساتھی	572
علی علیہ السلام کے ہاتھوں ایک اور پہلوان کا قتل	573
مشرکین کی خفت	573
اختتامِ جنگ	575
کفّار کا فرار	577
غزوۂ بنو قریظہ (ذیقعد ۵ ہجری/ مارچ ۶۲۷ ء)	578
حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی نامزدگی کی وجہ	582
بنو قریظہ کا انجام	585
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت	588
حضرت ابولبانہ رضی اللہ عنہ کی پشیمانی	589
حجاب کا حکم (یکم ذیقعد ۵ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۷ ء)	592
سنہ ۶ ہجری	596
سریۂ محمد بن مسلمہؓ یا سریۂ نجد (۱۰ محرّم ۶ ہجری/ یکم جون ۶۲۷ ء)	596
غزوۂ بنو لحیان (یکم ربیع الاوّل ۶ ہجری/ ۲۱ جولائی ۶۲۷ ء)	596
غزوہ ذی قرد یا غزوۂ غابہ (ربیع الاوّل ۶ ہجری)	597
سریۂ غمر یا سریۂ عکاشہ بن محصنؓ (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ ء)	598
سریۂ ذی القصہ یا سریۂ بنو ثعلبہ (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ ء)	598
سریۂ جموم (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ ء)	598
سریۂ وادی القریٰ (رجب ۶ ہجری/ نومبر دسمبر ۶۲۷ ء)	599
سریۂ علی مرتضیٰ علیہ السلام یا سریۂ فدک (شعبان ۶ ہجری/ جنوری ۶۲۸ ء)	599
حدیبیہ کا معرکہ (یکم ذیقعد ۶ ہجری/ ۱۲ مارچ ۶۲۸ ء)	600
بیعت رضوان	606
صلح نامہ حدیبیہ کے نکات	612

معاہدہ حدیبیہ پر تبصرہ	613
حضرت اُمّ حبیبہؓ سے نکاح (ذی الحجہ ۶ ہجری/ اپریل مئی ۶۲۸ء)	614
سنہ ۷ ہجری	615
مکتوبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یکم محرم ۷ ہجری/ ۶۲۸ء)	615
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام ہرقل، قیصر روم	618
ہرقل، قیصر روم کا خط	620
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہِ فارس (ایران)، کسریٰ پرویز	621
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہ حبش اصحم نجاشی	622
شاہِ حبش نجاشی کا خط	624
شاہ حبش نجاشی کا دوسرا خط	625
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام والی مصر مُقَوقِس	625
حاکم مصر مُقَوقِس کا خط	627
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہِ یمامہ ہوذہ	627
شاہِ یمامہ ہوذہ کا خط	628
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام منذر بن حارث بن ابی شمر غسانی	629
خیبر (محرم ۷ ہجری/ مئی جون ۶۲۸ء)	630
جنگِ خیبر کا پس منظر	631
لشکرِ اسلام کی روانگی	632
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیر خدا علیہ السلام کی علالت	634
مسلمانوں کی خیبر فتح کرنے کی کوششِ ناکام	634
فاتح خیبر کا انتخاب اور عطائے علم	635
جناب امیر علیہ السلام کا اندازِ ورود	639
شجاعتِ علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر تورات کی گواہی	640
شیرِ خدا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی جنگ	640
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیبر کے یہودیوں پر کرم	644

حضرت صفیہؓ 644
مرحب کا قتل حضرت علی علیہ السلام کی بجائے محمد بن مسلمہ کے کھاتے میں 645
یہود کی سازش 648
آفتابِ امامت کے لیے آفتابِ فلک کی واپسی 649
فدک 650
وادی القریٰ 654
مہاجرین حبشہ کی واپسی 654
پہلا ورودِ مکّہ، عمرۃ القضاء (ذی القعدہ ۷ ہجری/ مارچ ۶۲۹ ء) 655
سنہ ۸ ہجری 656
منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم 656
ریاض الجنۃ 658
سریۂ موتہ (جمادی الاوّل ۸ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۹ ء) 658
جنگ یا پسپائی؟ 661
جنگ 662
شکست خوردہ اسلامی فوج کا مدینہ کے باہر استقبال 664

حصّہ سوم
(تکمیل دین)

فتح مکّہ (۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری/ یکم جنوری ۶۳۰ ء) 667
عہد شکنی 667
تنسیخ معاہدہ اور پھر پچھتاوا 668
سفیرِ قریش کی کوشش ناکام 669
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رازداری اور مسلمانوں کی غداری 669
مدینہ منوّرہ سے روانگی 671

سفر میں روزے کی عزیمت	672
مکّہ کے نواح میں پڑاؤ	672
ابوسفیان کی گرفتاری	672
اسلامی جاہ وجلال کی ہیبت	674
حضرت سعد بن عبادہ کی سہو وخطا	677
مکّہ میں ہلچل	678
مکّہ کی طرف پیش قدمی	679
عام معافی کا اعلان	682
بت شکنی اور تطہیر کعبہ	685
حضرت بلال ؓ کی اذان	688
مکّہ میں مختصر قیام	688
غزوۂ حنین (شوال ۸ ہجری/ جنوری فروری ۶۳۰ء)	689
جنگ اوطاس وطائف	695
انصار کا احساس محرومی اور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبۂ ایجاز وبلاغت	697
حضرت ابراہیم کی ولادت (شوال ۸ ہجری/ فروری ۶۳۰ء)	698
سنہ ۹ ہجری	699
غزوۂ تبوک، غزوۂ جیش العسرت، غزوۂ فاضحہ (رجب ۹ ہجری/ نومبر ۶۳۰ء)	699
علی علیہ السلام کو مدینہ میں چھوڑنے کی وجہ	701
اصحابِ عقبہ	704
ہذا طیبہ	706
راس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کی موت	706
مسجد ضرار کی تخریب کاری (۹ ہجری/ نومبر ۶۳۰ء)	707
خانہ کعبہ میں مشرکوں کے داخلے پر پابندی، ایک تاریخی اعلان	710
فتوحاتِ اسلامی کے بیرونی قبائل پر اثرات	712
حاتم طائی کے بچّوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص اکرام	712

مباہلہ	713
آیت تطہیر اور حدیث کساء	718
اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	721
مفہوم اہل بیت (علیہم السلام)، اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کی درخواست کی روشنی میں	722
اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھنا	731
سنہ ۱۰ ہجری، حضرت ابراہیمؑ کا انتقال	732
فتح یمن (رمضان المبارک سنہ ۱۰ ہجری)	732
حجۃ الوداع (ذیقعد ۱۰ ہجری)	735
حج تمتع کا حکم	739
غدیر خم (۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری)	740
علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل تشیع کی نظر میں	740
علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل سنت کی نظر میں	744
غدیر خم کے بعد بھی اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں تاکید	750
سنہ ۱۱ ہجری	751
مدینہ کی طرف واپسی اور سریہ اسامہ بن زید حارثہ (۲۶ صفر ۱۱ ہجری)	751
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت اور آخری ایامِ حیات	753
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ بہ جنّت البقیع	753
حضرت علی علیہ السلام کو وصال سے متعلق وصیّت	753
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ	754
واقعہ قصاص	755
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں	758
حدیثِ قرطاس	759
رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ	761
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیّت برائے غسل، کفن ودفن	761
بیٹی اور بھائی سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو	763

لختِ جگر سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری راز و نیاز	765
ہزار ہا ابوابِ علم	767
سپردگی میراث	769
جبرائیل علیہ السلام کی عیادت	771
ملکُ الموت کا اجازت طلب کرنا	772
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رِحلت	775
سببِ رِحلت	777
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل	777
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن	779
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ	779
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفن	780
شبِ وصالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام	783
مصحفِ حضرت فاطمہ علیہا السلام	785
أُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ	786
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حُسن سلوک	787
گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل	788
گھر سے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل	789
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ گفتگو	790
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دخول وخروج اور نشست عام	792
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافل ومجالس	792
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت	793
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم ودرگذر	795
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچّوں پر شفقت	797
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات واطوار	800
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ خاص عادات	801

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی	801
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبسم	802
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح	803
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طعام	805
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ مشروب	806
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس	806
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلحہ وغیرہ	807
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر اشیائے مصرف	810
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر	810
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرمایہ	811
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور روزہ	813
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج اور عمرے	813
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبولیتِ دُعا	814
مختصاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	816
معجزاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	823
اوصافِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر آسمانی کتب میں	847
شاہِ یمن تبع حمیری	851
اللہ تعالیٰ کا تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد لینا	854
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاظر و ناظر	855
نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	860
دُعا	861
مآخذ	862

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ۝

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

(حیاتِ طیّبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم)

حصّہ اوّل

(مکّی دَور)

سیّد حماد رضا بخاری

ہدیہ

میں اس کتاب کو

نہایت عجز وانکسار اور عقیدت واحترام کے ساتھ

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ رحمت میں

ہدیہ کرتا ہوں۔

انتساب

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم المرتبت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام

مُقدّمہ

درود وسلام اور فضائلِ درود پر لکھی گئی اپنی پہلی تالیف ''صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً'' کی تکمیل کے بعد میری شدید خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ پر لکھنے کی سعادت بھی حاصل کروں۔ میری خوش بختی ہے کہ آج سے یہ سعادت میری زندگی کا حصّہ بننے جارہی ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ پر لکھی گئی کئی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ پہلے بھی، زندگی کے مختلف ادوار میں اور خصوصاً کتابِ ہٰذا کی تالیف کے دوران میں بھی۔ سیرتِ نبی ﷺ ایک موضوعِ بیکراں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حیاتِ پاک کے ہزارہا پہلو ہیں، ہر پہلو دوسرے سے الگ اور اپنی جگہ حُسن وکمال کا ایک مکمل پیکر ہے۔ شاید یہی وجہ رہی ہو کہ کچھ اصحاب نے محبت وعقیدت میں سرشار ہو کر لکھتے ہُوئے اپنی کتب کو ایسا رنگ دے دیا کہ اُن کی کتابیں سیرۃ النبی ﷺ کی کتب کی بجائے کوئی ادبی شاہکار معلوم ہوتی ہیں جن میں جابجا رنگین الفاظ، تشبیہات اور استعارے نظر آتے ہیں۔ اور بعض کتابیں تو یوں لگتی ہیں جیسے احادیث وروایات کا مجموعہ ہوں۔ میں نے اِن دونوں طریقہ ہائے اظہار سے گریز کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ سیدھے سادھے اور سادہ پیرائے میں حضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ بیان ہو۔

سیرۃ النبی ﷺ پر لکھی گئی اکثر کتب میں بعض ایسی مشہور ومعروف روایات بھی پائی جاتی ہیں جو حضور ﷺ کی شان وعظمت کے منافی ہیں۔ ممکن ہے اُن روایات کو اپنی کتابوں میں شامل کرنے والوں نے اُن میں کوئی نہ کوئی پہلو ایسا تلاش کر لیا ہو جو اُن کے حساب سے حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کے زُمرے میں آتا ہو لیکن میرے نقطۂ نظر سے اُن روایات کا مجموعی تاثر عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے منافی جاتا ہے، اس لیے میں نے اُن کو کتابِ ہٰذا میں شامل ہی نہیں کیا اور اگر کسی کو شامل کیا ہے تو اُس پر اپنا استدلال پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

علاوہ ازیں ایسی کتب کی تعداد بھی کم نہیں جن میں تاریخ کو مسخ کر کے خودساختہ روایات شامل کی گئیں ہیں جو سراسر توہینِ رسالت کے زُمرے میں آتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ توہینِ رسالت پر مبنی کتابیں اور فلمیں تیار کرنے والے ملعونوں نے ایسی کتب سے بھی مواد حاصل کر کے یکجا کیا ہے۔ ایسی

ناپاک سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تاریخ کو دُرست کیا جائے اور نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے حقیقی پہلو دُنیا کے سامنے لائے جائیں۔ اِس کے لیے علما کرام کو چاہیے کہ مِل بیٹھ کر ایسی کتب سے تمام غیر حقیقی اور خود ساختہ مواد خارج کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ، تاریخِ اسلام اور احادیثِ مبارکہ کی ایسی کتب ترتیب دیں جو حقائق پر مبنی ہوں اور ہر سُقم سے پاک ہوں۔ ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' مجھ جیسے طالب علم کی طرف سے ایسی ہی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیان میں ضروری ہے کہ لفظ ''سیرت'' کی وضاحت ہو جائے کیونکہ اِس کے بغیر ''سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کی توضیح نہیں کی جا سکتی۔ لفظ ''سِیْرَۃ'' عربی لغت میں ''سَیْر'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ ''سَیْر'' یعنی حرکت کرنا اور چلنا وغیرہ اور ''سِیْرَۃ'' یعنی حرکت کرنے اور چلنے کا انداز۔ ''سِیْرَۃ'' وزن پر ہے ''فِعْلَۃ'' کے اور عربی زبان میں ''فِعْلَۃ'' دلالت کرتا ہے نوعیت پر۔ مثلاً ''جَلْسَۃ'' یعنی بیٹھنا اور ''جِلْسَۃ'' یعنی بیٹھنے کا انداز، اسی طرح ''سَیْر'' کا مفہوم ہے چلنا اور ''سِیْرَۃ'' کا مطلب ہے چلنے کا انداز۔ پس سِیرۃُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طرزِ عمل ہے نہ کہ عمل اور جن لوگوں نے سیرت کے عنوان سے کتابیں لکھی ہیں اُن میں سے اکثر نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمل کو تحریر کیا ہے نہ کہ عمل کے انداز کو، لہٰذا وہ کتابیں ''سَیْر'' کے زمرے میں آئیں گی نہ کہ ''سِیْرَۃ'' کے۔ یہ ایک گہرا نکتہ ہے۔ میں نے زیرِ نظر کتاب ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ''سَیْر'' اور ''سِیْرَۃ'' یعنی عمل اور طرزِ عمل، دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

جب ایسی عظیم ہستی کا ذِکر ہو تو ظاہر ہے کہ تاریخ اور احادیث کی مستند کتب ہی سے روایات و واقعات لیے جاتے ہیں، آپ زیادہ سے زیادہ اِن روایات کو سلیس زبان میں بیان کر سکتے ہیں یا بعض اوقات موضوع کے اعتبار سے مختصر کر سکتے ہیں۔ میں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے لیکن کچھ مقامات پر محض اِس وجہ سے کہ کہیں روایت میں تحریف کا گمان نہ گزرے، میں نے حوالہ کی کتاب سے پورے کا پورا واقعہ بعینہٖ درج کیا ہے۔ بعض واقعات ایک ہی باب میں دو یا دو سے زیادہ بار بیان ہُوئے ہیں، اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ مختلف روایات میں اُن کا ذِکر بھی الگ انداز میں آیا ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ قاری کو مختلف روایات سے آگہی حاصل ہو جائے تا کہ کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل نہ رہے۔

کتابِ ہٰذا میں چند روایات ایسی بھی ہیں جو عیسائی یا یہودی راہبوں اور کفّار وغیرہ کے بیانات پر مبنی ہیں۔ اُنھوں نے اپنی گفتگو میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ''تم، تمھارا، اُس، اُس کا اور اُسے'' وغیرہ جیسے الفاظ یعنی صیغہ ٔواحد استعمال کیا تھا، روایات میں عموماً الفاظ وفقرات بعینہٖ لکھے جاتے ہیں لیکن میں نے یہاں ایسے تمام الفاظ کو احتراماً ''آپ، آپ کا، اُنھیں اور اُن کا'' جیسے الفاظ یعنی جمع کے صیغے سے تبدیل کر دیا ہے اور بریکٹ میں ''صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے الفاظ شامل کیے ہیں جو کہ اُن لوگوں کی زبان سے فطری معلوم نہیں ہوتے لیکن ہمارے اہلِ علم ودانش قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری زبان اور قلم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے واحد کا صیغہ استعمال ہونا اور اسمِ گرامی بغیر صلوٰۃ کے ادا ہونا ہماری فطرت کے خلاف ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ''دینِ واحد'' کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ مختلف مسالک اور فرقے اور پھر اِن فرقوں کے اندر مزید گروہ بن گئے ہیں۔ میں ہمیشہ سے اتحادِ بین المسلمین کا خواہاں رہا ہوں اِس لیے میں نے اپنی اِس تالیف میں کسی ایک مسلک کی روایات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے معروف مسالک کی کتب سے روایات کو یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔

میں، علامہ اظہر حسین بہشتی اور علامہ سیّد مزمل نقوی کا بے حد ممنون ہوں جن کی راہنمائی کتابِ ہٰذا کی تالیف کے دوران میں میرا حوصلہ بڑھاتی رہی اور میرے رخشِ قلم کو مہمیز کرتی رہی۔ انھوں نے نہایت باریک بینی سے کتاب کا مطالعہ کر کے اس میں پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی اور اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کی صحت وزندگی میں برکت فرمائے۔ آمین۔

سیّد حماد رضا بُخاری
فیصل آباد۔ پاکستان
۰۸ جنوری ۲۰۱۴ء
فون: +92 300 9655650
ای میل: hrbukhari@hotmail.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطّٰھِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ ○

نُورِ محمّدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق

اللہ کے حبیب، نبی آخرُالزمان جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عظیم ترین شخصیت ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کو کسی بھی حوالے سے کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ اور بُلند تر ہیں۔ ''اُصولِ کافی'' میں ہے کہ امیرُ المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے کسی چیز کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہتر پیدا نہیں کیا، راوی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردارِ اولادِ آدم تھے؟'' آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تمام مخلوق کے سردار ہیں اور خدا نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہتر کوئی مخلوق پیدا ہی نہیں کی۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کسی کی مِثل ہیں اور نہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مِثل ہوسکتا ہے۔ خالقِ کائنات، خالقِ اکبر اور سب سے عظیم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے محبوب ہیں لہٰذا اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے معیارِ عظمت کے مطابق تخلیق فرمایا ہے۔ ایک عام سی بات ہے کہ جو جیسا ہو گا اُس کا معیار بھی ویسا ہی ہوگا، پروردگارِ عالم کیونکہ خود اعلیٰ و اَرفع ہے اس لیے اُس کا معیار بھی اُسی کی طرح اعلیٰ و اَرفع اور ہر خامی سے پاک ہے جس کا عکس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال و

[1] مولانا سید ظفر حسن، مستطاب الشافی (ترجمہ اُصول کافی، شیخ محمد بن یعقوب کُلینی، متوفی ۳۲۹ء) ج ۳ ص ۷

کردار میں یوں نظر آتا ہے کہ زباں بے ساختہ پکار اُٹھتی ہے:

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ○ کَشَفَ الدُّجَا بِجَمَالِہٖ○

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ○ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ○

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کمال سے بامِ عروج پر پہنچے۔ اپنے حُسن و جمال سے اندھیروں کا دامن چاک کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ خوب ترین خصائل کا مجموعہ ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آلِ پاک علیہم السلام پر درُود و سلام ہو۔)

کوئی اپنے محبوب کے بغیر کب تک رہ سکتا ہے؟ اگر بس میں ہو تو شاید ایک پل بھی نہیں، تو کیا وہ رَبِّ لَمْ یَزَلْ جو ازل سے ہے اور خالقِ عالم ہے، ساری کائنات کو بنا لینے کے باوجود اپنے محبوب کا انتظار ربیع الاوّل سنہ ایک عام الفیل، ۵۷۰ عیسوی تک کرتا رہا؟ نہیں! عقلِ سلیم یہ نہیں مانتی اور نہ ہی یہ حقیقت ہے کیونکہ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو تخلیقِ کائنات سے بھی پہلے خَلق فرمایا تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نُور سے کائنات کو بنایا۔

توریت سفر اوّل، عجائبُ القصص، سراجُ القلوب اور عرائس ثعلبی وغیرہ میں ہے، ''خداوندِ عالم نے نورِ اقدس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک جوہرِ سبز کو پیدا کیا پھر اُس پر نگاہِ ہیبت ڈال کر اُسے پانی کر دیا، پھر اُس پانی سے عرش و کرسی، لوح و قلم، زمین و آسمان، شمس و قمر، جنّت و دوزخ، رات و دِن، جملہ ملائکہ اور جنّات نیز بہت سی چیزیں پیدا کیں۔''[۱] یعنی پہلے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نُور خَلق فرمایا اور پھر اُس نُور سے دوسری مخلوق کو پیدا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نُورِ وجود کی تخلیق بروایتے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ۹ لاکھ سال پہلے اور بروایتے ۴ یا ۵ لاکھ سال قبل ہوئی تھی۔[۲]

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی، تاریخ اسلام، ج ا ص ۴۵ بحوالہ عجائبُ القصص، سراج القلوب، عرائس ثعلبی

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۵

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نُورِ اقدس اصلابِ طاہرہ اور ارحامِ مطہرہ میں قیام کرتا ہُوا جناب عبداللہؑ بن عبدُ المطلبؑ کے صُلب تک پہنچا تو حضرت آمنہؑ بنت وَہب کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور و شہود بشکلِ انسانی ہُوا۔ علامہ نجم الحسن کراروی ''تاریخ اسلام'' میں بیان کرتے ہیں کہ خالقِ کائنات نے اپنی مخلوقِ اوّل میں اپنے کمال و جمال کو سمو کر ''نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کو اپنی پہلی مخلوق کی صورت میں ظاہر فرمایا جو لاجواب اور بے مِثل و بے نظیر ہے۔ وہ کمال و جمال میں مظہرِ ذاتِ باری ہے۔ اُس کو مِثل و مثال سے پاک رکھا اور دُوئی اور مماثلت سے بچانے کے لیے اُس کے جسم کے قریب سائے تک کو نہیں آنے دیا۔ اِسی بارے میں خود رسولِ کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِیْ'' (خدا نے سب سے پہلے میرے نُور کو پیدا کیا)۔ یہ نُور چونکہ کمالِ ذاتی کا مظہر تھا اس لیے ٹھیک اُسی طرح جس طرح آفتاب سے شُعاع نکلتی ہے (احادیث میں یہ تعبیر سمجھانے کے لیے کی گئی ہے) اپنے نُورِ ذاتی کی شُعاع سے اُسے خَلق فرمایا، پھر حکم دیا کہ سجدے میں چلا جا، چنانچہ یہ نُور سو سال تک سجدے میں پڑا رہا۔ اِسی کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ''[۱] یعنی میں سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں۔

علامہ مجلسی ''حیاتُ القلوب'' میں روایت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ کائنات کی تخلیق سے چار لاکھ چوبیس ہزار سال پہلے کا ہے۔[۲] جب کہ علامہ عبدالواحد حنفی ''عجائبُ القصص'' میں بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ تخلیقِ عالم سے نو لاکھ برس قبل کا ہے۔ یہ نُورِ مقدس ہزاروں سال حجابِ قدرت میں رکھا گیا جہاں یہ خداوندِ ذوالجلال کی تسبیح کرتا رہا۔ ''عرائس المجالس ثعلبی'' اور ''حیاتُ القلوب'' میں علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ خَلّاقِ عالم نے نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ساری کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اِس نُورِ اَقدس کو زیرِ عرشِ اعظم منتقل کر دیا۔ یہ

---

[۱] سُورۃ زُخرف، آیت ۸۱

[۲] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۴۲

نُوراس جگہ تہتر ہزار سال عبادتِ خدا کرتا رہا پھر وہاں سے بہشت میں منتقل کیا، وہاں ستر ہزار سال محوِعبادت رہا پھر سِدرَۃُ المنتہیٰ میں منتقل کردیا، اس جگہ ستر ہزار سال عبادت کرتا رہا پھر آسمانِ ہفتم میں منتقل کیا، وہاں سے آسمانِ ششم پر پہنچایا اور اِسی طرح آسمانِ اوّل پر پہنچا دیا۔ یہ نُورِ مُقدّس وہاں اپنے خالق کی عبادت کرتا رہا یہاں تک کہ مَشیّتِ ایزدی حضرت آدم علیہ السلام کی مقتضی ہُوئی اور جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق عمل میں آئی۔ [۱]

علما کا بیان ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے تو اس مُقدس نُور کو اُن کے صُلب میں رکھا گیا۔ روایت ہے کہ حضرت معاذؓ نے جناب رَسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خِلقتِ آدم علیہ السلام سے پہلے کہاں مُقیم تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم سب عرش کے سامنے خدا کی تسبیح وتقدیس اور تحمید وتمجید کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت معاذؓ نے دریافت کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اُس وقت آپ حضرات کی ہیئت کیا اور کیسی تھی؟ فرمایا کہ ہم پہلے اَشباح کی طرح تھے، جب خدا نے ہمیں صورت عطا کرنا چاہی تو ایک نُور کی شکل میں صُلبِ آدم علیہ السلام میں رکھا اور پھر صُلبِ پدر سے رِحمِ مادر میں منتقل کرتا رہا، اس انتقالِ مکانی کے عہد میں ہم تک کسی قسم کی کوئی نجاست نہیں پہنچی۔ [۲]

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق میں افضل واوّل ہیں اِسی طرح مرتبہ نبوّت میں بھی اوّل ہیں۔ پس حدیثِ پاک میں ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) اپنے خمیر میں تھے۔ میسرۃُ الفخر سے مَروی ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کب سے مقامِ نبوّت پر فائز ہیں؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں اُس وقت سے صفتِ نبوّت سے موصوف ہوں جب کہ آدم (علیہ السلام) رُوح وجسم کے درمیان

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی، تاریخ اسلام، ج ا ص ۴۵ بحوالہ حیاتُ القلوب، عرائس ثعلبی، عجائبُ القصص، کشف الانوار، ترجمہ فارسی بحار جلد ۹ ص ۲۲۹

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی، (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام، ج ا ص ۴۶

تھے یعنی ابھی اُن کی رُوحِ اقدس کا جسدِ اطہر سے تعلُّق قائم نہیں ہُوا تھا۔[1]

میسرہ سے ہی منقول ہے کہ میں نے بارگاہِ نبوّت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کب سے بنے ہُوئے ہیں؟ تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ ربُّ العزت نے زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کا ارادہ فرمایا اور اُن کو سات طبقات کی صورت میں تخلیق کیا اور عرش کو (ان سے قبل) ایجاد فرمایا تو عرش کے پائے پر "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ" (محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں) لکھا اور جنّت کو پیدا فرمایا تو میرا نام جنّت کے دروازوں پر، اُس کے درختوں کے پتّوں اور اہل جنّت کے خیموں اور قُبّوں (گنبد، بُرج) پر لکھا، حال آنکہ ابھی آدم علیہ السلام کی رُوح اور جسم کا باہم تعلُّق قائم نہیں ہُوا تھا۔ پس جب اُن کی رُوح کو جسم میں داخل فرمایا اور زندگی عطا فرمائی تب اُنھوں نے عرشِ معظم کی طرف نگاہ اُٹھائی تو میرے نام کو عرش پر لکھاہُوا دیکھا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تمھاری اولاد کے سردار ہیں۔ جب اُن کو شیطان نے دھوکا دیا تو اُنھوں نے بارگاہِ الٰہی میں توبہ کی اور میرے نام سے ہی شفاعت طلب کی یعنی میرے نام کو وسیلہ بنایا۔ یہی مضمون حضرت ابوہریرہ سے "ترمذی" میں اور حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ سے "طبرانی کبیر" میں منقول ہے اور بقول ابنِ ربیع اِس کو اہلِ سُنّت کے ائمہ، بُخاری نے "تاریخ" میں اور احمد نے "مُسند" میں نقل کیا اور حاکم نے اِس کی تصحیح کی ہے۔ نیز ابونعیم نے اِس کو "دلائل النبوّۃ" میں حضرت ابوہریرہ سے اِن الفاظ کے ساتھ روایت کیا، "کُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَآخِرَھُمْ فِی الْبَعْثِ" یعنی "میں تخلیق میں سب انبیا سے مُقدَّم ہوں اور بِعثت میں سب سے آخری ہوں۔" قابلِ غور اَمر یہ ہے کہ اِن صحابہ کرامؓ

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اُردو)، ج ۲ ص ۱۴۔ مرقاۃ، ج ۱۱ ص ۵۸ عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۴۵

نے اپنا سوال اور جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جواب نقل کیا ہے، اگر اُن کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود عالم عناصر کے ظہور سے قبل نہ تھا تو صحابہ کرامؓ کا سوال عبث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جواب غلط (نعوذ باللہ مِن ذٰلک) تو لامُحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ صحابہ کرامؓ نے یہ جان لیا تھا کہ جس ذاتِ اقدس نے عالم عناصِر میں نُمو فرما ہونے کے چالیس سال بعد اعلانِ نبوّت فرمایا، نہ تو وہ اب نبی بنے ہیں اور نہ ہی چالیس سال قبل وجود میں آئے بلکہ وہ موجود بھی پہلے سے ہیں اور شرفِ نبوّت سے مشرف بھی پہلے سے ہی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی تائید و تصدیق فرما کر اپنے اصلی مقام و شان کو واضح فرمایا کہ میں اُس وقت سے موجود ہوں جب ابولبشر (علیہ السلام) کا وجود نہیں تھا اور میں صرف موجود نہیں تھا بلکہ تاجِ نبوّت اور خِلعتِ رسالت بھی زیب تن کیے ہُوئے تھا۔[1]

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) موجود نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا ہی نہ کرتا۔ تحقیق جب میں نے عرش کو پیدا کیا تو وہ میری ہیبت وجلالت سے لرزنے لگ گیا۔ جب میں نے اُس پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا تو اُس کو سکون و قرار آ گیا۔[2]

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۝

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۴۶

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۴۸
مستدرک حاکم ۲/۶۷۱

نُورِ محمّدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا اصلابِ طیّبہ سے ارحامِ مطہرہ کی طرف انتقال

نُورِ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، حضرت آدم علیہ السلام کی پُشت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ حضرت حوّا کے بطن میں جناب شیث علیہ السلام آئے تو وہ نُور حضرت حوّا کی پیشانی میں جلوہ گر ہُوا اور جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہُوئے تو وہ نُور اُن کی پیشانی سے ظاہر ہونے لگا۔

زرارہ، بحوالہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کہتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے پنجشنبہ (جمعرات) کے دن وقتِ عصر کے بعد آسمان سے ایک حُوریہ کو بصورتِ انسان بھیجا جس کا نام ''نزّلہ'' (بعض روایات کے مطابق ''محاولۂ بیضا'') تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ شیث کا نکاح اِس کے ساتھ کر دو، چنانچہ اُنھوں نے اُس حوریہ کا نکاح شیث علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ دوسرے دن وقتِ عصر کے بعد ایک اور حُوریہ کو بصورتِ انسان نازل فرمایا جس کا نام ''مُنزّلہ'' تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہُوا کہ اپنے دوسرے صاحبزادے یافث کی شادی اِس کے ساتھ کر دو۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں میں باہمی مناکحت کر دی۔ اِن شادیوں کے بعد حضرت شیث علیہ السلام کے ہاں لڑکا پیدا ہُوا اور یافث کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اِس طرح چچا زاد اولادوں کے باہمی رشتۂ ازواج سے توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اِسی پاک اور جائز طریقے سے انبیا اور مُرسلین بھی پیدا ہُوئے۔ [1]

حضرت شِیث علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اَنُوش (کتاب رحمۃً لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ نام اس طرح آیا ہے، اِس باب میں بریکٹ میں دیے گئے باقی نام بھی اِسی کتاب

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی، تاریخ اسلام، ج ا ص ۱۰۵ بحوالہ علامہ جزائری، النور المبین فی قصص الانبیاء والمرسلین ص ۶۶ تا ۶۸۔ علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ا ص ۴۹

سے لیے گئے ہیں۔[1] مؤلف) کی ولادت ہوئی تو نُورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جناب انُوش (آنوش) علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا پھر یہ نُورِ مبارک حضرت انُوش سے اُن کے فرزند قینان کی جانب، اُن سے مَہلائیل (محلل ایل/ ملہل ایل) کی طرف، اُن سے یارد کی جانب، اُن سے اُخنوخ/ اُخنوع (حنوک) کی طرف جنھیں ادریس علیہ السلام بھی کہتے ہیں، اُن سے متوشلخ (متوسلح / متوشائح) کے پاس، اُن سے ملک (لامک/ لمک) کی جانب اور اُن سے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف منتقل ہُوا۔ نوح علیہ السلام سے سام (سم)، سام سے اُن کے فرزند ارفخشد (ارفکشاد/ ارفکسد)، اُن سے اُن کے بیٹے عابر (عیر)، اُن سے قالع (فائج/ فلج)، اُن سے ارغو (رعو)، اُن سے شارِغ (سروج)، اُن سے ناحور (نحور)، اُن سے تارُخ کی طرف اور پھر اُن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب منتقل ہُوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام، اُن سے قیدار، اُن سے ہُمیسع، اُن سے بنت، اُن سے سَحب، اُن سے اُود، اُن سے *** عدنان، اُن سے مَعد، اُن سے نزار، اُن سے مغیر (مضر)، اُن سے الیاس علیہ السلام، اُن سے مُدرِکہ، اُن سے خزیمہ، اُن سے کنانہ، اُن سے قُصَی، اُن سے لُوی، اُن سے غالب، اُن سے فِہر، اُن سے عبدمُناف اور اُن سے جناب ہاشم کی جانب منتقل ہُوا جن کو عَمرٌو العُلا بھی کہا جاتا تھا۔ (قاضی محمد سلیمان، کنانہ سے حضرت ہاشم تک سلسلہ نسب یوں بیان کرتے ہیں: کنانہ سے نضر، اُن سے مالک، اُن سے فہر، اُن سے غالب، اُن سے لوی، اُن سے کعب، اُن سے مرہ، اُن سے کلاب، اُن سے قصی، اُن سے عبدمناف اور اُن سے ہاشم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نُور حضرت ہاشم سے اِس حد تک ساطع تھا کہ جب وہ مسجد الحرام میں داخل ہوتے تھے تو کعبہ اُن کے نُور سے روشن ہو جاتا تھا۔ آپ کے چہرۂ اقدس سے ہمیشہ ایک روشنی آسمان کی جانب بُلند ہوتی تھی۔ پھر وہ نُورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کے فرزند حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی طرف پھر حضرت سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد بزرگوار جناب عبداللہ علیہ السلام کی

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

طرف، یعنی یکے بعد دیگرے پاک پشتوں اور پاک رِحموں میں منتقل ہوتا رہا تا آنکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! جب حضرت آدم علیہ السلام جنّت میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس وقت کہاں تھے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں اُن کی پشت میں تھا اور جب اُن کو زمین پر اُتارا گیا تو اُس وقت بھی میں اُن کی پشت میں تھا اور جب نوح علیہ السلام طوفان کے ایام میں کشتی پر سوار تھے تو اُس وقت میں اُن کی پشت میں تھا اور کشتی میں سوار تھا۔ جب میرے جدّ امجد حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ (علیہ السلام) کو آگ میں پھینکا گیا تو میں بھی اُن کی پشت میں ہونے کی وجہ سے آگ میں پھینکا گیا۔ میرے آباؤ اجداد اور اُمہات وجدّات کبھی بُرائی کے مرتکب نہیں ہُوئے، اللہ رَبُّ العزت مجھے ہمیشہ پاکیزہ رکھتے ہُوئے پاک پشتوں سے پاک رِحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا۔ جب بھی میرا قبیلہ دو شاخوں میں تقسیم ہُوا، میں اُن میں سے بہترین شاخ میں منتقل ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے روزِ میثاق میری ہی نبوّت کا انبیائے کرام سے عہد لیا۔ توراتِ موسیٰ (علیہ السلام) میں میری بشارت دی اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی انجیل میں میرے نام کی تشہیر فرمائی۔ فرشِ زمین میرے جمالِ رُخِ انور سے روشن رہے گا اور سقفِ آسمان میرے دیدار سے تاباں۔ (۲)

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین مخلوق میں پیدا فرمایا، جب مخلوق کو مختلف

---

(۱) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۵۳

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۲ باب اوّل النسب

(۲) عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۴۹، ۵۰

بحوالہ کذا فی الشفا للقاضی عیاض و شرح القاری و دلائل ابی نعیم

و مسند ابن عمرو العدنی و نسیم الریاض، ج ۲ ص ۲۰۲

جماعتوں میں بانٹا تو مجھے بہترین جماعت میں منتقل فرمایا، جب جماعتوں کو متفرق قبائل و شعوب میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلے اور شعبے میں پیدا فرمایا اور جب قبائل کو مختلف بیوت میں تبدیل کیا تو مجھے بہترین بیت میں منتقل فرمایا، پس میں تمام قریش سے گھرانے اور ذاتی خصوصیات و کمالات کے لحاظ سے افضل ہوں۔

بلا شُبہ نُورِ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تخلیق سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہورِ پُر نُور تک خالقِ کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہمیشہ خاص اہتمام فرمایا۔ قبیلوں میں سب سے اعلیٰ قبیلے اور اس قبیلے کے افراد میں سے سب سے ارفع اور متقی افراد کے اصلاب وارحام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نُور کو مقیم فرمایا۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے نقل فرمایا کہ میں نے تمام زمین کے اطراف و اکناف اور گوشہ گوشہ کو چھان مارا مگر مجھے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جیسی کوئی ہستی نظر نہ آسکی اور میں نے سب روئے زمین کو غور سے دیکھا مگر کسی شخص کی اولاد بنی ہاشم جیسی نظر نہ آئی۔[۱]

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نکاح کے ساتھ متوّلِد ہُوا ہوں نہ کہ غیر شرعی طریقے پر اور میرا یہ نسبتی تقدس حضرت آدم (علیہ السلام) سے شروع ہو کر میرے والدین حضرت عبداللہ (علیہ السلام) اور حضرت آمنہ (علیہا السلام) تک برقرار رہا اور میرے نسب میں زمانۂ جاہلیت کی بدکرداریوں اور آوارگیوں کی ذرا بھر ملاوٹ نہیں۔[۲]

اللہ رَبُّ العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب کو طیّب و طاہر رکھا اور زمانوں اور رواجوں کی ہر طرح کی منفی آمیزش و کثافت و نجاست اور سفاحِ جاہلیت کے رسوم و رواج سے پاک صاف رکھا۔ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ بعض نادان لوگ اپنی بیویوں کو شرفا کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ اُن کے ذریعے اولاد پیدا کریں۔ ایسا بھی ہوتا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ عرصہ دراز تک بغیر

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۹۸، ۹۹

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اُردو)، ج ۲ ص ۱۷

نکاح کے رہتی اور پھر اُس سے شادی کر لیتی۔ [1]

بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں زمانۂ جاہلیت کی کسی برائی سے متوّلد نہیں ہُوا بلکہ ہمیشہ اسلامی نکاح سے ہی پیدا ہُوا (یعنی میرے تمام آباؤ اجداد نے ہمیشہ اسلامی نکاح کے ذریعے ہی رشتۂ ازدواج قائم کیا)۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباواجداد نے کبھی کوئی غیر شرعی کام نہیں کیا اوراللہ رَبُ العزت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہمیشہ پاک اصلاب وارحام میں ہی مقیم فرماتا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے ہر قسم کی نجاست وغلاظت اور جاہلیت سے پاک رکھا۔ [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد اور جدّات، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین تک، سبھی مسلمان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نُور کبھی کسی مشرک کے صُلب یا کسی مشرکہ کے رِحم میں قرار نہیں پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باپ داداؤں اور ماؤں (یعنی آباواجداد) کے نسب میں کسی قسم کا کوئی شُبہ نہیں اور خاصہ وعامہ کے طریق سے متواتر حدیثیں اِس پر دلالت کرتی ہیں بلکہ احادیثِ متواترہ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد سب کے سب انبیا، اوصیا اور حاملانِ دینِ خدا رہے ہیں۔ [3]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اُردو)، ج ۲ ص ۱۷

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اُردو)، ج ۲ ص ۱۷

[3] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۶۶

نسبِ گرامی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابُو القاسم مُحمَّد بِن عبدُاللہ بِن عبدُ المُطلب شَیْبة بِن ھاشِم عَمْروُ بِن عَبدِ مُناف مغیرۃ بِن قُصی زید بِن کِلاب بِن مُرۃ بِن کَعب بِن لُو ی بِن غالب بِن فِھرُ قریش بِن مالِك بِن نَضر قیس بِن کنانۃ بِن خُزَیمۃ بِن مُدرکۃ عامر بِن الیاس بِن مُضر بِن نَزار بِن مَعد بِن عَدْنان ..... جناب عدنان تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ گرامی میں مکمل اتفاق ہے لیکن اِس کے بعد اختلاف ہے تاہم اِس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عدنان کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرا نسب عدنان تک پہنچے تو ٹھہر جاؤ، لہٰذا فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل کرتے ہُوئے ہم یہیں ٹھہرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کا نام آمنہ علیہا السلام تھا جو قبیلہ بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی صاحبزادی تھیں۔ [۱]

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اُوپر سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے: اسماعیل علیہ السلام (عمر ۱۳۷ سال) بن ابراہیم علیہ السلام (عمر ۱۷۵ سال) بن تارُخ (عمر ۲۰۵ سال) بن ناحور (عمر ۱۵۹ سال) بن سروج یا ساروغ (عمر ۲۳۲ سال) بن رَعو یا راعو (عمر ۲۳۹ سال) بن فالج یا فالغ (عمر ۲۳۹ سال) بن عابِر (عمر ۴۶۰ سال) بن شالخ بن ارفکشاد یا ارفخشد (عمر ۴۳۸ سال) بن سام (عمر ۶۰۲ سال) بن نوح علیہ السلام (عمر ۹۵۰ سال) بن لامِک (عمر ۷۷۷ سال) بن متوشائح یا متوسالخ (عمر ۹۶۹ سال) بن اخنوخ یا ادریس علیہ السلام (عمر ۳۶۵ سال) بن یارد (عمر ۹۶۲ سال) بن مہلائیل یا ملہل ایل (عمر ۸۹۵ سال) بن قینان (عمر ۹۱۰ سال) بن آنوش (عمر ۹۰۵ سال) بن شیث علیہ السلام (عمر ۹۱۲ سال) بن آدم علیہ السلام (عمر ۹۳۰ سال)۔ [۲]

---

[۱] علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۱۰۳

علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشفُ الغُمّۃ، ج ۱ ص ۱۵

[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد

حضرت ابراہیم علیہ السلام

بروایتِ ''روضۃُ الصفا'' طوفانِ نوح سے ۱۰۸۱ سال بعد اورعہدِ حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام سے عرصہ دراز کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل یا کوفہ کے علاقہ ''کوثا'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ''تارُخ'' اور والدہ کا نام بروایتِ ''کشفُ الغُمّۃ''، ''تونا'' تھا۔[۱]

حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب ''تاریخ'' اور اسحٰق بن بشیر الکاہلی نے ''المبتدا'' کے حوالے سے آپ کی والدہ کا نام ''اُمیلہ'' بتایا ہے لیکن کلبی نے آپ کی والدہ کا نام بونا بنت کربنا بن کرثی لکھا ہے اور اُنھیں بنی ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کے خاندان سے بتایا ہے۔[۲]

بعض لوگ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد کہتے ہیں، واضح ہو کہ یہ خیال قطعی غلط ہے۔ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور بت ساز و بت پرست تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عرصہ تک اُس کے ساتھ رہے تھے شاید یہی وجہ ہو کہ اُسے آپ کا باپ سمجھ لیا گیا۔

آپ کا لقب خلیل اللہ تھا اور آپ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ آپ صاحبِ شریعت تھے اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کا مقام یہ تھا کہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی شریعت کے باقی رکھنے کا حکم دیا۔ آپ کی ولادت خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے بادشاہ نمرود کے دَور میں ہوئی تھی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب نمرود نے خواب میں ایک ایسا ستارہ دیکھا جس کی ضیا چاند اور سورج کی روشنی

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام، ج ۱ ص ۱۹۹

[۲] ابوالفداء عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنھایۃ)، ج ۱ باب اوّل ص ۱۵۹

پر غالب آ گئی تھی۔ اُس کے نجومیوں اور کاہنوں نے اُس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اُس کی مملکت میں عنقریب ایک ایسا بچّہ پیدا ہوگا جس کی شان وعظمت سے اُس کی سلطنت اور خدائی ختم ہو جائے گی۔ وہ بچّہ نئے دِین اور شریعت کا آغاز کرے گا، بتوں کو توڑے گا اور اُس کی سلطنت کو مٹا دے گا۔ پس نمرود نے اُس بچّے کی ممکنہ پیدائش کو روکنے کے لیے تمام تر غیر اخلاقی، غیر انسانی اور ظالمانہ طریقے اختیار کر ڈالے لیکن مشیّتِ الٰہی کے آگے بے بس ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس کی نام نہاد خدائی کا بُت پاش پاش کرنے دُنیا میں تشریف لے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے حران کی طرف پہلی ہجرت کے موقع پر بمقامِ حران حضرت سارہؓ سے عقد فرمایا، اُس وقت آپ کی عمر ۷۵ سال اور حضرت سارہؓ کی ۳۷ سال تھی، بروایتے حضرت سارہؓ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔[۱]

آپ حران سے کنعان کی طرف عازمِ سفر ہُوئے اور پھر کنعان سے مصر کی جانب ہجرت کی۔ مصر کا بادشاہ ایک فرعون تھا، وہ حضرت سارہؓ کا حُسن وجمال دیکھ کر بدنیّت ہو گیا۔ اُس نے دست درازی کی کوشش کی مگر قادرِ مطلق نے اُسے بی بی پر قادر نہ ہونے دیا اور اُس کا بڑھتا ہُوا گستاخ ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ وہ گھبرا کر معافی کے لیے منت سماجت کرنے لگا تو جناب سارہؓ نے اُسے معاف کر دیا اور دُعا کی تو اُس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ ہاتھ ٹھیک ہوتے ہی وہ پھر بدنیّت ہو گیا، خدا کے حکم سے اُس کا ہاتھ دوبارہ مفلوج ہو گیا اور وہ پھر گڑگڑانے لگا تو آپ نے اُسے پھر معافی دے دی، ایسا تین بار ہُوا۔ آخر کار اُس نے جان لیا کہ یہ خاتون کوئی عام عورت نہیں بلکہ اِس پر قدرت کا خاص کرم ہے تو اُس نے دِل سے توبہ کی اور سچائی کے ساتھ معافی کا خواستگار ہُوا، بی بی سارہؓ نے اُسے معاف کر دیا۔ اُس نے ایک کنیز جس کا نام ہاجرہؓ

---

[۱] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، تاریخ اسلام، ص ۲۲۰

تھا حضرت سارہؓ کی خدمت میں بطورِ نذرانہ پیش کی، بحوالہ توریت مرقوم ہے کہ حضرت ہاجرہؓ کنیز نہیں بلکہ فرعون کی بیٹی تھیں۔ (۱)

حضرت سارہؓ کی گود خالی تھی اور اولاد کا کوئی امکان بھی نہیں تھا اس لیے اُنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محرومیٔ اولاد کو محسوس کیا اور حضرت ہاجرہؓ کو اُنھیں ہبہ کرتے ہُوئے عقد کی پیش کش کر دی کہ شاید اللہ تعالیٰ اولاد سے نواز دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کی پیش کش قبول کر لی۔

۸۶ سال کی عمر میں آپ کے ہاں حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ مؤرّخین نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ہاجرہؓ ماں بنیں تو حضرت سارہؓ برہم ہو گئیں اور اُنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہاجرہؓ کو کہیں دُور بھجوا دیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بحکمِ الٰہی مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے۔ اسماعیل علیہ السلام پانچ سال کے تھے کہ اللہ کی قدرت سے حضرت سارہؓ کے ہاں بھی ولادت ہو گئی اور اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کے لیے روانہ ہُوئے، مشعر الحرام پہنچے تو رات ہو گئی۔ آپ وہیں سو رہے اور خواب دیکھا کہ اپنے فرزند اسماعیل (علیہ السلام) کو (راہِ خدا میں) ذبح کر رہے ہیں۔ دراصل یہ خواب نہیں بلکہ اللہ کا حکم تھا پس آپ نے حضرت ہاجرہؓ سے کہا کہ اسماعیل (علیہ السلام) کو بنا سنوار دو، میں اُسے ساتھ لے کر ایک دوست سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ اُنھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تیار کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے اِن الفاظ سے ممکن ہے کہ بعض

---

(۱) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، تاریخ اسلام، ص ۲۲۱ بحوالہ اُسوۃ الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۱ ص ۲۸۹
ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۱ ص ۸۱
پی شلومر اسحاق (مفسر توریت) تفسیر توریت، کتاب پیدائش، باب ۱۶ آیت ۱

ناپختہ ذہنوں میں یہ شُبہ پیدا ہو کہ نبی (علیہ السلام) نے اپنی بیوی سے جھوٹ بولا، جارہے ہیں بیٹے کو ذبح کرنے اور کہہ رہے ہیں کہ میں کسی دوست سے ملاقات کرنے جارہا ہوں۔ واضح رہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ ابراہیم علیہ السلام فصاحت وبلاغت میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے چنانچہ اپنے کلام میں ''دوست'' کا لفظ ذومعنی انداز میں استعمال کر کے بہت کچھ کہہ دیا، یہاں دوست سے مراد اللہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:[۱] وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ (اور اللہ پرہیز گاروں کا دوست اور مددگار ہے)۔ پس آپ ایک چھری اور رسّی لے کر روانہ ہوگئے۔ منیٰ میں پہنچ کر اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمھیں (اللہ کی راہ میں) ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمھارا کیا خیال ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ ابّا جان! جو آپ کو حکم ہُوا ہے وہی کیجیے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ پس قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:[۲] فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (جب وہ لڑکا آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہُوا تو آپ نے فرمایا (اے بیٹا!) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں تم غور کر کے بتاؤ کہ تمھاری رائے کیا ہے؟ کہا (اے ابا جان!) آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ بجالائیں اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے)۔

بروایتِ یعقوبی اور ''حیاتُ القلوب مجلسی''، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آنکھوں پر پٹی باندھی، اُنھیں زمین پر لٹایا اور گردن پر چھری چلائی لیکن وہ پلٹ گئی۔ پھر سیدھی کی، پھر چلائی، وہ پھر پلٹ گئی۔ ایسا تین بار ہُوا، آخر کار آپ

---

[۱] سورۃ الجاثیۃ، آیت ۱۹

[۲] سورۃ الصافات، آیت ۱۰۲

نے چھری کو مضبوطی سے پکڑا اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر پوری طاقت سے دبا کر چلائی تو گلا کٹ گیا۔ خوش ہُوئے کہ قربانی کامیاب ہوگئی۔ خدا نے بھی فرما دیا: [1] ''قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا'' (تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا)، لیکن جب اپنی آنکھوں سے پٹی کھولی تو دیکھا کہ وہاں ایک ذبح شدہ دُنبہ پڑا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام الگ کھڑے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر غمگین ہو گئے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ''اے ابراہیم! پریشان نہ ہو،'' ''وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ'' (ہم نے تمھارے فدیہ کو ذبحِ عظیم سے بدل دیا ہے)۔ [2]

فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو یہ کہتے ہُوئے سُنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے دُنبہ بھیجا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک قلق سا محسوس ہُوا اور خواہش کی کہ کاش اِس دُنبے کی جگہ وہ اپنے جگر گوشے کو (خدا کی راہ میں) ذبح کرتے تو اُنھیں بہت بڑا درجہ نصیب ہوتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی۔

فرمایا، ''ابراہیم! تمھیں میری تمام مخلوق میں سے زیادہ محبت کس سے ہے؟''

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی، ''پروردگار! تیری تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہُوا، ''یہ بتاؤ تمھیں اپنے آپ سے زیادہ محبت ہے یا محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے؟''

عرض کیا، ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''یہ بتاؤ تمھیں اُن کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے یا اپنے بیٹے سے؟''

عرض کی، ''الٰہی! مجھے اُن کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے۔''

پروردگارِ عالم نے فرمایا، ''یہ بتاؤ کہ اُن کا بیٹا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جائے تو تمھارے دِل کو زیادہ تکلیف ہوگی یا تمھارا بیٹا میری اطاعت میں تمھارے ہاتھ سے ذبح ہو تو؟''

---

[1] سورۃ الصافات، آیت ۱۰۵

[2] سورۃ الصافات، آیت ۱۰۷

عرض کیا، ''پروردگار! اُن کے بیٹے کا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جانا میرے دِل کے لیے زیادہ تکلیف دِہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''ابراہیم! ایک گروہ جو اپنے آپ کو اُمتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں سے سمجھتا ہوگا، وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے (وصال کے) بعد اُن کے فرزند حسین (علیہ السلام) کو ظلم وستم سے اِس دُنبے کی طرح ذبح کرے گا اور اِس وجہ سے وہ میرے غضب کا حقدار بن جائے گا۔''

یہ سُن کر ابراہیم علیہ السلام کے دِل میں درد کی ایک لہر اُٹھی اور وہ رونے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''ابراہیم! میں نے تمھیں اسماعیل (علیہ السلام) کی بجائے حسین (علیہ السلام) کا غم دیا ہے، اگر تم اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے تو تمھیں اتنا قلق نہ ہوتا جتنا کہ حسین (علیہ السلام) کی شہادت کا سُن کر ہُوا ہے، پس میں نے تمھیں اہلِ مصائب کے بُلند ترین درجات کا مستحق ٹھہرایا ہے اور اس کا (اجر تمھارے فدیے کو) ذبحِ عظیم سے (بدل کر) دیا ہے۔''[۱]

کچھ عرصہ قبل ٹی وی پر ایک خبر دیکھنے کا اتفاق ہُوا جس کے مطابق ایک شخص نے اپنے بچّے کو ذبح کر ڈالا اور دعویٰ کیا کہ مجھے خواب میں اشارہ مِلا تھا کہ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرو لہٰذا میں نے سُنّتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہُوئے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر دیا۔ ایسے خطرناک اور غیر شرعی افعال کی خبریں گاہے بگاہے سامنے آتی ہی رہتی ہیں لہٰذا عرض ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسا کوئی خواب نظر آتا ہے تو وہ قطعاً کوئی خدائی اشارہ نہیں ہوسکتا۔ ایسا خواب شیطانی وسوسہ ہوسکتا ہے یا کسی ذہنی مرض کا نتیجہ، اس لیے یا تو اُسے شیطانی وسوسہ سمجھتے ہُوئے نظر انداز کر دینا چاہیے اور قرآنی آیاتِ مبارکہ کے اوراد و وظائف اور درود وسلام سے مدد لینی چاہیے یا کسی ذہنی مرض کا سبب سمجھتے ہُوئے مستند ماہرِ نفسیات سے رجوع کرنا چاہیے۔ یاد رکھیں کہ انبیائے

---

[۱] شیخ ابی جعفر الصدوق محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۳۶۸

کرام کے خواب کو علما نے وحیِ الٰہی قرار دیا ہے جیسا کہ مدارجُ النبوّت میں بیان کیا گیا ہے، ''اِس پر سب متفق ہیں کہ انبیا علیہم السلام کی رویا یعنی خواب وحی ہے جس میں کسی شک وشبہ کو دخل نہیں، خواب میں اُن کے دِل بیدار اور اُن کی آنکھیں پوشیدہ (بند) ہوتی ہیں۔''[1] پس انبیائے کرام کا خواب وحیِ الٰہی یا قدرت کا اشارہ ہوتا ہے لیکن ایک عام انسان کا خواب وحیِ الٰہی یا قدرتی اشارہ نہیں ہوسکتا اور اس طرح کے خواب پر عمل کرنا شیطانی فعل اور گناہِ کبیرہ ہے لہٰذا ایسے فعل سے اجتناب کرنا ضروری ہے، یہ قتل ہے اور سنّتِ ابراہیمی پر عمل کرنے کا طریقہ دِین اسلام نے عید الاضحیٰ پر اللہ کی راہ میں جانور کی قربانی کو قرار دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے سویں سال میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ آپ مکّہ تشریف لائے اور ہجرتِ نبوی سے بروایتے ۲۷۹۳ سال قبل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔[2]

نمرود کے خواب کے عین مطابق، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اُس کی خودساختہ خدائی کے بُت پاش پاش ہُوئے اور دِینِ ابراہیم علیہ السلام دُنیا کے طول وعرض میں پھیل گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اُترنے والے آسمانی صحیفوں کی تعداد بروایتے دس ہے جو ہدایتی امثال پر مشتمل تھے۔

ثعلبی نے ''عرائس المجالس'' میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ خدا نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے سو صحیفے اور چار کتب نازل فرمائی ہیں، آدم علیہ السلام پر دس صحیفے، شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے، ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے، ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے، داوٗد علیہ السلام

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اُردو)، ج ا ص ۲۰۹

[2] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام ص ۲۳۲

پر زبور، موسیٰ علیہ السلام پر توریت، عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور مجھ پر قرآن نازل فرمایا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُن میں ہدایتی امثال تھے۔ بروایتِ علامہ مجلسی، صحفِ ابراہیم علیہ السلام ماہِ مبارک رمضان کی پہلی تاریخ کو نازل ہُوئے۔ [۱]

''روضۃ الصفا''میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکّہ معظّمہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو شام میں اپنا ولی عہد اور خلیفہ بنایا۔ آپ کا انتقال ۱۷۸ سال کی عمر میں ہُوا، آپ مقامِ قدس خلیل الرحمٰن میں مدفون ہیں۔ [۲]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام، ص ۲۴۲۔ ابواسحاق احمد ثعلبی (متوفی ۴۲۷ ہجری)، عرائس المجالس، ص ۶۹۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۱ ص ۸۵ روضۃ الصفا، ج ۱ ص ۷۴۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۱ ص ۹۸

[۲] روضۃ الصفا، ج ۱ ص ۷۴

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جانشین تھے۔ آپ کی پرورش مکّہ میں ہوئی اور یہیں پر قبیلہ جرہم کے ایک معزز گھرانے میں شادی ہوئی۔ علامہ مجلسی کا بیان ہے کہ وہ بیوی ''عمالقہ'' میں سے تھی اور اُس کا نام ''اسامہ'' تھا۔[۱] ایک روایت کے مطابق وہ بیوی قبیلہ جرہم میں سے تھی اور اس کا نام ''عمادہ'' تھا جسے بعد میں طلاق دے دی گئی تھی۔[۲] اس کے بعد آپ نے ''حیفا بنت مضاض'' سے شادی کر لی اور اُنھیں کے ساتھ ہی ایامِ حیات گذارے۔

''حیاتُ القلوب''میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اِن زوجہ کا نام سیّدہ بنت حارث بن مضاض مرقوم ہے۔ یعقوبی نے ان کا نام ''الحنفا بنت الحارث ابن مضاض الجرھمی'' لکھا ہے۔ بروائتِ عرائس ثعلبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اِن زوجہ سیّدہ بنت مضاض سے بارہ بیٹے ہُوئے جن میں سے قیدار اور ثابت کے ذریعے عرب کی آبادی بڑھی اور اُن کی نسل خوب پھیلی۔ ''روضۃ الصفا''میں ہے کہ یہ دونوں بھائی حرم ہی میں مقیم رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے اور دوسری شادی کرنے کا واقعہ ''طبری'' اور ''الیعقوبی'' میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اکثر حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لیے اُن کے پاس (مکّہ) تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تشریف آوری ہوئی تو حضرت ہاجرہؑ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسماعیل علیہ السلام جوان ہو چکے تھے اور اُن کی شادی بھی ہو گئی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام اُن کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ا ص ۱۰۶

[۲] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ا ص ۱۰۷

دی تو اسماعیل علیہ السلام کی بیوی (اسامہ/عمادہ) باہر آئی۔ آپ نے پوچھا کہ اسماعیل (علیہ السلام) کہاں ہیں اور تُو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ شکار پر گئے ہیں اور میں اُن کی بیوی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ اُس نے کہا کہ کچھ بھی نہیں۔ وہ آپ کے ساتھ خوش دِلی سے پیش آئی نہ کھانا پانی پیش کیا اور نہ ہی کہا کہ سواری سے اُتر کر تشریف رکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں واپس جا رہا ہوں جب اسماعیل (علیہ السلام) آئیں تو اُن سے کہنا کہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دو یہ مناسب نہیں۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار سے واپس آئے تو پوچھا کہ کیا کوئی آیا تھا؟ اُس نے کہا کہ ایک بزرگ آئے تھے، وہ آپ کے لیے یہ پیغام دے گئے ہیں کہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دیں یہ مناسب نہیں ہے۔ یہ سُن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ وہ تیرے لیے طلاق کا حکم دے گئے ہیں اور اُن کا حکم اٹل ہے اس لیے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔

اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام نے ''حیفا بنت مضاض'' سے شادی کر لی یہاں تک کہ ایک سال گذر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے۔ اتفاقاً جناب اسماعیل علیہ السلام اِس دفعہ بھی شکار پر گئے ہُوئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام جونہی اُن کے گھر کے قریب پہنچے اور حیفا بنت مضاض کو خبر ہوئی تو وہ استقبال کے لیے دوڑ پڑیں، اپنا تعارف کرایا اور درخواست کی کہ سواری سے اُتریں تاکہ میں سر دھو دوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں سواری سے نہیں اُتروں گا۔ بروایتِ یعقوبی اُنھوں نے کہا کہ اچھا پھر سر جھکا دیں کہ میں بوسہ دے لوں اور بروایتِ **طبری** اور **روضۃ الصفا** اُنھوں نے کہا کہ آپ کا سر مبارک بہت گرد آلود ہے مجھے موقع دیجئے کہ میں اِسے دھو دوں۔ حضرت نے ایک پتھر پر پاؤں رکھ کر نصف سر ایک طرف سے اور نصف دوسری طرف سے دھلوا لیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ اُنھوں نے فوراً خرما، گوشت اور دُودھ حاضر کیا۔ آپ نے اُسے دُعا دی۔ ''**طبری**'' کے مطابق اِس واقعے سے متعلق حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اسماعیل (علیہ السلام) کی بیوی جَو اور گندم بھی پیش کر سکتی تو اسی

طرح جس طرح عرب میں خرما، گوشت اور دُودھ کی فراوانی ہے، گندم وغیرہ کی بھی بہتات ہوتی۔

الغرض حضرت حیفاؒ نے اُن کی خوب خاطر ومدارات اور آؤ بھگت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے جانے لگے تو فرمایا کہ جب اسماعیل (علیہ السلام) واپس آئیں تو اُن سے کہنا کہ اپنے گھر کی موجودہ دہلیز کو برقرار رکھیں اور اِسے ہٹائیں نہیں کیونکہ یہ بہت مناسب اور بہترین ہے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پہنچے تو بیوی نے سارا واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ وہ آپ کے لیے فرما گئے ہیں کہ اپنے گھر کی موجودہ دہلیز کو برقرار رکھیں اور اِسے ہٹائیں نہیں کیونکہ یہ بہت مناسب اور بہترین ہے اور یہ وہ پتھر ہے جس پر اُنھوں نے قدم رکھے تھے۔ یہ سنتے ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام پدرِ بزرگوار کے زیرِ قدم آئے ہُوئے پتھر پر گر پڑے اور اُسے چومنے لگے پھر اپنی بیوی سے کہا کہ تم خوش نصیب ہو کہ حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) نے مجھے تمھاری قدر و منزلت کی ہدایت فرمائی ہے۔ ''روضۃ الصفا'' میں ہے کہ اِس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ''حیفا بنت مضاض'' کی موجودگی میں کوئی اور شادی نہیں کی۔[1]

ایک اہم نکتہ:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے اور بعد ازاں دوسری بیوی کی قدر و منزلت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کو عموماً اِس حوالے سے دیکھا جاتا ہے کہ پہلی بیوی نے ابراہیم علیہ السلام کا وہ احترام اور خاطر و تواضع نہیں کی جس کے وہ مستحق تھے لہٰذا آپ نے اُس کو ناپسند فرمایا اور بیٹے کو حکم دیا کہ اُسے طلاق دے دو۔ جب کہ دوسری بیوی نے اِس کے برعکس خوب خیر مقدم کیا اس لیے آپ نے اُسے پسند فرمایا اور بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کی قدر کرو۔ یعنی ایک کو چھوڑنے اور دوسری کو رکھنے کا دار و مدار ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیے جانے والے ذاتی برتاؤ پر تھا۔ بے شک اللہ ہی بہتر جانتا ہے یا اِس کی وجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوگی لیکن

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام، ص ۲۳۵

اِس سے متعلق ہماری عقلِ ناقص میں جو بات آتی ہے وہ کچھ اور ہے۔

ہم گذشتہ صفحات پر بڑی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ اقدس کو ہمیشہ، ہر دَور میں، قبیلوں میں سے ''بہترین قبیلوں'' اور گھرانوں میں سے ''بہترین گھرانوں'' کے پاک اصلاب وارحام میں منتقل کیا جاتا رہا، یعنی اصلاب بھی منتخب شدہ تھے اور ارحام بھی چنیدہ، عظمت و بزرگی اور طہارت و پاکیزگی کے اعلیٰ ترین معیار کے عین مطابق۔ نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صلبِ اسماعیل علیہ السلام سے رِحمِ مادر میں منتقل ہونا تھا اور اِس کے لیے ایسی بہترین اور کامل خاتون کی ضرورت تھی جو واقعی اِس عظیم الشان نُور کو اپنی آغوش میں لینے کی اہل ہو۔ عین ممکن ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی پہلی بیوی اسامہ یا عمادہ میں اُس کمال اور صلاحیت کا فقدان نظر آیا ہو جو اِس نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو تحویل میں لینے کے لیے ضروری تھا، اس لیے آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اُسے چھوڑ دینے کا حکم دیا ہو اور پھر وہ کمال وخوبی اور تدبر و بزرگی دوسری بیوی میں نظر آئی تو آپ نے اُس کو رکھنے اور اُس کی قدرومنزلت کی نصیحت کی ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کے صدقے مکّہ کے بے آب وگیاہ علاقے میں آبِ زم زم کا چشمہ پھوٹا تھا جو آج بھی جاری ہے۔ آپ ہی کے ذریعے مکّہ آباد ہُوا اور حجِ کعبہ کا آغاز ہُوا۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرکے آپ کی والدہ محترمہ کی سُنّت کی ادائیگی ہر حاجی پر واجب ہے۔ اِسی طرح ۱۰ ذی الحج کو عیدِ قربان کی سُنّت آپ کے والد بزرگوار کی جانب سے پیش کی جانے والی آپ کی جان کی قربانی کی وجہ سے ہے اور اسی لیے اس قربانی کو سُنّتِ ابراہیمی کہتے ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۳۷ سال کی عمر میں ہُوا۔ آپ حجرِ اسماعیل (مکّہ) میں مدفون ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد خانہ کعبہ کی نگرانی آپ کے بیٹے کرتے رہے۔ جن میں نمایاں مقام حضرت قیدار کا ہے۔

حضرت فہر قریش

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تیسری صدی عیسوی میں حضرت فہر کی ولادت ہوئی جو بے حد صاحبِ کمال تھے۔ علامہ طریحی کے بقول اِن ہی فہر یا اِن کے دادا نضر بن کنانہ کو قریش کہا جاتا ہے کیونکہ اُنھوں نے بحرِ ہند سے ایک بہت بڑی مچھلی شکار کی تھی جس کو ''قریش'' کہا جاتا تھا، وہ مچھلی مکّہ میں لا کر رکھ دی گئی تھی اور دُور دُور سے لوگ اُسے دیکھنے آتے تھے۔[1]

''فہر'' عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ''پتھر'' ہے اور ''قریش'' قدیم عربی میں ''سوداگر'' کو کہتے ہیں۔ بعض محقق کہتے ہیں کہ قریش اُن ہی کا لقب ہے اور قریش کی نسبت اُن ہی کی جانب کی جاتی ہے پس جو فہر کی نسل سے نہیں ہوتا اُسے قریشی نہیں کنانی کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش، نضر بن کنانہ کا لقب ہے اور اُن کی اولاد کو قریشی یا قرشی کہتے ہیں۔ قریش نام کی متعدد وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑا آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو کھاتا ہے لیکن کوئی دوسرا آبی جانور اُسے نہیں کھا سکتا اور یہ تمام دریائی جانورں پر غالب و برتر رہتا ہے۔ صراح میں اِس کی شہادت میں زمانہ قدیم کے بعض شعرا کے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ متفرق اور منتشر ہو جانے کے بعد حرم پاک میں وہ لوگ دوبارہ مجتمع ہُوئے تھے اور ''تقرش'' کے معانی جمع ہونے اور اکٹھے ہونے کے ہیں، ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اہلِ تجارت اور صاحبِ ہُنر تھے اور قرش کے معانی کسب و ہُنر اور اکٹھا کرنے کے ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب لوگ حج کے لیے آتے تو یہ فقرا و مساکین کی تفتیش یعنی احوال پُرسی اور اُن کی امداد کیا کرتے تھے، یہاں ''تقریش'' کا معنی ''تفتیش'' لیا گیا ہے۔ صراح میں ''تقریش'' کا مفہوم غالب آنا اور ''اقراش'' کا مطلب کسی کے لیے سعی و کوشش کرنا ہے۔[2]

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۳۶ بحوالہ علامہ طریحی

[2] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۲ ص ۲۲

حضرت قُصی

حضرت فہر کی نسل سے حضرت قُصی (Qussay) کی ولادت پانچویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت سعد تھا۔ آپ کا پورا نام قُصی زید ابو مغیرہ تھا، آپ بہت بُلند کردار، بُلند حوصلہ اور عظیم الشان بزرگ تھے اور قبیلے میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کو خانہ کعبہ کی تولیت کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ نے بیتُ اللہ کی مرمت کروائی، مکّہ میں عجول نامی کنواں کھدوایا، دارالندوہ بنوایا اور ہمیشہ سماجی خدمات انجام دیں۔

بعض روایات کے مطابق آپ ہی کو قریش کہا جاتا تھا مگر اکثر علما اِس سے اتفاق نہیں کرتے۔ آپ کا عقد عاتکہ بنت خالخ بن لیک سے ہُوا، ایک بیوی کا نام حبی تھا جو بنوخزاعہ کے سردار خلیل خزاعی کی بیٹی تھیں۔ آپ کا انتقال ۴۸۰ء میں ہُوا، آپ کا مدفن حجون میں ہے۔ [۱]

حضرت عبدِ مناف

آپ کا نام مغیرہ ابو عبدِ شمس تھا۔ آپکی والدہ کا نام حبی بنت خلیل تھا۔ آپ حضرت قُصی کے چھ بیٹوں میں سب سے چھوٹے اور لائق بیٹے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ قریش کے مسلّمُ الثبوت سردار بن گئے۔ آپ نے بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح کبھی بُت پرستی نہیں کی۔ آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح بے حد فضائل و مناقب کے حامل تھے اور ہمیشہ صلۂ رحمی اور تقویٰ کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ کی شادی عاتکہ بنت مرۃ السلمیہ بن حلال سے ہوئی جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے ''قمر'' کے لقب سے مشہور تھیں۔ آپ نے ملک شام میں غزہ کے مقام پر انتقال فرمایا۔ [۲]

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۳۶

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۳۷

حضرت ہاشم

آپ کا نام عَمْرَوْ ابو نفلہ تھا۔ آپ کے والد کا نام عبدِمناف اور والدہ کا نام عاتکہ بنت مرۃ السلمیہ تھا۔ آپ اور آپ کا جڑواں بھائی عبدُالشمّس اس طرح پیدا ہُوئے کہ دونوں کے جسم باہم جُڑے ہُوئے تھے۔ بروایتے دونوں بھائیوں کی پشتیں آپس میں جڑی ہُوئی تھیں جنھیں تلوار کے ذریعے الگ کیا گیا۔

بروایتِ طبری، حضرت ہاشم اور عبدُالشمّس جڑواں پیدا ہُوئے تھے اور جو پہلے پیدا ہُوا تھا اُس کی ایک اُنگلی دوسرے کی پیشانی سے جُڑی ہوئی تھی اس لیے اُسے کاٹ کر دونوں بھائیوں کو الگ کیا گیا۔[1]

علامہ نجم الحسن کراروی لکھتے ہیں کہ حضرت ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبدُالشمّس کی پیشانی سے چپکا ہُوا تھا جسے تلوار کے ذریعے الگ کیا گیا۔ اُس دَور کے دانشوروں نے اِسے دونوں بھائیوں کے درمیان باہمی خون ریزی سے تعبیر کیا جو بعد ازاں سچ ثابت ہُوا۔ دونوں کے خاندانوں کے درمیان ہمیشہ خون ریزی ہوتی رہی جس کا اختتام ۱۳۳ ہجری میں حضرت ہاشم کی اولاد بنوعباس اور عبدُالشمّس کی اولاد بنواُمیّہ کے درمیان ایسی جنگ پر ہُوا جس نے بنواُمیّہ کے اقبال کا چراغ بالآخر بجھا دیا۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں، اس سے پہلے اور بعد میں آلِ رسول علیہم السلام پر ڈھائے جانے والے مظالم بھی بنواُمیّہ کی بنو ہاشم کے ساتھ ازلی عداوت ہی کی وجہ سے تھے۔

حضرت ہاشم بہت دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت رحم دِل اور سخی بھی تھے۔ روایت ہے کہ قحط سالی کے زمانے میں آپ شام سے ایک بہت بڑا کیک خرید کر لائے اور اُسے توڑ

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۳۱

کرلوگوں میں تقسیم کیا۔ ''ہشم'' کا مطلب توڑنا ہے اس لیے ''ہاشم'' یعنی ''توڑنے والا'' مشہور ہو گئے۔ آپ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے قریش کی معاشی حالت سدھارنے کی خاطر اُن کے لیے گرمی اور جاڑے کے سالانہ دو تجارتی سفروں کا آغاز کیا۔ آپ ہمیشہ بیتُ اللہ کا حج کرنے والوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ کی ایک شادی اپنے خاندان کی ایک نہایت باوقار خاتون سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت اسد پیدا ہُوئے۔ حضرت اسد نہایت رحم دِل اور ہمدرد انسان تھے۔ وہ مفلسوں کے گھروں میں راشن بھجواتے تھے۔ اُن کی اولاد بہت کم تھی۔ بعض روایات کے مطابق تو اُن کی واحد اولاد حضرت فاطمہ بنت اسدؑ تھیں جو حضرت علی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں اور جنھیں خانہ کعبہ میں ولادتِ علی علیہ السلام کا شرفِ عظیم حاصل ہُوا۔ حضرت ہاشم کی دوسری شادی خزرجیوں کے ایک مشہور قبیلے بنی عدی ابنِ نجار یثرب (مدینہ) کی نجیبُ الطرفین بیٹی سے ہوئی۔ اس خاتونِ ذی وقار کے بطن سے نہایت ہی بُلند کردار اور اعلیٰ مرتبہ شخصیت حضرت عبدُ المطلب شَیبۃُ الحمد کی ولادت ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب کے بچپن میں ہی ۵۱۰ء میں بمقامِ غزہ شام حضرت ہاشم کا انتقال ہوگیا۔[۱]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۳۷

حضرت عبدُ المُطلب شَیبۃُ الحمد علیہ السلام

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے۔ آپ کا نام عامر اور لقب شَیبۃُ الحمد تھا۔ آپ کی کنیت ابوالحارث تھی۔ آپ کے سر کے بال سفید اور خوبصورت تھے۔ ''شیب'' سفیدی کو کہتے ہیں اِس لیے آپ کو شیبہ اور بہت ممدوح ہونے کی وجہ سے شَیبۃُ الحمد کہا جاتا تھا۔ آپ کی ولادت ۴۹۷ء میں ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمٰی تھا۔ وہ نہایت پرہیزگار اور جلیل القدر خاتون تھیں۔ آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، باپ کے انتقال کے بعد ننھیال میں رہے پھر آپ کے چچا حضرت مُطلب آپ کو اپنے پاس لے آئے۔ روایت ہے کہ لوگوں نے آپ کو اُن کا بھتیجا کہنے کی بجائے ''عبد'' کہنا شروع کر دیا اور اس طرح ''عبدُ المطلب'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

آپ بہت متقی، پرہیزگار، جلیل القدر اور نامور انسان تھے اور اپنے اعلیٰ اوصاف و قابلیت کی بنا پر عرب کے سردار قرار پائے۔ آپ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح شراب کو حرام سمجھتے تھے۔ آپ پہروں غارِ حرا میں عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ بہت بڑے دسترخوان کا اہتمام فرماتے تھے جس پر انسانوں کے علاوہ حیوانوں کو بھی خوراک فراہم کی جاتی تھی۔ آپ مصیبت زدہ لوگوں اور اپاہجوں کی خاص طور پر مدد فرمایا کرتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ حضرت عبدالمطلب نے جاہلیت کے زمانے میں پانچ سُنتیں مقرر کیں جن کو خدا نے اسلام میں جاری و قائم رکھا۔

اوّل یہ کہ سوتیلی ماؤں کو بیٹوں پر حرام قرار دیا جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمھارے آباؤ اجداد نے نکاح کیا ہو۔

''وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ ''[۱]

دوم یہ کہ اُنھوں نے خزانہ پایا تو اُس میں سے سے پانچواں حصّہ راہِ خدا میں دے دیا جس سے متعلق خدا فرماتا ہے:[۲]

''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ''

(اور جان لو کہ جو چیز بھی تمھیں بطورِ غنیمت حاصل ہو اُس کا پانچواں حصّہ اللہ کے لیے، رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے لیے، (اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے) قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے)

سوم یہ کہ چاہِ زمزم کو کھودا تو اُسے حاجیوں کا سقایہ قرار دیا، پس خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:[۳]

''اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ''

(حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کو آباد کرنا)

چہارم یہ کہ آدمی کے قتل کا خون بہا سو اُونٹ مقرر کیا، پس ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:[۴]

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ''

---

[۱] سورۃ النساء، آیت نمبر ۲۲

[۲] سورۃ انفال، آیت نمبر ۴۱

[۳] سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۱۹

[۴] سورۃ النساء، آیت ۹۲

(کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ اور جو کوئی کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کرے (تو اس کا کفّارہ یہ ہے کہ) ایک مؤمن غلام آزاد کیا جائے اور خون بہا اُس کے گھر والوں (وارثوں) کو ادا کیا جائے)

پنجم یہ کہ قریش میں (خانہ کعبہ کے) طواف کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی، آپ نے سات مرتبہ طواف کرنا مقرر فرمایا۔ حج و عمرہ میں آج بھی طوافِ کعبہ کے سات چکر واجب ہیں۔

آپ نے کبھی جُوا کھیلا نہ بتوں کی پرستش کی اور نہ ہی اُن جانورں کا گوشت کھایا جو بتّوں کے لیے کاٹے جاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اپنے باپ جناب ابراہیم علیہ السلام کے دِین پر قائم ہوں۔[1]

خانہ کعبہ پر لشکر کشی کا مشہور واقعہ آپ ہی کے دَور میں پیش آیا تھا۔ اُس کا مختصر احوال یہ ہے کہ یمن کا عیسائی بادشاہ اَبرہہ خانہ کعبہ کی عظمت وحُرمت دیکھ کر شدید تعصب اور حسد میں مبتلا ہوگیا۔ اُس نے ''صنعا'' کے مقام پر ایک بہت بڑا گرجا گھر تعمیر کروایا اور چاہا کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے اُسے عبادت کا مرکز بنائیں مگر مشیتِ الٰہی کی وجہ سے اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور لوگوں کے دِلوں میں اُس عمارت کا وہ جاہ وجلال اور تقدس پیدا نہ ہوسکا جو خانہ کعبہ کا تھا۔ اپنی اِس ناکامی پر اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میں کعبہ کو ہی مسمار کردوں، کعبہ رہے گا نہ لوگوں کے دِلوں میں اُس کی عقیدت ومنزلت۔ چنانچہ خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے اُس نے اسود بن مقصود حبشی کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر مکّہ کی طرف روانہ کردیا۔ قریش، کنانہ، ہذیل اور خزاعہ نے لڑنا چاہا مگر دشمن کی طاقت دیکھ کر گھبرا گئے اور اپنے اہل وعیال سمیت مکّہ کی پہاڑیوں میں چُھپ گئے۔ صرف حضرت عبدالمطلب ؑ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں رہے اور اللہ کے حضور اُس کی

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۶۷

حفاظت کے لیے دُعا کرتے رہے۔

اَبرہہ کے بھیجے ہُوئے لشکر نے مکّہ پہنچتے ہی مکّہ والوں کے مویشی پکڑ لیے جن میں حضرت عبدالمطلب ؓ کے دوسو اُونٹ بھی شامل تھے۔ اِسی دوران میں حضرت عبدالمطلب کو اَبرہہ کا پیغام مِلا کہ ہم آپ سے لڑنے نہیں آئے، ہمارا ارادہ تو صرف کعبے کو گرانے کا ہے۔ حضرت نے اُسے جواب بھیجا کہ ہمیں بھی لڑنے سے کوئی غرض نہیں اور ساتھ ہی اُس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ وہ ملاقات پر آمادہ ہو گیا اور آپ اُس کے دربار میں تشریف لے گئے۔ آپ کے استقبال کے لیے وہ تخت سے اُتر کر نیچے آیا اور آپ کے ہم نشین ہُوا۔ وہ سمجھا کہ آپ خانہ کعبہ کے بارے میں مذاکرات کے لیے آئے ہیں مگر دورانِ گفتگو میں حضرت نے ایسی کوئی بات نہ کی اور صرف اپنے اُونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ حیرانی سے بولا کہ آپ نے اپنے آبائی مکان (خانہ کعبہ) کے بارے میں کوئی بات نہیں کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں اُونٹوں کا مالک ہوں اس لیے اُن کی بات کر رہا ہوں، جو خانہ کعبہ کا مالک ہے وہی اُس کی حفاظت کرے گا۔ آپ کا جواب سُن کر اَبرہہ کی حیرانی دوچند ہو گئی۔ وہ آپ کی شخصیت سے اتنا متاثر ہُوا کہ آپ کے اُونٹ آپ کو لوٹا دیے۔

روایت ہے کہ اَبرہہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھا، اُس کی فوج میں ساٹھ ہزار افراد اور نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔ وہ خود سرخ رنگ کے محمود نامی ہاتھی پر سوار تھا جو سب ہاتھیوں سے بڑا تھا۔ کعبے کی دیواریں نظر آئیں تو اُس نے حملے کا حکم دیا۔ جیسے ہی اُس کا لشکر آگے بڑھا ابابیل نامی پرندوں کے غول نمودار ہُوئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ پرندوں نے وہ کنکریاں لشکر پر گرائیں تو دیکھتے ہی دیکھتے سارا لشکر تباہ و برباد ہو کر جانوروں کے کھائے ہُوئے بھوسے کی مانند ہو گیا۔ اَبرہہ زخمی ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن بچ نہ

سکا اور راستے ہی میں جہنم واصل ہوگیا۔ قرآنِ مجید میں اِس واقعے کا ذِکر یوں آیا ہے:[1]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ○

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ○ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ○

تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ○ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ○

''شروع اللہ رحمٰن الرحیم کے نام سے۔ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے نہیں دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا (سلوک) کیا؟ کیا اُس نے اُن کی تدبیر و ترکیب کو بے کار نہیں کر دیا؟ اُن پر (ہر سمت سے) ابابیل نامی پرندوں کے غول کے غول بھیج دیے۔ جو اُن پر کنکر مارتے تھے۔ آخر کار اللہ نے اُنھیں (مویشیوں کے) کھائے ہُوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔''

کہتے ہیں کہ اَبرہہ سے پہلے تبع بن حسان نے بھی خانہ کعبہ کو گرانے کا ارادہ کیا تھا تا کہ وہ اُس کے پتھروں کو یمن لے جا کر وہاں پر ایک گھر بنائے جس کا لوگ احترام کریں لیکن اللہ نے اُس کے ناپاک عزائم کو بھی خاک میں مِلا یا اور اپنے گھر کو اُس کے شر سے محفوظ رکھا۔

ابرہہ کا واقعہ ۵۷۰ء کا ہے۔ اِسی کو سنہ عام الفیل بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہاتھی والا سال۔ حضرت عبدُ المطلب کی وفات اس واقعے کے آٹھ سال بعد یعنی ۵۷۸ء میں ہوئی۔ آپ حجون کے مقام پر دفن ہیں۔[2]

---

[1] سُورۃ اَلفِیۡل

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ باب ۱۔ علامہ سیّد ذیشان حیدر جوادی، نقوشِ عصمت، ص ۲۰۔ علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۷۸

حارث بن عبدالمطلب عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حارث، حضرت عبدُ المطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے اس لیے اُن ہی کے نام پر حضرت عبدُ المطلب کی کنیت ابو الحارث تھی۔ وہ جناب عبدالمطلب کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت جنیدب بن حجیر بن زباب بن سواۃ بن عامر بن صعصعہ تھا۔[۱]

حضرت امیر حمزہؓ بن عبدالمطلب عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت امیر حمزہؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ آپ نے جنگ بدر میں نہایت شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھائے اور جنگ اُحد میں دشمن کے بڑے بڑے بہادروں کو خاک میں ملایا پھر ایک وحشی کے ہاتھوں شہید ہُوئے جس نے چھپ کر بزدلانہ حملہ کیا تھا۔ اُسے زنِ ابوسفیان ہندہ نے لالچ دے کر اِس مقصد کے لیے خاص طور پر تیار کیا تھا۔ شہادت کے بعد ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سیّدُ الشہدا کا خطاب عطا فرمایا۔ ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہیب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب تھا۔[۲]

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں دو سال بڑے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام نُتَیلہ بنت خباب تھا جو پہلی عربی خاتون تھیں جنھوں نے بیتُ الحرام کو حریر اور دیباج کا غلاف پہنایا۔ حضرت عباسؓ رئیسِ قریش بھی تھے۔ آپ بیتُ الحرام کے اندر گالی گلوچ نہیں ہونے دیتے تھے اور آپ کی وجہ سے

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب، ص ۳۴۲

[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب، ص ۳۴۲

کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر کوئی بیہودہ بات زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔[1] جنگ بدر میں آپ قریش کی طرف تھے اور گرفتار ہو گئے۔ آپ کی مُشکیں اِس طرح کَس دی گئیں کہ تکلیف سے کراہنے لگے۔ آپ کے کراہنے کی آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سماعت تک پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے چین ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آرام کیوں نہیں فرمارہے؟ فرمایا کہ عباس کے کراہنے کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آرہی۔ پھر حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز بند ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو معلوم ہُوا کہ اُن کی مُشکیں کھول دی گئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ سب اسیروں کے ساتھ یہی سلوک کرو۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ قدیمُ الاسلام تھے لیکن اُنھوں نے اپنا اسلام چُھپا رکھا تھا۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مکّہ میں مقیم تھے، کفّار کی خبریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا کرتے تھے اور غریب مسلمانانِ مکّہ کی امداد کیا کرتے تھے۔[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا احترام کرتے تھے اور فرماتے تھے، ''هٰذَا عَمِّیْ وَ صَنْوُ اَبِی'' (یہ میرے چچا ہیں اور باپ کی طرح ہیں)۔[3]
آپ حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں بھی شامل ہُوئے۔ آپ قرابتداروں سے حُسنِ سلوک کرنے والے، صاحبِ رائے و تدبیر اور مستجابُ الدعا تھے۔ آپ نے ۱۲ رجب یا رمضان ۳۲ ہجری میں ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنّتُ البقیع میں دفن کیے گئے۔[4]

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃً لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب، ص ۳۴۴
حافظ ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ)، الاستیعاب۔ علی بن محمد اثیر الجزری (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ ۳: ۱۶۳
[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اردو) جلد ۲ ص ۱۳۸

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃً لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب، ص ۳۴۵
[3] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃً لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب، ص ۳۴۵
بحوالہ: بخاری ۱۴۶۸، مسلم ۹۸۳، ابوداؤد ۱۶۲۳، نسائی ۲۴۶۵، ابن خزیمہ ۲۳۲۹، ترمذی ۳۷۷۰
[4] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃً لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب، ص ۳۴۵

زبیر بن عبدالمطلب عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زبیر کا نام ''حلفُ الفضول'' کے حوالے سے بہت مشہور ہے۔ حلفُ الفضول کے قیام میں اُنھوں نے بہت سعی کی تھی جس سے اُن کی نیکی اور صلۂ رحمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ (اس کی تفصیل باب ''حلفُ الفضول'' صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)
وہ فصیح البیان شاعر بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۲۴ سال تھی جب اُن کا انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ تھا۔[۱]

ابولہب بن عبدالمطلب عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا۔ اس کی والدہ کا نام لُبنیٰ بنت ہاجرہ تھا۔ اس کو عبدالعزیٰ بھی کہا جاتا تھا۔[۲]

حضرت ابُوطالب بن عبدالمطلب علیہ السلام عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے پیارے چچا اور امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے والد محترم تھے۔ آپ کا اصل نام عمران بن عبدُ المطلب تھا، آپ حضرت عبداللہ علیہ السلام کے حقیقی یعنی سگے بھائی تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت عمروُ بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھا۔ آپ بہت باوقار اور دانش مند تھے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے نہایت محبت اور جاں فشانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش و پرداخت کی۔ آپ نے کارہائے رسالت میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و حمایت کی اور جب قریش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہُوئے تو آپ

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمةٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب، ص ۳۴۷
[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمةٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب اوّل، النسب، ص ۳۴۲

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بن گئے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ تمام قریش اکٹھے ہو کر آپ کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے حوالے کردو۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر اُونٹنی اپنے بچّے کے بغیر رہ سکے تو میں اِن کو تمھارے سپرد کر دوں (یعنی یہ ناممکن ہے)۔ اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہُوئے کچھ اشعار کہے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!
یہ قریش آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابل آکر
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا و آزار نہ پہنچا سکیں گے
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دِین کی خوب تبلیغ کیجیے
اور کچھ تنگی و خوف محسوس نہ کیجیے
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھیں خوش اور ٹھنڈی رہیں
کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے دعوت دی
اور کہا کہ آپ میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں
یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچ فرماتے ہیں
بلاشبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امین ہیں
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے دِین کو ظاہر فرمایا ہے
جو یقیناً مخلوق کے سارے ادیان سے بہتر و افضل ہے''[۱]

روایت ہے کہ حضرت ابو طالب نے اپنے فرزندِ ارجمند امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ علی! انھوں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمھیں خیر کی دعوت دی ہے اِس پر قائم رہنا۔[۲]

علامہ طریحی بحوالہ امام جعفر الصادق علیہ السلام کہتے ہیں کہ حضرت ابو طالب ایمان کے

---

[۱] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۵۹

[۲] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۲۸۳، بحوالہ ابن ہشام ۱:۱۸۱-۳۔ شبلی ۱:۲۰۲

حوالے سے اصحابِ کہف کی مانند تھے۔ شمس العلما نذیر احمد شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب دینِ فطرت کو مضبوطی سے تھامے ہُوئے تھے، وہ دِل سے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دِین سمجھتے تھے اور وقتِ وِصال کلمہ پڑھ رہے تھے۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوّت میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب کے وصال کے وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا، ''اے بھتیجے! خدا کی قسم بلاشبہ میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا جس کلمے کے پڑھنے کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں فرما رہے تھے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہاں! میں نے سُنا ہے۔''[2]

مروی ہے کہ آپ نے رِحلت کے وقت بنی عبدالمطلب کو بلایا اور وصیّت کی کہ تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قائم رہنا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات سنو تو اُن کی پیروی کرنا اور نصرت واِعانت کرتے رہنا تاکہ تم رشد وفلاح پاؤ۔[3]

آپ کا انتقال ۸۵ سال کی عمر میں شوال سنہ ۱۰ بعثت میں ہُوا۔ ''المواھبُ اللدنیۃ'' میں ہے کہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اُنچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن تھی۔[4]
آپ کے انتقال کے سال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''عامُ الحُزن'' یعنی غم کا سال قرار دیا۔[5]
یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ محرّمُ الحرام میں شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے محض دس روزہ سوگ پر کچھ مسلمان اعتراض کرتے ہیں جب کہ حسین علیہ السلام کے دادا کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے سال کو غم کا سال قرار دیا ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی آخری آرام گاہ مکّہ میں ہے۔

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۱۴۱ بحوالہ علامہ تریحی وشمس العلما نذیر احمد شبلی

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۲۷

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۲۷

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۲۷

[5] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۰۰، بحوالہ اعلام الوریٰ

حضرت علی علیہ السلام برادرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیّد نجم الحسن کراروی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''چودہ ستارے'' میں حضرت علی علیہ السلام کے باب میں لکھتے ہیں:

اوصافِ علی بہ گفتگو ممکن نیست   گنجائشِ بحر در سبُو ممکن نیست
من ذاتِ علی بواجبی کے دانم   الا دانم کہ مثلِ اُو ممکن نیست

(علی علیہ السلام کے اوصاف بیان کرنا ممکن نہیں ہے جیسے کُوزے میں دریا کو بند کرنا ممکن نہیں۔ میں علی علیہ السلام کی ذات سے متعلق کیا کہوں؟ بس اتنا جانتا ہوں کہ اُن کی مثال ممکن ہی نہیں)

مولودِ کعبہ حضرت علی علیہ السلام، حضرت ابوطالب اور جناب فاطمہ بنتِ اسد کے بیٹے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد، بھائی اور جانشین، سیّدۃُ نساء العالمین حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے شوہر اور حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت عباس علمدار، حضرت زینب اور حضرت اُمّ کلثوم (علیہم السلام) کے پدرِ بزرگوار تھے۔ آپ ہمیشہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدار المہام کی حیثیت سے کارپرداز رہے۔ اُمورِ مملکت ہوں یا میدانِ جنگ، آپ ہر موقع پر تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمدوش وہمرکاب رہے۔ عہدِ رسالت کی فتوحات کا سہرا ہمیشہ آپ ہی کے سر رہا۔ اسلام کی پہلی منزل دعوتِ ذوالعشیرہ سے لے کر تا بہ اِرتحالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو کسی صورت بھلائے نہیں جاسکتے کیونکہ آپ پیدا ہی کیے گئے تھے اسلام اور پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے۔[۱]

اہلِ سنت کے مشہور محقق اور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری، اپنی تالیف

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی، (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۱۱۹

''رَحمۃٌ لِّلعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)'' [1] میں حضرت مولا علی علیہ السلام کے باب میں اِس جملے سے آغاز فرما کر گویا کوزے میں دریا کو بند کرتے ہیں، ''اِس امامِ ہادی انام ابوالائمہ العظام کے محاسن وفضائل کے لیے دفتر درکار ہیں اگر حیات باقی رہی تو ان شاء اللہ ان کی سیرت پر ایک علاحدہ جِلد لکھوں گا۔'' آگے چل کر لکھتے ہیں، ''حضور (حضرت علی علیہ السلام) کے شاندار کارناموں میں شبِ ہجرت، بدر، اُحد، خندق، صلح حدیبیہ اور خیبر وحنین کے واقعات نہایت مشہور ہیں۔ شجاعت اور فضلِ قضایا میں بین الاماثل ممتاز تھے۔ سیّدۃُ النساء فاطمۃُ الزہراء (علیہا السلام) کے زوج اور حسن وحسین (علیہم السلام) کے والد بزرگوار تھے۔ ابوالحسن کنیت فرماتے تھے اور ابوتراب کنیت پر جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عطیہ ہے، نہایت شاد ماں ہوتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ماہِ ذی الحجہ ۳۳ ہجری کو خلیفہ ہُوئے اور جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو اشقی الناس ابنِ ملجم کے ہاتھوں مسجدِ کوفہ میں زخمی ہو کر واصلِ بحق ہُوئے۔ امام حسن وحسین (علیہم السلام) کے علاوہ (دیگر ازواج سے) اِن کے سولہ فرزند تھے۔'' قاضی محمد سلیمان مزید لکھتے ہیں کہ شاہانِ ایران کے سابقہ طبیبِ خاص کثیر بن عمر السکونی نے بتایا کہ جس زخم کی وجہ سے شہادت ہوئی وہ دماغ تک پہنچ گیا تھا اور صحت محال تھی۔ بکر بن حماد القاہری نے ہائلہ شہادت پر اشعار کہے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

ابنِ ملجم سے کہنا (گو میں جانتا ہوں) کہ تقدیر سب پر غالب ہے
مگر اے کم بخت! تُو نے اسلام کے ارکان کو ڈھایا
وہ شخص جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل تھا
اسلام اور ایمان میں سب سے اوّل تھا

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۲ ص ۳۳۶

اور قرآن و سُنّت کے جاننے میں سب سے اعلم تھا

تُو نے اُسے قتل کیا

وہ دامادِ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کا دوست و ناصر تھا

جس کے مناقب کے نُور اور برہان روشن ہیں

جو علی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایسا تھا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام

جو لڑنے میں شمشیر براں اور دلیر شیر تھا جب خوب گھمسان کا رَن پڑ جاتا ہو

میں اُس کے قاتل کا خیال کرتا ہوں اور روتا روتا کہتا ہوں

اے اللہ! تُو پاک ہے، تیری قدرت عجیب ہے

میں اُس کے قاتل کی بابت یہی کہوں گا کہ

وہ بشر نہیں جو قیامت سے ڈرتا ہو بلکہ شیطان ہے

اپنے قبیلہ مراد میں سب سے زیادہ بدبخت

اور میزان میں سب سے زیادہ زیاں کار

(وہ تو) عاقر جیسا تھا جس نے صالح علیہ السلام کے ناقے کو مارا

اور قوم ثمود پر ملک حجر میں تباہی لانے کا سبب ٹھہرا

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پر وار کرنے سے اُس کا مقصد یہی ہوگا

کہ وہ خود جہنم کی آگ کا ایندھن بن سکے [1]

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ ص ۳۳۸

عمّات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱) حضرت اُمّ حکیم بیضاءؓ:

حضرت اُمّ حکیم بیضاءؓ، حضرت عبداللہؓ وحضرت ابوطالبؑ وزبیر کی حقیقی بہن تھیں۔ [۱]

(۲) حضرت امیمہؓ:

حضرت امیمہؓ کا نکاح جحش بن رباب سے ہُوا تھا۔ اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش، اُمّ حبیبہ اور حمنہ ان کی بیٹیاں تھیں اور عبداللہ بن جحش ان کے فرزند تھے جو یومِ اُحد شہید ہُوئے۔ [۲]

(۳) حضرت عاتکہؓ:

عاتکہ کے معنی طاہرہ ہیں۔ اُنھوں نے جنگِ بدر سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار نے کوہ ابوقبیس سے ایک پتھر اُٹھا کر رکنِ کعبہ پر کھینچ مارا، وہ پتھر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا اور اُس کے ریزے بنوزہرہ کے سوا قریش کے ہر گھر میں جا گرے۔ یہ خواب سُن کر کافروں نے خوب ہنسی اڑائی اور کہنے لگے کہ اب تو ہاشم کی لڑکیاں بھی نبوّت کرنے لگیں۔ حضرت عاتکہ کا خواب سچ ثابت ہُوا اور کافروں کو سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔ [۳]

(۴) حضرت صفیہؓ:

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ وہ عوام بن خویلد بن اسد کی زوجہ تھیں جو حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ [۴]

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۷

[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۷

[۳] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۸

[۴] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۸

(۵) حضرت برّہؓ:

حضرت برّہؓ، عبدالاسد بن بلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم القرشی کی بیوی تھیں۔ ابوسلمہؓ عبداللہ ان ہی کے بیٹے تھے جو اُمّ المومنین حضرت سلمہؓ کے پہلے شوہر تھے۔ بقولے، ابوسلمہؓ کا شمار اسلام قبول کرنے والوں میں گیارہویں نمبر پر ہے۔ [۱]

(٦) حضرت اروٰیؓ:

حضرت اروٰیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد حضرت عبداللہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ ابن سعد اور ابن القیم نے ان کے اسلام کی تصدیق کی ہے۔ روایت ہے کہ جب ان کے بیٹے نے انھیں اسلام قبول کرنے کی خبر سنائی تو انھوں نے کہا کہ تیرے لیے تیرے ماموں کا بیٹا سب سے بڑھ کر خدمت اور مدد کا حق دار ہے۔ اللہ کی قسم! اگر ہم عورتوں کو مردوں جیسی طاقت حاصل ہوتی تو ہم اُن کا بچاؤ کیا کرتیں اور اُن کے دشمنوں کو جواب دیا کرتیں۔ حضرت اروٰی، اُم حکیم بیضاء، امیمہ، عاتکہ اور برّہ کی والدہ کا نام حضرت فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ تھا۔ [۲]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۸

[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۹
بحوالہ واقدی محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد

حضرت عبداللہ علیہ السلام

(والد گرامی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آپ سرورِ انبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی تھے۔ آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابو احمد تھی۔ آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے پیارے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ ایک عظیم، متقی اور پرہیز گار خاتون تھیں، اُن کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخذوم تھا۔ آپ نہایت بُلند اخلاق کے مالک، شریف، نیک اور پرہیز گار انسان تھے۔ آپ کی طبیعت میں متانت اور سنجیدگی انتہا کی تھی اور گفتگو میں کمال درجے کی فصاحت و بلاغت پائی جاتی تھی۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح ہمیشہ ہر بُرائی سے دُور رہتے تھے اور اپنے کردار اور خوبیوں کے پیشِ نظر جوانانِ قریش میں ایک امتیازی مقام رکھتے تھے۔ آپ کے بھائیوں میں حضرت ابو طالب علیہ السلام کو آپ کی نگاہ میں خاص اہمیت اور مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ آپ کی شادی قبیلہ زہرا میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی حضرت آمنہ علیہا السلام سے ہوئی۔ شادی کے وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ اپنے والد محترم حضرت عبدالمطلب کے ساتھ جا رہے تھے کہ ورقہ بن نوفل کی بہن اُمّ قتال نے آپ سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے کہا کہ اپنے والد کے ساتھ ہوں جدھر وہ جائیں گے میں بھی اُن کے ساتھ ہی جاؤں گا۔ اُس نے کہا کہ سو اُونٹ لے لیں اور مجھے اپنی بیوی بنا لیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عبدالمطلب آپ کو لیے وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے ہاں گئے اور اُن کی بیٹی حضرت آمنہ علیہا السلام کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔

اُمّ قتال کی آپ کے ساتھ نکاح میں دلچسپی اُس علم و معرفت کی وجہ سے تھی جو اُسے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے حاصل ہُوا تھا۔ ورقہ بن نوفل نصرانی تھا اور کتبِ سماویہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اُسے اُس مطالعہ سے علم ہُوا کہ اِس اُمت میں اولادِ اسماعیل (علیہ السلام) سے نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور ہونے والا ہے۔ اُمّ قتال نے اُن معلومات کی بنا پر جان لیا کہ آخر الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد آپ ہی ہیں اور آپ کی پیشانی سے ساطع نُور اُسی نبی آخر و اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کا ہے۔[1]

ایسی ہی روایت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو ساتھ لے کر بنی زہرہ کے ہاں جا رہے تھے تو راستے میں ایک کاہنہ کی نظر حضرت عبداللہ کے چہرۂ مبارک پر پڑی۔ وہ قدیم کتب کا مطالعہ کیا کرتی تھی جن سے اُسے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علاماتِ ظہور و خروج کا عِلم ہو چکا تھا۔ اُس نے آپ کے چہرے سے نُور کی شعاعیں پھوٹتی دیکھیں تو پہچان لیا کہ یہ چہرہ نورِ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے منوّر رہے چنانچہ آپ سے کہنے لگی کہ اے جوان! کیا تُو مجھے اپنائے گا؟ میں سو اُونٹ پیش کروں گی۔ آپ نے کہا کہ میں حرام فعل کا ارتکاب بالکل نہیں کروں گا اور حلال طریقہ (نکاح) بھی ممکن نہیں اس لیے تُو جو چاہتی ہے وہ نہیں ہوسکتا۔ پھر اُسے حسرت و یاس کی کیفیت میں چھوڑ کر چل دیے۔

ابو الفیاض سے مروی ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک نہایت خوبصورت اور پاکدامن عورت نے جو کہ قدیم کتابوں کا مطالعہ کیا کرتی تھی حضرت عبداللہ کو دیکھا اور اُن کے چہرے کو نورِ نبوّت سے درخشاں پایا تو پوچھا کہ اے جوان! تم کون ہو؟ آپ نے اپنا تعارف کرایا تو کہنے لگی کہ اگر میرے ساتھ موافقت و نکاح کو پسند کرو تو میں سو اُونٹ دینے کو تیار ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں حرام کاری پر موت کو ترجیح دوں گا اور کوئی حلال و جائز صورت بھی نہیں جس پر غور کروں

---

[1] ابو الفدا عماد الدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ)، ج ۲ ص ۱۵۵

لٰہذا جونیّت اورارادہ تمھارا ہے اُس کا کوئی امکان نہیں۔ (۱)

سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ابھی نہیں ہوئی تھی کہ پچیس یا اٹھائیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت سات ماہ کے تھے، دوسری روایت کے مطابق دو ماہ کے تھےلیکن اکثریت کی رائے یہی ہے کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیا میں تشریف نہیں لائے تھے۔ (۲)

ایوب بن عبدالرحمٰن سے منقول ہے کہ آپ تجارت کی غرض سے شام کی طرف گئےاوروہاں علیل ہوگئے۔ واپسی پر مدینہ طیّبہ سے گذر ہُوا تو ساتھیوں سے معذرت کر لی اور اپنے ننھیال بنی عدی بن نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔ آپ وہاں پر ایک ماہ تک بیمار رہے۔ قافلے والوں کی زبانی حضرت عبدالمطلب کو آپ کی علالت کی خبر ہوئی تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر گیری کے لیے روانہ کیا مگر حارث وہاں پہنچے تو آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت عبداللہ علیہ السلام ''ابوا'' کے مقام پر مدفون ہیں۔ (۳)

سیّدہ آمنہ علیہا السلام

(والدہ ماجدہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سیّدہ آمنہ علیہا السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ تھیں۔ آپ قبیلہ بنوزہرہ کے محترم سردار وہب بن عبدمناف بن زہرہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا انتقال ۴۷ قبل ہجرت سنہ ۵۷۷ء میں ہوا، آپ ''ابوا'' میں مدفون ہیں۔

---

(۱) عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّدالانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۱۲

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، جلد ۲ ص ۲۹، ۳۰

(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، جلد ۲ ص ۲۹، ۳۰

طلوعِ سحر

ولادتِ باسعادت سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱۷ ربیع الاوّل، ۵۲ قبل ہجرت ۲۷ / ۲۸ اپریل ۵۷۱ء)

نہ صرف سرزمینِ عرب پر بلکہ تمام عالم پر چھائی ہوئی جاہلیت کی گہری ظلمتوں میں انسانیت سسک رہی تھی، آدمیّت دَم توڑ رہی تھی، ظلم وبربریت کا بازار گرم تھا، کوئی روشنی تھی نہ روشنی کا سراغ، کہیں انسان نبیِ خدا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے معجزات دیکھ کر اُسی کو خدا بنا بیٹھا تھا تو کہیں اپنے ہی ہاتھوں تراشے ہُوئے پتھر کے اصنام کے آگے سرنگوں تھا۔ شراب نوشی، جوا، بدکاری، لوٹ مار اور قتل وغارت گری عام تھی۔ اِن تمام برائیوں میں جو جتنا زیادہ ملوث ہوتا اُتنا ہی طاقتور اور معزز سمجھا جاتا۔ کمزور اور نادار لوگوں پر دُنیا تنگ تھی، انسانوں کی خرید و فروخت کے لیے منڈیاں لگتی تھیں، مَردوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور ان غلاموں کے ساتھ جانورں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا اور عورت محض جنسی ہوَس کی تسکین کا ذریعہ بن کے رہ گئی تھی۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اور جو کسی وجہ سے بچ جاتی تھیں وہ اپنے معاشرتی حقوق سے محروم رہتیں، اُن کا کام محض مَردوں کی خدمت کرنا ہوتا تھا۔ مَرد کا عورت پر تشدد کرنا جائز اور عورت کا احتجاج کرنا جرم سمجھا جاتا تھا۔ انسان شرک اور بُت پرستی کی وجہ سے اندھیروں میں گھرا ہُوا تھا اور فطری حِسِ لطیف، عقلِ سلیم اور عِلم وحکمت کے نُور سے محروم تھا۔ طہارت وحیا کا فقدان تھا، ضمیر خوابیدہ اور ذوق کثیف تھا۔ کسبِ حلال کا کوئی تصور نہیں تھا، محنت کی تحقیر وتذلیل کی جاتی تھی، وسائلِ پیداوار اور پیداوار کی تقسیم غیر منصفانہ تھی۔ سودخوری، استحصال، معاشی احتیاج،

افلاس اور بخل و تکاثر کا راج تھا۔

اُس دَور کے بڑے ادیان عیسائیت، یہودیت، مجوسیت، بدھ مت اور ہندو مت تھے، عرب زیادہ تر بُت پرست تھے۔ عیسائیت اور یہودیت وغیرہ کی الہامی کتب میں اس قدر تحریف ہو چکی تھی کہ اصل و نقل کا امتیاز ناممکن ہو گیا تھا اور پیشواؤں کی غلط اور گمراہ کن تاویلات کے سبب اُن پر سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ گیا تھا۔ لوگ کمزور، مظلوم اور پسے ہُوئے طبقے کی طرح کسی نجات دہندہ کی آمد کے طلب گار اور منتظر تھے۔ پھر قدرت کو اُن پر رحم آ گیا اور طلوعِ سحر کے آثار نمودار ہُوئے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مضبوط و توانا لڑکا تھا یعنی سات آٹھ سال کا جب ایک یہودی کو صبح سویرے مدینہ منوّرہ میں زور زور سے چلاتے ہُوئے دیکھا۔ وہ پکار رہا تھا، ''اے گروہِ یہود! اے گروہِ یہود!'' یہودی اُس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا ہُوا اور ہمیں کیوں بلایا؟ اُس نے کہا کہ وہ ستارہ جس کو احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت کی علامت سمجھا جاتا تھا آج رات طلوع ہو گیا ہے۔[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت بعثت سے چالیس برس پہلے عامُ الفیل میں مکّہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے، بعض مؤرّخ ربیع الاوّل کی ۲ تاریخ، چند ۶، کچھ ۱۲ اور کچھ ۱۷ بیان کرتے ہیں لیکن جمہور علمائے اہلِ تشیُّع اور بعض علمائے اہلِ تسنُّن ۱۷ ربیع الاوّل ۱ عام الفیل سنہ ۵۷۰ء کو صحیح سمجھتے ہیں۔[۲]

علامہ مجلسی، حیاتُ القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علمائے امامیہ کا اس پر اِجماع و اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت ۱۷ ربیع الاوّل سنہ ۱ عامُ الفیل بروز جمعہ بوقتِ شب یا بوقتِ

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۱۱۸

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی، (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۷

صبح صادق شعبِ ابی طالب میں ہوئی۔ (۱)

اُس وقت نوشیرواں کسریٰ کی حکومت کا بیالیسواں سال تھا۔ مصر کے ایک مشہور ماہر فلکیات کی تحقیق کے حوالے سے مولانا شبلی کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ ولادت ۹ ربیع الاوّل اور عیسوی سال کے مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔ (۲)

اِسی طرح ولادت کے دن میں بھی اختلاف ہے، کچھ کے نزدیک بروز جمعہ اور بعض پیر کا دن لکھتے ہیں۔ طبرسی اور کلینی نے تصریح کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے روز دُنیا میں تشریف لائے جب کہ کچھ مکاتبِ فکر کا نظریہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ہوئی۔ (۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شعبِ ابی طالب میں جس گھر میں ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حضرت عقیلؑ کو ہبہ کر دیا تھا، حضرت عقیلؑ نے محمد بن یوسف ثقفی کے ہاتھ فروخت کیا اور اُس نے ہارون رشید کو۔ (۴)

ایک روایت کے مطابق ہارون کی ماں خیزران نے اُس گھر کو خرید کر مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، لوگ وہاں آ کر نماز پڑھتے، اُس گھر کی زیارت سے مشرف ہوتے اور اُسے متبرک سمجھتے تھے۔ آج کل اِس جائے مبارک وباسعادت کو سعودی حکام نے لائبریری میں تبدیل کر دیا ہے۔ (۵)

مجھے اس جائے مبارکہ کی زیارت کا شرف حاصل ہُوا ہے اور میں نے وہ لائبریری بھی

---

(۱) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۴۴

(۲) مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۱ ص ۱۰۹

(۳) علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۱۰۴

(۴) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۱۳

(۵) سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۷
علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۱۰۶

باہر سے دیکھی ہے۔ اس کے صدر دروازے کو اندر سے مقفل رکھا جاتا ہے تاکہ زائرین اندر نہ جاسکیں۔ شمعِ رسالت کے پروانے لائبریری کے بند دروازے پر اس اُمید کے سہارے بیٹھے رہتے ہیں کہ شاید مقدر یاوری کرے اور دیدہ و دِل کو اس جائے مقدسہ کی اندرونی زیارت نصیب ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمین کے لیے رَحمت بن کر تشریف لائے تو بطنِ مادر میں اپنی والدہ ماجدہ کے لیے بھی سراپا رَحمت ثابت ہُوئے۔ حمل اور عملِ پیدائش کی جن تکالیف سے زَچّہ کو گزرنا پڑتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رَحمت و برکت کے طفیل اُن تمام صعوبتوں سے بالکل محفوظ رہیں گویا کہ وہ حمل اور پیدائش کے عمل سے گزری ہی نہیں۔

حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں، ’’مجھے کچھ پتا نہ چلا تھا کہ میں حاملہ ہوں۔ عام عورتوں کی طرح نہ کوئی بوجھ اور ثقل محسوس ہُوا نہ متلی وغیرہ۔ میں نے حمل سے لے کر ولادت تک کوئی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی ماں کا حمل وجنین اِتنا خفیف ولطیف اور عظیم برکتوں والا ہوتا ہوگا جیسا کہ میرا تھا۔ جب مجھ پر زَچگی کا وقت آیا تو ستارے یوں نظر آنے لگے گویا وہ میرے قریب آ گئے ہوں اور جب میرا فرزند (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دُنیا میں آیا تو اُس نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا، سجدہ کیا اور اپنا سر آسمان کی طرف بُلند کر کے اُوپر دیکھا۔ پھر اُس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک نور ساطع ہُوا جس سے ہر چیز روشن ہوگئی۔ اُس نُور میں سے آواز آئی کہ (اے آمنہ علیہا السلام!) تم نے سیّدِ عرب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جنم دیا ہے، اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھو۔

میں نے جو دیکھا تھا حضرت عبدالمطلب سے بیان کیا۔ اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لیا اور فرمایا کہ خدا کی حمد ہے کہ اُس نے مجھے ایسا فرزند عطا کیا، یہ خوشبو سے معطر ہے اور گہوارے میں بھی تمام فرزندوں کا آقا ہے پھر حضرت عبدالمطلب نے مجھے ایک تعویذ دیا جس میں

ارکانِ کعبہ کا اندراج تھا اور اشعار کے ذریعے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدحت بیان فرمائی۔"[۱]

وقتِ ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ ہر آلائش سے پاک تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناف بریدہ اور مختون تھے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں میری عزت وحرمت یہ (بھی) ہے کہ میں مختون و ناف بریدہ پیدا ہُوا اور کسی نے میرے ستر کو نہ دیکھا۔[۲]

بروایتِ ابن واضح، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو شیطان کو رَجم کیا گیا، ستارے ٹوٹنے لگے اور ایسا زلزلہ آیا کہ دُنیا میں غیر اللہ کی عبادت گاہیں منہدم ہو گئیں۔ جادُوگر اور کہانت ہوش و حواش کھو بیٹھے اور اُن کے مؤکل محبوس (قید) ہو گئے۔ ایسے ستارے آسمان پر ظاہر ہو گئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ ہزاروں سالوں سے خشک پڑی شام کی وادی سماوہ میں پانی جاری ہو گیا۔ دجلہ میں ایسا سیلاب آیا کہ تمام علاقے زیرآب آ گئے اور کِسریٰ کے محل میں پانی بھر گیا، اُس کے طاق شِگافتہ ہو گئے اور محل کے کنگرے زمین بوس ہو گئے۔ کاشان میں موجود ساوہ کی وہ جھیل جس کی پرستش کی جاتی تھی خشک ہو گئی اور آتش کدۂ فارس کی آگ جو ہزار سال سے روشن تھی اور جسے ایک لمحہ کے لیے بھی بجھنے نہیں دیا جاتا تھا، بجھ گئی۔ آتش پرستوں کے سردار موبذان نے خواب دیکھا کہ طاقتور اور سرکش اُونٹ عربی گھوڑوں کی قیادت کرتے ہُوئے دجلہ عبور کر کے فارس میں داخل ہُوئے اور اُس کے بلاد و اطراف میں پھیل گئے۔[۳]

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت جلد ۲ ص ۲۹۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۶۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، جلد ۲ باب ۳ عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب ۲۱

[۲] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب ۲۲ ص ۱۲۶

[۳] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۶ بحوالہ ابن واضح (متوفی ۲۹۲ ہجری) اور بحوالہ تاریخ اشاعتِ اسلام دیوبندی، طبع لاہور، ص ۲۱۸

یہ اشارہ تھا رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمعِ رسالت کی طرف جس کی ضوفشانیاں تمام عالم میں پھیلنے والی تھیں۔

اُسی رات حجاز سے ایک نُور برآمد ہُوا جو پرواز کرتا ہُوا مشرق تک پہنچ گیا۔ عین اُس وقت تمام سلاطین اندھے ہو گئے، اُن کی رنگت سرخ ہوگئی اور بولنے کی طاقت سلب ہوگئی۔ کاہنوں کا علم اور جادُوگروں کا سحر باطل ہوگیا اور اُن کے ہمزاد شیاطین کو اُن سے دُور کر دیا گیا۔ قریش کو اہلِ عرب کے درمیان ''آلُ اللہ'' کہہ کر پکارا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بیتُ اللہ (مکّہ) میں سکونت کی وجہ سے اُن کو آلُ اللہ کہا جاتا ہے۔ حضرت مولا علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے گرد رکھے ہُوئے تمام بُت مُنہ کے بَل گِر پڑے اور شام ہوتے ہی آسمان سے آواز آئی، ''حق آیا اور باطل مِٹ گیا، بیشک باطل مِٹ جانے والا ہی تھا۔'' اُس رات تمام دُنیا روشن ہوگئی، پتھر اور درخت بزبانِ حال خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ زمین و آسمان میں موجود ہر شے خدا کی تسبیح کرنے لگی اور شیطان (حواس باختہ ہوکر) بھاگا بھاگا پھرنے لگا۔[۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل اِبلیس ساتویں آسمان تک جایا کرتا تھا اور وہاں کی خبریں کاہنوں اور ستارہ شناسوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہُوئے تو اُس کا داخلہ تین آسمانوں پر بند کر دیا گیا اور اُس کی رسائی صرف چار آسمانوں تک رہ گئی۔ جب جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو اُس کا داخلہ ساتوں آسمانوں پر بند کر دیا گیا اور اُسے رَجم کیا گیا۔ بروایتے، اِبلیس نے اپنے مددگاروں کے درمیان فریاد بُلند کی تو تمام شیاطین اُس کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے ہمارے آقا! کس چیز سے خوفزدہ

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، جلد ۲ باب ۳
عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّدالانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب ۲۳

ہو؟ اُس نے کہا کہ وائے ہو تم پر، میں گذشتہ شب سے آسمان و زمین میں سرگرداں ہوں اور مشاہدہ کررہا ہوں کہ زمانے میں کیا نئی اور عجیب بات رونما ہوگئی ہے؟ ولادتِ عیسیٰ (علیہ السلام) سے لے کر اب تک میں نے ایسا کبھی نہیں محسوس کیا۔ تم سب جاؤ اور جو کچھ واقع ہُوا ہے مجھے اُس کی خبر کرو۔ تمام شیاطین چاروں طرف پھیل گئے پھر واپس آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں تو کچھ بھی نیا محسوس نہیں ہُوا۔ اِبلیس نے اُنھیں کہا کہ تم ٹھہرو میں خود دیکھتا ہوں۔ پھر اُس نے تمام دُنیا میں گھوم پھر کر جائزہ لیا یہاں تک کہ حرمِ مکّہ میں دیکھا کہ فرشتے حرم کو تھامے کھڑے ہیں۔ اِبلیس نے چاہا کہ وہ بھی حرم میں داخل ہو مگر اُسے حکم دیا گیا کہ واپس چلے جاؤ۔ پھر وہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے روپ میں غارِ حرا کی طرف سے نمودار ہُوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُسے دھمکایا اور کہا کہ بھاگ جا، اے ملعون! اُس نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے جبرائیل! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ گزشتہ شب سے اب تک کیا واقعہ رُونما ہُوا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت ہوئی ہے۔ اِبلیس نے کہا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں میرا حصّہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ نہیں! اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تیرا کوئی حصّہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت میں میرا کوئی حصّہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میں اِس پر راضی ہوں۔ [١]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

[١] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی (متوفی ۳۸۱ھ)، مجالس صدوق (ترجمہ امالی الشیخ الصدوق)، ص ۲۷۱

سطیح کاہن کی خبر

یمامہ میں دو بہت مشہور کاہن رہا کرتے تھے۔ ایک کا نام ربیع بن اذن تھا جس کو سطیح کہتے تھے، وہ تمام کاہنوں میں سب سے زیادہ کہانت کا علم رکھنے والا تھا اور دوسرا وشق بن ہائلہ یمنی تھا۔

سطیح عجیب الخلقت تھا۔ خدا نے اُسے گوشت کے ایک لوتھڑے کی شکل میں خلق کیا تھا جس کے جسم میں سوائے سر کے کہیں کوئی ہڈی نہ تھی۔ اُس کو کپڑے کی مانند لپیٹ دیا جاتا تھا اور کبھی کھول کر بوریے پر ڈال دیا جاتا۔ وہ پشت کے بل پڑا رہتا تھا، اُس کی آنکھ اور زبان کے سوا اُس کا کوئی عضو حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ رات کو چند لمحوں کے لیے سوتا اور پھر تمام شب آسمان کو دیکھتا رہتا۔ بادشاہانِ وقت رُموز واَسرار اور آئندہ حالات معلوم کرنے کے لیے جب اُس کو طلب کرتے تو اُسے پٹارے میں رکھ کرلے جایا جاتا۔

ایک رات، وہ آسمان کا مشاہدہ کررہا تھا کہ ناگاہ اُس نے ایک روشنی دیکھی جو اطرافِ عالم میں پھیل گئی، ستارے ٹوٹنے لگے اور نیچے آتے آتے آپس میں ٹکرا کر زمین میں غائب ہونے لگے، ایک دھواں سا چاروں طرف پھیل گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دہشت زدہ ہوگیا اور اگلی رات اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اُسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جائیں۔ وہاں پہنچ کر اُس نے آسمان پر نگاہ کی تو اُسے ایک بہت روشن نُور دکھائی دیا جس کی روشنی ہر چیز پر غالب تھی اور زمینوں اور آسمانوں کو گھیرے ہُوئے تھی۔ یہ دیکھ کر اُس نے غلاموں سے کہا کہ مجھے نیچے لے چلو، میری عقل حیران ہے، ایسا لگتا ہے کہ میری موت قریب آگئی ہے، کوئی بڑا حادثہ رونما ہونے والا ہے، اور گمان یہ ہے کہ پیغمبر ہاشمی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا خروج ہونے والا ہے۔[١]

---

[١] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ١٦٩٨ء)، حیاتُ القلوب، جلد ٢ باب ٣ ص ١٣٠

بروایتِ سفینۃ البحار، اُس نے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت، حضرت علی علیہ السلام کی خلافت اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غَیبت کی بھی خبر دی تھی۔ بروایتِ روضۃ الاحباب اُس کی عمر چھ سو برس اور بروایت حیاتُ القلوب نو سو برس تھی۔ [1]

احمد بن محمد رزمہ قزوینی نے بیان کیا، اُن سے حسن بن علی بن نصر بن منصور طوسی نے، اُن سے علی بن حرب موصلی طائی نے، اُن سے ابوایوب یعلی بن عمران نے (جو جریر بن عبداللہ کے فرزند تھے)، اُن سے مخزوم بن ہانی مخزومی نے اور اُن سے اُن کے والد نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی رات ایوانِ کِسریٰ لرز اُٹھا اور اُس کے چودہ کنگرے گِر پڑے، دریائے ساوہ خشک ہوگیا، آتش کدۂ فارس جس کی لوگ پرستش کیا کرتے تھے بجھ گیا اور فارس کے سب سے بڑے عالم نے خواب میں دیکھا کہ چند فربہ اُونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچتے ہُوئے دریائے دجلہ عبور کر کے بِلادِ عجم میں منتشر ہوگئے۔ کِسریٰ نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو سر پر تاج رکھ کر تخت پر بیٹھا، اپنے اُمرا اور ارکانِ دولت کو جمع کیا اور جو کچھ وقوع میں آیا تھا سب اُن سے بیان کیا۔ اسی اثنا میں آتشکدۂ فارس کے خاموش ہونے کی اطلاع آئی جس سے اُس کا غم و اندوہ اور بڑھ گیا۔ اُس کے ایک عالم نے کہا کہ میں نے بھی ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور پھر وہ خواب بیان کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اِس کی تعبیر کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ مغرب میں کوئی ایسا واقعہ ضرور پیش آیا ہے جسے میں نہیں جانتا۔ کِسریٰ نے عرب کے بادشاہ نعمان بن منذر کو خط لکھا کہ عرب کے کسی عالم کو میرے پاس بھیجو تاکہ میں اُس سے ایک اہم مسئلہ دریافت کروں۔ خط پڑھ کر نعمان نے عبدالمسیح بن عمروؓ بن حیان بن نفیلہ غسانی کو بھیج دیا۔ کِسریٰ نے اُسے تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ عبدالمسیح نے کہا کہ مجھے اِس خواب اور اِس کے رُموز کا عِلم نہیں مگر میرا خالو سطیح جو شام میں رہتا ہے، اِس کی تعبیر بتا سکتا ہے۔ کِسریٰ نے کہا کہ اُس سے جا کر دریافت

---

[1] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے ص ۷۴

بحوالہ: سفینۃ البحار، روضۃ الاحباب، حیاتُ القلوب

کرو اور مجھے اطلاع دو۔ عبدالمسیح جب سطیح کے پاس پہنچا تو اُسے ایسا لگا کہ وہ مر چکا ہے۔ اُس نے سلام کیا مگر کوئی جواب نہ مِلا تو چند اشعار پڑھے جن میں ظاہر کیا کہ میں بہت دُور سے تکالیف اُٹھا کر ایک بزرگ کے پاس کچھ معلوم کرنے آیا ہوں...... سطیح نے جب وہ اشعار سنے تو آنکھیں کھولیں اور......اُس کا سوال سُن کر کہا کہ اے عبدالمسیح! وہ وقت آ گیا ہے کہ جب (قرآن کی) تلاوت کی جائے گی اور وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہوں گے جو ایک چھوٹا عصا اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ سماوہ پُر آب اور سمندر خشک ہو جائے گا۔ شام و عجم بادشاہوں کے قبضے سے نکل جائے گا اور قیصر و کسریٰ کے اُن کنگروں کی تعداد کے مطابق جو گر گئے ہیں، اُن کے بادشاہ بادشاہی کریں گے پھر اُن کی حکومت ختم ہو جائے گی اور جو کچھ ہونے والا ہے ضرور ہو کر رہے گا۔ اتنا کہہ کر وہ واقعی مر گیا۔[1]

یہودی عالم یوسف کی خبر

روایت ہے کہ یوسف نام کا ایک یہودی عالم مکّہ میں رہتا تھا۔ اُس نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبِ ولادت رُونما ہونے والے واقعات دیکھے تو بولا کہ یہ اُس نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت کی رات ہے جس کا تذکرہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ وہ خاتمُ الانبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور اُن ہی کی ولادت کے سبب شیطان پر پتھر برسائے گئے۔ صبح ہوئی تو وہ قریش کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آج رات تمھارے قبیلے میں کوئی لڑکا پیدا ہُوا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ کہنے لگا کہ ضرور ایک لڑکا پیدا ہُوا ہے اور وہ تمام انبیا سے افضل اور اُن کا آخر ہے۔ اُس کی بات سُن کر لوگ منتشر ہو گئے اور جستجو کی تو معلوم ہُوا کہ حضرت عبداللہ ابن عبدُ المطلب کے ہاں ایک فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے اُس یہودی عالم کو بلایا اور بتایا کہ ہاں! ایک لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ اُس نے پوچھا کہ میرے بیان کرنے سے پہلے یا بعد میں؟ اُنھوں نے کہا کہ

---

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۲۰

پہلے۔ یہودی عالم کہنے لگا کہ مجھے اُس کے پاس لے چلو۔ لوگ اُس کو جناب آمنہ علیہاالسلام کے گھر لائے اور کہا کہ ہم بچّے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لایا گیا۔

یوسف یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشتِ مبارک اور شانوں کو کھولا اور مُہرِ نبوّت کو دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ قریش کو اُس کی حالت پر تعجب ہُوا اور اُس کا مذاق اُڑانے لگے۔ اُس نے کہا کہ اے قریش! تم مجھ پر ہنستے ہو حالانکہ یہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جو تلوار سے تم (کافروں) کو ہلاک کریں گے۔ نبوّت قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل سے برطرف ہو گئی ہے۔ پھر لوگ منتشر ہو گئے اور یہودی کی ان باتوں کا چرچا کرنے لگے۔[1]

شام سے ابنِ حواش المقبل کی خبر

شیخ الصدوق فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، اُن سے علی بن ابراہیم نے، اُن سے اُن کے والد ابراہیم بن ہاشم نے، اُن سے محمد بن ابی عمیر اور احمد بن ابو نصر بزنطی نے، اُن سے ابان بن عثمان احمر نے، اُن سے ابان بن تغلب نے، اُن سے عکرمہ نے اور اُن سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب بنی قریظہ کے کعب بن اسد کو سزائے موت کے لیے گرفتار کیا گیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے بلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے پوچھا، ”اے کعب! کیا تجھ کو ابن حواش کی وصیّت سے کچھ فائدہ پہنچا؟ ابن حواش، جو شام سے آیا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے شراب کو ترک کر دیا، عیش و عشرت کو خیر باد کہہ دیا، فقر اختیار کر لیا اور خرما کھانا شروع کر دیا ہے، اُس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انتظار میں جن کے مبعوث ہونے کا وقت آ گیا ہے، وہ مکّہ سے ہجرت کر کے اِسی مدینہ میں آئیں گے، خشک روٹی اور خرما اُن کی غذا ہوگی، خچر پر سوار ہوں گے، اُن کی آنکھوں میں سرخی ہوگی، اُن کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت ہوگی، اپنی تلوار کاندھے پر رکھیں گے، کسی دشمن کی فکر نہیں کریں گے اور اُن کی حکومت ہر اُس مقام تک ہوگی جہاں تک گھوڑوں کے پاؤں پہنچ سکیں گے۔“ کعب بن اسد نے کہا، ”یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ایسا

---

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۲۳

ہی ہے۔ اگر یہودی یہ نہ کہتے کہ موت کے ڈر سے ایمان لے آیا ہے تو میں ضرور ایمان لاتا۔ میں اب تک یہودیوں کے دِین پر رہا ہوں لہٰذا اُسی پر مرتا ہوں۔'' چنانچہ اُس کی گردن اُڑا دی گئی۔[1] لیث بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے کعب الاحبار سے پوچھا کہ تم نے اپنی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت سے متعلق کیا پیشین گوئیاں پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کیا فضائل و صفات مرقوم پائے؟ کعب الاحبار نے کہا کہ میں نے بہتّر (۷۲) آسمانی کتب وصحائف کا مطالعہ کیا ہے اور دانیال کے صحائف بھی پڑھے ہیں، ان سب میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا نام بہت واضح طور پر موجود ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت اور عترت کا تذکرہ ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے کسی نبی یا پیغمبر کی ولادت کے وقت فرشتے نازل نہیں ہُوئے اور سوائے حضرت مریم (علیہا السلام) اور حضرت آمنہ (علیہا السلام) کے کسی اور (خاتون) کے لیے آسمانوں کے پردے نہیں ہٹائے گئے اور نہ ہی کسی اور عورت پر ولادت کے وقت فرشتے مؤکل کیے گئے۔ جس رات حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مادرِ گرامی کے بطنِ مُطَہّر میں تشریف لائے تو ساتوں آسمانوں پر ایک مُنادی نے ندا دی کہ خوشخبری ہو، گوہرِ خاتم الانبیا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) صدفِ مادر میں قرار پایا۔ اس خوشخبری کا اعلان زمینوں میں بھی کیا گیا اور کوئی چلنے اور پرواز کرنے والا ایسا نہیں تھا جس کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت کی خبر نہ ہوئی ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت کی رات ستر ہزار قصر یاقوتِ سرخ کے اور ستر ہزار قصر مروارید کے بنائے گئے جن کے نام قصورِ ولادت رکھے گئے۔ تمام بہشتوں کو آراستہ کیا گیا اور اُن سے فرمایا گیا کہ خوشی مناؤ اور اپنے مقام پر بالیدہ ہوتی رہو کیونکہ آج تمھارے دوست اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ سُن کر ہر بہشت خوش ہو کر ہنسی اور وہ سب قیامت تک ہنستی رہیں گی اور میں نے سنا ہے کہ ایک مچھلی ہے جس کا نام ''عموسا'' ہے۔ وہ مچھلیوں میں سے سب سے بڑی ہے، اُس کی ہزار دُمیں ہیں، اُس کی پیٹھ پر ہر وقت سات لاکھ ایسی گائیں چلتی ہیں کہ ہر گائے دُنیا سے

---

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۲۵

بڑی ہے اور ہر ایک کے سر پر ستر ہزار سینگ سبز زمرد کے ہیں۔ اُس مچھلی کی پشت پر جب یہ گائیں چلتی ہیں تو اُسے پتا بھی نہیں چلتا۔ وہ مچھلی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت سے خوش و مسرور ہو کر حرکت میں آئی۔ اگر خدا اُسے ساکن ہونے کا حکم نہ دیتا تو تمام دُنیا اُلٹ جاتی۔ میں نے سنا ہے کہ اُس روز کوئی پہاڑ ایسا نہیں تھا جس نے دوسرے پہاڑ کو خوشخبری نہ دی ہو۔ سب پہاڑ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ'' کا وِرد کر رہے تھے اور تمام درخت اور اُن کی شاخیں اپنے پتّوں اور پھلوں سمیت خداوندِ عالم کی تسبیح و تقدیس کر رہے تھے۔ اُس روز آسمان و زمین کے درمیان مختلف انوار کے ستر ستون نصب کیے گئے جن میں سے کوئی ایک دوسرے سے مُشابہ نہیں تھا۔ جب حضرت آدم (علیہ السلام) کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت کی نوید دی گئ تو فرطِ مسرت سے اُن کا حُسن سترّ گُنا بڑھ گیا۔ حوضِ کوثر میں خوشی سے تلاطم پیدا ہُوا اور اُس نے ستر ہزار قصر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نثار کرنے کے لیے اپنی تہہ میں سے نکال کر باہر ڈال دیے۔ شیطان کو چالیس روز کے لیے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور اس دوران میں اُس کا تخت پانی میں غرق کر دیا گیا۔ تمام بُت سرنگوں ہو گئے اور اُن سے واویلا اور فریاد کی آوازیں بُلند ہونے لگیں۔ خانہ کعبہ سے آواز آئی کہ اے آلِ قریش! تمھاری طرف ثواب کی خوشخبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا آ گیا ہے، اُس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دینے میں عزتِ ابدی اور بے انتہا فائدہ ہے، وہی خاتم الانبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ کعب نے کہا کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عترت (علیہم السلام) جو کہ اولادِ فاطمہ (علیہا السلام) ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد تمام دُنیا کی مخلوق سے افضل ہے اور جب تک اُن میں سے ایک بھی اس زمین پر رہے گا، دُنیا والے خدا کے عذاب سے امان میں رہیں گے۔ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دونوں فرزندوں کے بارے میں کتابوں میں پڑھا اور دیکھا ہے کہ وہ دونوں حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے فرزند ہیں اور اُنھیں بدترین لوگ شہید کریں گے۔ [1]

---

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد (متوفی ۳۸۱ ہجری)، مجالس صدوق (ترجمہ امالی الشیخ الصدوق)، ص ۵۶۱

اَسمائے گرامی جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) رکھا۔ یہ نام قبیلے کے رسم و رواج کے مطابق نہیں تھا۔ روایت پسند بنو قریش نے اِس پر تعجب کا اظہار کیا تو حضرت عبد المطلب نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا بچّہ زمانے بھر کا ممدوح بنے۔[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ نے رویائے صادقہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) رکھا۔ خالقِ کائنات نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اِسی نام سے موسوم فرمایا اور آسمانی کتب و صحائف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کی پیش گوئی کی۔ جیسا کہ سورۃ الصّف میں ارشاد ہوتا ہے:[۲]

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○

(اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں (اور) جو (کتابِ سماوی) مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی تمھیں خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اُس کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہوگا۔ پھر جب وہ اُن کے پاس صاف نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔)

پس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا کہ زمین پر میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور آسمان پر احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے،

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۱۸۲، بحوالہ ابو الفدا

[۲] سورۃ الصّف، آیت ٦

توریت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور انجیل میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ [1]

ابن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہُوئے سُنا، ''میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے)، میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی اللہ کی حمد و ستائش کرنے والا)، میں ماحی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹاتا ہے)، میں حاشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی روزِ محشر لوگ میرے قدم یا مقام پر جمع ہوں گے) اور میں عاقب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)۔'' [2]

ابو موسیٰ الاشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، المقفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی تمام انبیا کے بعد آنے والا)، حاشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی لوگوں کو جمع کرنے والا)، میں نبیِ توبہ ہوں (یعنی بکثرت توبہ و استغفار کرنے والا) اور میں نبیِ رحمت ہوں۔'' [3]

فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ یہود کے چند افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ اُن میں جو سب سے بڑا عالم تھا اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی سوالات کیے۔ منجملہ اِن سوالات کے اُس نے یہ بھی پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو محمد و احمد و ابوالقاسم و بشیر و نذیر و داعی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ناموں سے پکارا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میرا نام زمین پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آسمانوں پر احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے اور میرا نام ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۶۹

[2] مسلم، ج ۶ حدیث ۶۱۰۵۔ مشکوٰۃ باب شمائل النبی و صفاتہ۔ جامع ترمذی، حدیث ۲۶۳۹ ج ۲ ص ۱۹۸۔ صحیح بخاری، ج ۵ حدیث ۳۵۳۲

[3] صحیح مسلم

کو دو حصّوں میں تقسیم کرے گا، ایک حصّہ جہنم کا ہوگا، اوّلین و آخرین میں سے جو بھی میری نبوّت سے انکار کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور دوسرا حصّہ جنّت کا ہوگا، جو بھی مجھ پر ایمان لائے گا اور میری نبوّت کا اقرار کرے گا وہ جنّت میں جائے گا۔ میرا نام داعی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے ہے کہ میں لوگوں کو اپنے پروردگار کے دِین کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مجھے نذیر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے کہا گیا ہے کہ جو میری نافرمانی کرتا ہے میں اُس کو جہنم سے ڈراتا ہوں اور میں بشیر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے ہوں کہ جو میری اطاعت کرتا ہے میں اُسے جنّت کی بشارت دیتا ہوں۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ مبارک ابوالقاسم سے متعلق ایک حدیث حضرت امام رضا علیہ السلام کی بھی ہے جس سے اہلِ عرب میں نام رکھنے کے رسم و رواج کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔

بیان کیا علی بن حسن بن فضال نے، اُنھوں نے روایت کی اپنے باپ سے، اُن کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم کیوں ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرزند کا نام قاسم تھا اِس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگئی۔[۲]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[۱] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع، ص ۹۶

[۲] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع، ص ۹۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور کُنیت جمع کرنے کی ممانعت اور حضرت علی علیہ السلام کا استثنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اپنا نام اور کنیت جمع کرنے سے منع فرمایا تھا یعنی بیک وقت نام ''محمد'' اور کنیت ''ابوالقاسم'' رکھنے سے منع فرمادیا لیکن یہ ممانعت حضرت علی علیہ السلام کے لیے نہیں تھی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (لوگوں کو) اپنے نام اور کُنیت کو جمع کرنے سے منع فرمایا، دونوں میں سے کسی ایک کو رکھنے کی اجازت دی، نام یا کنیت۔ [۱]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر تم میرا نام رکھو تو میری کنیت نہ رکھو۔ [۲]

حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر میرے ہاں کوئی بیٹا ہو تو کیا میں اُس کا نام اور کنیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور کنیت پر رکھ لوں؟'' فرمایا، ''ہاں۔'' حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں میرے لیے اِس کی اجازت تھی۔ [۳]
یعنی یہ ممانعت دوسروں کے لیے تھی نہ کہ حضرت علی علیہ السلام کے لیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[۱] جامع ترمذی، حدیث ۲۶۴۰ ج ۲ ص ۱۹۹

[۲] بخاری، باب: کتاب اخلاق کے بیان میں، حدیث ۶۱۸۹، جامع ترمذی

[۳] جامع ترمذی، حدیث ۲۶۴۲ ج ۲ ص ۱۹۹

رضاعتِ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین دن، سات دن یا نو دن تک اپنی والدہ حضرت آمنہ علیہا السلام کا شیر پیا پھر تین چار ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے دُودھ پلایا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیے گئے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دو سال تک دُودھ پلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو برس کی عمر تک اُن کے ساتھ رہے اور صحرا کی کھلی آب وہوا میں پرورش پائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پانچ سال اور دو دن کے ہو گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھرانے میں واپس چھوڑ آئیں۔ معروف مؤرّخ اور محقق علامہ نجم الحسن کراروی، ثوبیہ اور حلیمہ سعدیہ کے دُودھ پلانے والی روایت کی بھرپور تردید کرتے ہُوئے اپنی کتاب چودہ ستارے میں لکھتے ہیں، ''اگرچہ تقریباً تمام مؤرّخین نے ثوبیہ اور حلیمہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ان عورتوں نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دُودھ پلایا تھا اور تھوڑے دنوں نہیں بلکہ کافی عرصہ تک پلایا تھا لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں کیونکہ دُنیا کی کسی تاریخ میں یہ نہیں کہ کسی نبی کو اُس کی ماں کے علاوہ کسی اور نے دُودھ پلایا ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے حالات دیکھے جائیں تو کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملے گی جس سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حلیمہ وغیرہ کے دُودھ پلانے کی تائید ہوتی ہو، ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ جیسے قدرت کو اِس اَمر پر اصرارِ شدید تھا کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُن کی ماں ہی کا دُودھ پلوائے۔ مثال کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات دیکھ لیجیے اور اندازہ لگائیے کہ کن ناسازگار حالات و واقعات میں اُن کی ماؤں کو دُودھ پلانے کے لیے اُن تک پہنچایا گیا اور جب ایسا دیکھا کہ ماں کے پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے تو خود اُسی بچّے کے انگوٹھے سے دُودھ پیدا کر دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہُوا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر بچّے کو ماں کا دُودھ دستیاب نہ ہو سکے تو کسی دوسرے طریقے سے شکم سیری ہو جائے۔ درایں حالات میری سمجھ میں نہیں آتا کہ

انبیائے سابق کے طریقے اور اُصول سے ہٹ کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کے دُودھ پلانے کو کیونکر تسلیم کر لیا جائے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ یہ تسلیم شدہ ہو ''لُحْمَةُ الرِّضَاعِ کَلُحْمَةِ النَّسَبِ'' یعنی دُودھ سے جو گوشت پیدا ہوتا ہے وہ نسب کے گوشت و پوست کی طرح ہوتا ہے اور ''وَیَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ'' یعنی دُودھ پینے سے وہ رشتہ ناجائز ہو جاتا ہے جو نسب سے (بھی) ناجائز ہوتا ہے اور پھر ایسی صورت میں جب کہ ماں موجود تھیں اور عہدِ رضاعت کے بعد تک زندہ رہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جناب آمنہؑ نے دُودھ پلایا تھا اور ثوبیہ وحلیمہ نے اُن کی پرورش و پرداخت کی تھی۔ میرے نظریے کو اِس سے اور تقویت پہنچتی ہے کہ خداوندِ عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ارشاد فرماتا ہے، ''وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ''[1] یعنی ہم نے دُودھ پلائے جانے کے سوال سے پہلے ہی تمام دائیوں کا دُودھ موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے حرام کر دیا تھا، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خداوندِ عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماں کی بجائے کسی اور کا دُودھ پینے سے بچانے کا اتنا اہتمام کرے اور فخرِ موسیٰ علیہ السلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اِس طرح نظر انداز کر دے کہ ایسی عورتیں اُنھیں دُودھ پلائیں جن کا اسلام بھی واضح نہیں؟''[2]

علامہ نجم الحسن کراروی کے اِس استدلال کی روشنی میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صرف پرورش ونگہداشت ہی کی ہو اور دُودھ نہ پلایا ہو۔ کم سِن بچے کی پرورش کے دوران میں دایہ اُسے اکثر اپنی گود میں رکھتی ہے اور ممکن ہے اسی وجہ سے ماضی کے مؤرّخین کو دُودھ پلائے جانے کا خیال سوجھا ہو لیکن اس کے برعکس یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حلیمہ سعدیہ نے واقعی دُودھ پلایا ہو جیسا کہ کثیر روایات میں ملتا ہے اور اکثر علمائے کرام کے نزدیک اس میں

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۸ بحوالہ: سورۃ القصص، آیت ۱۲

[2] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۸

ایسی کوئی عجیب اور قابل اعتراض بات بھی نہیں ہے کیونکہ دُودھ تو نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کا بھی نوش فرمایا حال آنکہ وہ جانور ہے اور انسان تو اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اُس سے بدرجہا افضل واعلیٰ ہے۔ مزید برآں اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اعلیٰ میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت و بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ یہ شرف واعزاز خداوند متعال نے بی بی حلیمہ سعدیہ کے مقدر میں لکھ دیا ہو کہ وہ سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے شِیر سے سیراب کریں۔

روایتِ شقُ الصدر

بعض لوگوں کا کہنا ہے (جو ہمارے نزدیک غلط ہے) کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، محترمہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے تو خالقِ مطلق کے حکم پر جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اقدس کو چاک کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر کو باہر نکالا اور اُس میں سے خون کا ایک لوتھڑا (معاذ اللہ) شیطانی حصّہ قرار دے کر الگ کیا پھر دِل کو دھو کر واپس اپنی جگہ منتقل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں پانچ مرتبہ دُہرایا گیا۔ پہلی مرتبہ تین سال کی عمر میں، دوسری دفعہ دس برس کی عمر میں، تیسری بار بعثت کے وقت، چوتھی مرتبہ معراج کی شب جب کہ پانچویں بار میں اختلاف ہے۔ کچھ مکاتبِ فکر کی کتب میں اِس واقعے کو تواتر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سیرتُ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے موضوع پر اُن کی لکھی گئی تقریباً ہر کتاب، مضمون اور بیان میں اِس کا ذِکر مِلتا ہے، جب کہ ایک کثیر تعداد علما ومؤرّخین کی اِس روایت کی صحت سے نہ صرف انکار کرتی ہے بلکہ اِس کی شدید مذمت بھی کرتی ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اِس روایت کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔

روایت یوں ہے کہ مسلم بن حجاج نے اَنس بن مالک سے نقل کیا کہ (جب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بچّوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکڑ کر زمین پر لٹایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینے کو چاک کر کے اُس میں سے دِل کو باہر نکالا اور اُس میں سے ایک لوتھڑا خون کا یہ کہہ کر نکالا کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اندر (معاذ اللہ) شیطانی حصّہ ہے، پھر دِل کو سونے کے طشت میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا اور اُسے درست کر کے واپس (سینے میں) رکھ دیا۔ بچّے دوڑتے ہُوئے اپنی ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس آئے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) قتل ہو گئے۔ وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف لپکے اور (دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رنگ اُڑا ہُوا تھا۔ اَنس سے روایت ہے کہ میں نے اُن ٹانکوں کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینۂ مبارک پر دیکھا ہے۔[۱]

روایتِ شقُ الصدر کا تنقیدی جائزہ

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے بعد اِبلیس نے اپنے مددگاروں کے درمیان فریاد بُلند کی تو تمام شیاطین اُس کے گرد جمع ہو گئے اور کہا کہ اے ہمارے آقا! کس چیز سے خوفزدہ ہو؟ اُس نے کہا کہ وائے ہو تم پر، میں گذشتہ شب سے آسمان و زمین میں سرگرداں ہوں کہ کیا نئی اور عجیب بات رونما ہوئی ہے کہ ولادتِ عیسیٰ (علیہ السلام) سے لے کر اب تک میں نے ایسا نہیں دیکھا۔ تم جاؤ اور جو کچھ پیش آیا ہے مجھے اُس کی خبر کرو۔ وہ سب چاروں طرف پھیل گئے پھر واپس آ کر کہنے لگے کہ ہمیں تو کچھ بھی نیا نہیں لگا۔ اِبلیس نے کہا کہ تم ٹھہرو میں خود دیکھتا ہوں۔ پھر اُس نے تمام دُنیا میں گھوم پھر کر دیکھا یہاں تک کہ حرمِ مکّہ میں دیکھا کہ فرشتے حرم کو تھامے ہُوئے ہیں۔ اِبلیس نے چاہا کہ وہ اُس میں داخل ہو مگر اُسے حکم ہُوا کہ واپس چلے جاؤ۔ لٰہذا وہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے رُوپ میں غارِ حرا کی طرف

---

[۱] صحیح مسلم، ج ۱ ص ۱۰۱

سے نمودار ہُوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُسے دھمکایا اور کہا کہ بھاگ جاؤ اے ملعون! اُس نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے جبرائیل! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ گزشتہ شب سے اب تک کیا واقعہ رُونما ہُوا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی ہے۔ ابلیس نے کہا کیا اُن میں میرا حصّہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں، اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تیرا کوئی حصّہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت میں میرا کوئی حصّہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں ہے تو وہ کہنے لگا کہ میں اِس پر راضی ہوں۔[1]

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر تک ابلیس کی رسائی نہیں تھی اور یہ روایت کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اطہر کو چاک کر کے اُس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دِل کو باہر نکالا اور اُس میں سے خون کا ایک لوتھڑا یہ کہہ کر الگ کیا کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اندر (معاذ اللہ) شیطانی حصّہ ہے، سراسر غلط ہے۔

(۲) تمام اہلِ عِلم اِس روایت سے واقف ہیں جو متعدد کتبِ احادیث میں موجود ہے اور جسے اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی یمنی چادر کے نیچے حضرت امام علی علیہ السلام، حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ تشریف فرما تھے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:[2]

"اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًاۚ"

(اے اہل بیت (علیہم السلام)! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رِجس (آلودگی/نجاست) کو دُور رکھے اور تمھیں اِس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔)

---

[1] الشیخ الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، مجالس صدوق (ترجمہ امالی الشیخ الصدوق)، ص ۲۷۱

[2] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

اللہ ربُّ العزت سب سے بڑھ کر حکیم و دانا ہے اور اُس کا کلام بھی حکمت سے بھرپور ہے۔ اگر ہم اس آیتِ مبارکہ کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اِس کا ہر لفظ ایک اہم حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ جیسے ''اے اہلِ بیت! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر قسم کے رِجس کو تم سے دُور رکھے....'' غور کیجیے! فرمایا جا رہا ہے ''تم سے'' دُور رکھے، یہ نہیں فرمایا کہ ''تمھیں'' دُور رکھے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر قسم کے رِجس سے ''تمھیں'' دُور رکھے....تو کہنے والوں کو یہ کہنے کا موقع مِل جاتا کہ وہ بھی انسان تھے اور رِجس کی طرف مائل ہو جانے کا (معاذ اللہ) طبعی رُجحان رکھتے تھے اِسی لیے اللہ نے فرمایا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ''تمھیں'' ہر رِجس سے دُور رکھے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہر رِجس کو ''تم سے'' دُور رکھے یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت علیہم السلام کا طبعی رُجحان رِجس کی طرف تھا ہی نہیں اس لیے رِجس کو بھی پابند کر دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کا رُخ نہیں کر سکتی، تو پھر سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مطہر میں شیطانی حصّے کی وہ رِجس (معاذ اللہ) کیسے سما گئی جسے بعد ازاں بذریعہ آپریشن نکالنا پڑا؟

اِس آیتِ کریمہ کا دوسرا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر رِجس کو تم سے دُور ''رکھے''، یہ نہیں فرمایا کہ دُور ''کرے۔'' دُور رکھنے سے مراد ہے کہ رِجس کبھی قریب آئی ہی نہیں بلکہ اُس کو کہیں اور ہی پابند کر دیا گیا تھا۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ دُور ''کرے'' تو اِس کا مطلب نکالنے والے یہ نکالتے کہ رِجس قریب تھی (معاذ اللہ) اِس لیے اُسے دُور کرنے کی اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے تمنا کی اور آخر کار جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ مطہر چاک کر کے ایسا کیا گیا۔ نہیں! بالکل نہیں! رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم و معصوم ہستی ہر رِجس سے پاک ہے، ازل سے اور ابد تک، کیونکہ اللہ یہی چاہتا ہے اور یہی مندرجہ بالا آیت مبارکہ اور متعدد دوسری آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے۔

(۳) ایک عظیم تخلیق کار کی تخلیق نقائص سے پاک ہوتی ہے جبھی وہ عظیم کہلاتا ہے۔ خالقِ کائنات تو عظیم ترین تخلیق کار ہے۔ وہ ہر شے کو پیدا کرنے والا ہے، لاتعداد اشجار، چرند، پرند، حشرات، پھل، پھول اور اجناس وغیرہ وغیرہ۔ اُس کی پیدا کردہ ہر جنس اپنی فطرت کے عین مطابق ہے اور کبھی یہ نہیں ہُوا کہ گلاب کے کانٹے غلطی سے چنبیلی کے پھول کو لگ گئے ہوں یا آم کے پھل میں کریلے کی کڑواہٹ سما گئی ہو۔ وہ خالقِ اعظم جس شے کو جیسے خلق کرنا چاہتا ہے وہ اُس کے حکم کے عین مطابق ویسے ہی تخلیق ہوتی ہے، پھر کیا اللہ ربُ العزت سے (معاذ اللہ) اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تخلیق میں کوئی غلطی ہوگئی تھی جو شیطان نے اپنا حصّہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب میں ڈال دیا اور اِس پر ستم یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کہ علیم وخبیر ہے، اُس کو (معاذ اللہ) اِس کی خبر تک نہیں ہوئی اور اِس لیے بعد ازاں شقُ الصدر کر کے اُس حصّے کو نکالنا پڑا؟ تو پھر سینہ شق کر کے اپنے محبوب کو تکلیف دینے میں کیا حکمت تھی؟ وہ تو ''کُنْ'' کہتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے، یہاں کیوں نہ ''کُنْ'' کہا؟ ایک فرشتے کے ہاتھوں جرّاحی کروانے کی کیا ضرورت تھی؟ یا پھر اللہ سب جانتا تھا اور اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جان بوجھ کر اِس طرح بنایا؟ اگر جان بوجھ کر اِس طرح بنایا تو پھر اِس میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی؟

(۴) یہ آپریشن پہلی مرتبہ کامیاب کیوں نہ ہُوا؟ چار یا پانچ بار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا خالقِ کائنات (معاذ اللہ) پہلے آپریشن میں ناکام رہا؟ اللہ جل شانہٗ کے لیے ''ناکامی'' جیسے کلمات کا سوچنا بھی کفر ہے۔

(۵) روایات میں ہے کہ یہ عمل پانچ مرتبہ دُہرایا گیا۔ تین سال کی عمر میں، دس سال کی عمر میں، بعثت کے وقت اور معراج کی شب، جب کہ پانچویں بار میں اختلاف ہے۔ تو کیا ہر آپریشن کے بعد شیطان اپنا حصّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ مطہر میں پھر ڈال دیا کرتا تھا؟ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو طیّب وطاہر ہیں اور ولادت سے پہلے بھی جن

کا نُور ہمیشہ اصلابِ طیّبہ سے ارحامِ مطہرہ میں منتقل ہوتا رہا، کیا اس دوران میں اپنے قلبِ مطہر میں شیطان کا حصّہ (معاذ اللہ) لیے ہُوئے تھے؟ یہ تصوّر بھی ہمارے نزدیک گناہِ کبیرہ ہے۔

(٦) اب ہم ایک اور زاویے سے اس روایت کو دیکھتے ہیں۔ کیا قلبِ انسان میں شیطان کا یہ حصّہ تخلیقِ انسانی کے عمل میں شامل ہے؟ یا اِس کا تعلّق محض انبیا وصالحین سے ہے؟ اگر اِس کا تعلّق انبیا وصالحین سے ہے تو گزشتہ انبیا کے سینے شق کر کے یہ عمل کیوں نہ کیا گیا اور اُنھیں اِس حصّے سمیت ہی کیوں رکھا گیا؟ جب کہ ہر نبی معصوم اور پاک ہوتا ہے۔ سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہی ایسا کیوں کیا گیا؟ یا پھر گزشتہ انبیائے کرام کے قلوب میں وہ حصّہ نہیں تھا اور یہ معاملہ (معاذ اللہ) صرف حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہی ساتھ تھا؟ تو پھر نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہی ایسا کیوں؟ کیا حکمتِ الٰہی نہاں تھی اس میں؟

اور اگر اِس کا تعلّق تخلیقِ انسانی کے مقررہ عمل کے ساتھ ہے تو اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ یہ شیطانی حصّہ ہر انسان کے قلب کا ایک جزو ہے اور اگر واقعی ایسا ہے تو کیا اللہ رَبُّ العزت کا قائم کردہ سزا وجزا کا عمل (معاذ اللہ) غیر منصفانہ نہیں ہو جاتا؟ روزِ محشر اپنی بداعمالیوں کی سزا سننے کے بعد کیا ہم روزِ جزا کے مالک کے رُوبرو یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ مالک! تُو نے تو ہمیں پیدا ہی ایسا قلب دے کر کیا جس میں شیطانی حصّہ شامل کردہ تھا، اور اگر ہمارے قلوب کا بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ انور کی طرح آپریشن کروا دیا ہوتا تو ہم بھی شیطان مردُود کے شر سے بچے رہتے۔ اب اِس میں ہمارا کیا قصور؟ ہمیں سزا دینا تو سراسر تیرے عدل کے منافی ہے (معاذ اللہ)۔

۷) تقریباً تمام مکاتبِ فکر کے لوگ اِس پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مختون اور ناف بریدہ حالت میں بطنِ مادر سے دُنیا میں تشریف لائے۔ جیسا کہ مدارج النبوّت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں، ''جاننا چاہیے کہ جمہور اہلِ سیر کا مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہُوئے تھے۔ حضرت اَنس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمام عزت وکرامت میں جو ربُ العزت کے حضور مجھے حاصل ہے، (ایک) یہ (بھی) ہے کہ میں ختنہ کردہ پیدا ہُوا اور

میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ ارشاد، ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ حکمت یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال خلقت اور تکمیلِ اعضا میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہ ہو نیز یہ بھی کہ کوئی عیب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو۔[۱] اور حضرت آمنہ علیہا السلام بھی فرماتی ہیں کہ وقت ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناف بریدہ تھے۔[۲]

شکمِ مادر میں ایک آنت (Umbilical Cord) کے ذریعے جو بچّے کی ناف سے منسلک ہوتی ہے، ماں کے پیٹ میں موجود پلےسینٹا (Placenta) کے مادوں سے جو کہ آکسیجن اور خون وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں، نشوونما کے لیے بچّے کو غذا فراہم ہوتی ہے۔ ہر بچّہ شکمِ مادر میں اِسی خون اور مادے سے (جو کہ نجس ہوتا ہے) پرورش پاتا ہے۔ اِس آنت (Umbilical Cord) کا دوسرا مقصد بچّے کے جسم سے خارج ہونے والے فاضل مادوں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو ماں کے بدن میں منتقل کر کے ماں کے جسم کے ذریعے خارج کرنا ہوتا ہے۔ تقریباً اِسی طرح کا مضمون مائیکروسافٹ انکارٹا انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

Umbilical Cord: Long flexible cord that allows a fetus to be nourished as it grows and develops within the uterus, or womb. On one end, the cord attaches to the abdominal area of the fetus. On the other end, the cord attaches to the placenta. It is in the placenta that the blood vessels of the mother and fetus exchange contents from each other's circulatory systems. The umbilical cord contains two large arteries, which deliver oxygen and nutrients to the fetus from the placenta and one large vein, which carries carbon dioxide and other wastes from the fetus to the placenta. Transferred to the bloodstream, most of these wastes are soon eliminated through the mother's excretory system.

(Microsoft Encarta Encyclopedia 2005 © 1993-2004 Microsoft Corporation)

پس، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقتِ ولادت ناف بریدہ ہونا اِس بات کا ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر میں وہ آنت (Umbilical Cord) تھی ہی نہیں جسے ولادت کے

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۳۳

[۲] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۱۲۴

بعد کاٹا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرورش شکمِ مادر میں بھی کسی قسم کی نجاست سے نہیں کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب شکمِ مادر میں بھی ہر نجاست سے پاک تھے تو پھر وہ شیطانی نجاست آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب میں کہاں سے آگئی؟ اُس سے پاک رکھنے کا انتظام خالقِ اعظم نے کیوں نہ فرمایا؟

۸) حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب دُنیا میں تشریف لائے تو عام بچّوں کی طرح نہیں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُنیا میں آتے ہی دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، سجدہ ریز ہُوئے اور پھر آسمان کی طرف نگاہ کی۔

اہلِ اسلام میں ولادت کے بعد ہر بچّے کو غسل دیا جاتا ہے تا کہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر اُس کے کان میں اذان واقامت کہی جاتی ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ولادت کے فوراً بعد اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز[۱] ہو رہے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پاک و پاکیزہ تھے تو سجدہ کیا۔ اگر وقتِ ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری نجاست سے پاک رکھا تو وہ باطنی نجاست کیسے پیدا ہو گئی جس کو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سینۂ اطہر چاک کر کے دُور کرنے کی کوشش بار بار کی گئی؟

لہٰذا ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ شقُ الصدر والی یہ روایت غلط اور قطعی طور پر بے بنیاد ہے اور اس روایت پر ایمان رکھنا اللہ ربُّ العزت اور رسولِ گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۱۷۷

وفاتِ حضرت سیّدہ آمنہ علیہا السلام

(۴۷ قبل ہجرت/ ۵۷۷ء)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ سال تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ۵۷۷ء میں پہلا اور آخری سفر کیا۔ حضرت آمنہ علیہا السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ منوّرہ روانہ ہوئیں جہاں حضرت عبداللہ علیہ السلام مدفون تھے۔ حضرت آمنہ علیہا السلام نے وہاں خاندانِ نجار کے ہاں قیام کیا جو اُن کے سسرالی رشتہ دار تھے۔ آپ شب و روز شوہر کے مرقد کی زیارت کرتیں اور آنسو بہاتیں۔ کوئی ایک ماہ بعد آپ نے واپسی کا قصد کیا۔ جب جحفہ سے تقریباً ۲۳ میل دُور ابوا نامی گاؤں پہنچیں تو گویا سفرِ حیات جاری رکھنے کی سکت نہ رہی اور اپنے دُرِ یتیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے سپرد کر کے ابوا ہی میں اپنی ابدی آرام گاہ میں مقیم ہو گئیں۔ اُمّ ایمن، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر مکّہ پہنچیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ [۱]

کم سِنی میں ہی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی رِحلت کا فلسفہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولادت سے پہلے ہی اور بعض روایات کے مطابق ولادت کے کچھ عرصہ بعد شفیق باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے تھے۔ یتیمی کے محض چار سال، چھ سال یا اِس سے کچھ زیادہ عرصہ کے بعد والدہ ماجدہ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس لیے

---

[۱] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج۱ ص ۱۱۲

محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب، ج۱ ص ۶۷

یتیم کر دیا تھا یعنی کم سنی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ کو دُنیا سے اِس لیے اُٹھا لیا کہ خدا کی اطاعت کے سوا کسی اور کی اطاعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب نہ ہو اور سوائے خدا کے کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی حق حاصل نہ ہو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد جناب محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے والدین کی طرف سے یتیم کیوں بنایا؟ فرمایا، ''تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مخلوق کا (حتیٰ کہ والدین کا بھی) حق واجب نہ ہو۔''[1]

کفالتِ جناب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی کفالت میں چلے گئے۔ حضرت عبد المطلب علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبے سے بخوبی واقف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ سال آٹھ ماہ اور آٹھ روز ہوئی تو حضرت عبد المطلبؑ شدید علیل ہو گئے۔ اُن کی خواہش کے مطابق اُنھیں ایک تخت پر لٹا کر کعبہ معظّمہ کے پردوں کے سامنے لایا گیا۔ اُن کے بیٹے اُن کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آ کر حضرت عبد المطلب کے پاس تخت پر بیٹھ گئے۔ ابولہب ملعون نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں سے ہٹا دے تو حضرت عبد المطلبؑ نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ اے عبد العزیٰ تو اِس برگزیدۂ خدا کی عداوت دِل سے دُور نہیں کرے گا؟ اس کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام کی جانب رُخ کر کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں وصیّت کی اور اپنی تمام اولاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرنے کے بارے میں تاکید کی اور فرمایا کہ عنقریب اِس کی عظمت و جلالت تم پر واضح ہو جائے گی، پھر آپ بیہوش ہو گئے۔

---

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا، ص ۱۱۱

جب ہوش میں آئے تو قریش کے معزز افراد سے کہا کہ کیا تم لوگوں پر میرا کوئی حق ہے؟ سب لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب پر آپ کا حق ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور سکراتِ موت آپ پر آسان کرے، آپ ہمارے اچھے سردار اور بزرگ تھے۔

حضرت عبدالمطلبؑ نے کہا کہ میں تمھیں اپنے فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے حق میں وصیّت کرتا ہوں کہ اِس کی عزت کرنا، اسے اپنا سردار سمجھنا اور اِس کے حق اور تعظیم میں کمی نہ کرنا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے سُنا اور جان و دِل سے قبول کیا۔

پھر حضرت پر جاں کنی کا عالم طاری ہُوا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گود میں لیا اور کہا کہ اے سعادت مند فرزند! مجھ سے الگ مت ہونا، تم جب تک تم میرے پاس ہو مجھے راحت و آرام ہے۔ یہ کہہ رہے تھے کہ آپ کی روح جوارِ رَحمتِ پروردگار کی طرف پرواز کر گئی۔ [1]

مختلف روایات کے مطابق حضرت عبدالمطلبؑ کا انتقال بیاسی سال، ایک سو دس سال یا ایک سو بیس سال کی عمر میں ہُوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عبدالمطلب کا وقتِ وفات یاد ہے تو فرمایا کہ کیوں نہیں؟ میں اُس وقت آٹھ سال کا تھا۔ حضرت اُمّ ایمنؑ فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عبدالمطلبؑ کے جنازے کے پیچھے چلتے اور دردو فراق سے آنسو بہاتے ہُوئے دیکھا تھا۔ [2]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۹۵،۹۶

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّدالانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ص ۱۶۵،۱۶۶

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کے لیے حضرت ابو طالب علیہ السلام کی نامزدگی

حضرت عبدالمطلبؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش و نگہداشت کے لیے حضرت ابو طالبؑ کو وصیت فرمائی تھی۔ حضرت ابو طالب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچا تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور بھی تھے مگر حضرت ابو طالب علیہ السلام کو ترجیح دیے جانے کی چار بنیادی وجوہات سامنے آتی ہیں۔

اوّل: حضرت عبدالمطلب کی وصیت۔[1]

دوم: قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ فال حضرت ابو طالب کے نام نکلا۔[2]

سوم: خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی اُنھیں یہ اعزاز بخشا۔[3] یعنی جو رضائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی وہی رضائے الٰہی بھی تھی۔

چہارم: حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد اِس اہم ترین فریضے کو نبھانے کا اہل حضرت ابو طالب علیہ السلام کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ حضرت ابو طالب، اولادِ عبدالمطلب میں سب سے زیادہ شرافت مند اور معزز تھے اور قریش میں سب سے بلند مقام اور مرتبے پر فائز تھے۔[4]

حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلبؑ کے وصال کے بعد حضرت ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس لے آئے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت کرتے تھے، ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس سُلاتے اور جدھر جاتے اپنے ساتھ لے جاتے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کھانا بھی نہیں کھایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

---

[1] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، تلفیح الفھوم، ج ۱ ص ۱۴۹

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۱۶۷

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۴۲

[4] علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۱۲۱

اُن کو وہ اُلفت ومحبت تھی کہ ایسی اُلفت ومحبت اور اتنا عشق واُنس اور کسی سے نہیں تھا۔ [1]

حضرت ابوطالب کی زوجہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا عالم بھی ایسا ہی تھا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہمیشہ خصوصی طعام اور لباس کا اہتمام فرمایا کرتی تھیں اور اپنے بچّوں پر ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دیتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے لیے فرمایا، ''اے میری ماں! خدا آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے، بہت دفعہ آپ نے مجھے کھلانے کے لیے خود بھوک برداشت کی، آپ نے ایسی اچھی چیزیں مجھے کھلائیں اور ایسا اچھا پہنایا جن سے آپ نے خود کو (میری خاطر) محروم رکھا، خدا یقیناً آپ کے ان اعمال سے خوش ہے کیونکہ آپ کی نیت اللہ کی رضا حاصل کرنا اور آخرت میں کامیاب ہونا تھی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچا ابوطالب کے بعد میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اِن سے بڑھ کر اور کوئی نہیں تھا۔ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن سے والہانہ محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی کا نام بھی اُن ہی کے نام پر فاطمہ (علیہا السلام) رکھا۔

حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ سفرِ شام

(۴۰ قبل ہجرت/ ۵۸۲ء)

حضرت ابوطالبؑ بغرضِ تجارت شام کی طرف تشریف لے گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۱۲ سال تھی۔ جب قافلہ بصرہ پہنچا تو

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۴۲۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۶۷
علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۴ بحوالہ طبقات ابن سعد، ج ا ص ۷۵، ۷۶

[2] علی بن محمد اثیر الجزری (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ ج ۵ ص ۵۱۷

ایک دَیر اور صَومعہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) کے قریب پڑاؤ ڈالا جہاں قوم نصاریٰ کے علما اور بحیریٰ نامی راہب کا قیام تھا۔ بحیریٰ نے دیکھا کہ قافلے پر ایک بادل سایہ کیے ہُوئے تھا اور جب اہلِ قافلہ ایک درخت کے نیچے اُترے تو وہ بادل بھی وہیں ٹھہر گیا۔ لوگ درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جہاں تشریف فرما ہُوئے وہاں درخت کا سایہ نہیں تھا چنانچہ درخت کی شاخیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف جھک کر سایہ فگن ہو گئیں۔ یہ حیران کن منظر دیکھ کر وہ صَومعہ سے نیچے آیا اور قافلے والوں کو دعوتِ طعام دی۔

قافلے میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے بحیریٰ! کیا آج کوئی خاص وجہ ہے؟ ہم یہاں مدتوں قیام و کُوچ کرتے رہے مگر تُو نے پہلے کبھی دعوت نہیں دی؟ بحیریٰ نے کہا کہ آج تمھیں اس عزت و اکرام کا حقدار سمجھتے ہُوئے یہ خدمت سرانجام دینا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بڑے غور و انہماک کے ساتھ دیکھنے لگا۔ اُس کی نظریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجودِ مبارک میں وہ علامات تلاش کرتی رہیں جو اُس نے اپنی کتابوں میں پڑھی تھیں اور وہ دِل ہی دِل میں اُن کی موافقت و تطبیق کرتا رہا۔ جب سارے لوگ کھانا کھا کر چل دیے تو وہ اُٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب آیا اور عرض کیا کہ اے شہزادے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو قریش کے معبودات لات و عُزیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جو کچھ پوچھوں صاف صاف بتائیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لات و عُزیٰ کا واسطہ اور قسم نہ دو کہ میں اُن سے زیادہ کسی شے کو ناپسند اور مبغوض نہیں سمجھتا۔ راہب نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ اور اُس کے نامِ اقدس کی قسم کہ میں جو کچھ پوچھوں وہ ضرور بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ہاں! اب پوچھو جو پوچھنا چاہتے ہو۔'' پھر اُس نے جو کچھ بھی پوچھا مدینۃُ العلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے بتا دیا جو کہ کتبِ سابقہ کی پیش گوئیوں کے عین مطابق تھا۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں میں غور سے دیکھا پھر دونوں کاندھوں کے درمیان موجود علامتِ نبوّت کو ملاحظہ کیا تو وہ بھی اُسی طرح موجود پائی جس طرح

کہ یہود و نصاریٰ کی کتب میں مرقوم تھا۔ پس اُس نے خاتمِ نبوّت (مُہرِ نبوّت) کی جگہ بوسہ دیا اور حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ اپنے عزیز کو لے کر اپنے شہر لوٹ جایئے اور یہود سے اِن کی حفاظت کیجیے، اگر اُنھوں نے اِن کو دیکھ لیا اور جو کچھ میں نے جانا ہے وہ جان لیا تو ایذا رسانی کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ کے اِس بھتیجے کی شانِ عظیم ظاہر ہونے والی ہے۔ ہمیں یہ اُمور اپنی کتابوں سے اور آبا وَاجداد کی روایات سے معلوم ہُوئے ہیں۔ پس میں نے اپنا حقِ نصیحت و خلوص ادا کر دیا ہے۔

چنانچہ جناب ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لے کر واپس چلے گئے اور اس کے بعد کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ساتھ لے کر شام کی طرف نہیں گئے کہ مبادا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کوئی گزند اور تکلیف پہنچے۔[1]

سفرِ شام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زبانی

شیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین فرماتے ہیں کہ بیان کیا ہم سے احمد بن حسن قطان، علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شیبانی نے، اُن سے ابوالعباس احمد بن محمد بن یحییٰ زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل برمکی نے، اُن سے عبداللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے ہیثم نے، اُن سے محمد بن سائب نے، اُن سے ابوصالح نے، اُن سے ابن عباس نے اور اُن سے اُن کے والد عباس نے کہ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آٹھ سال کے تھے جب میں نے تجارت کے لیے شام جانے کا ارادہ کیا۔ اُس وقت ہوا بہت گرم تھی، میرے رشتہ داروں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو کس کے پاس چھوڑ کر جاؤ گے؟ میں نے کہا

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۱۶۸ تا ۱۷۰۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۳

کہ اپنے ساتھ لے جاؤں گا کیونکہ مجھے کسی کا اعتبار نہیں۔ وہ کہنے لگے کہ اِس گرم موسم میں بچّے کو سفر پر لے جانا مناسب نہیں۔ میں نے کہا کہ واللہ! میں اِس کو خود سے جُدا نہیں کر سکتا میں اِس کے لیے ایک محمل تیار کروں گا اور اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ غرض، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک اُونٹ پر سوار کیا اور چل پڑا۔ میں اُن کے اُونٹ کو ہر وقت اپنے سامنے رکھتا تا کہ وہ میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہوں۔ جب دُھوپ تیز ہوتی تو ایک سفید بادل آتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر پر سایہ فگن ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جہاں جہاں جاتے وہ بادل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ساتھ جاتا اور ایک ثانیے کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نہ ہٹتا اور اکثر اُس میں سے عمدہ قسم کے پھل گرتے۔ ایک روز دورانِ سفر میں پانی کی قلت ہو گئی، قافلے والے ایک مشک پانی دو دینار کے عوض خریدتے لیکن ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے وافر پانی موجود رہتا جو کبھی کم نہ ہوتا۔ ہم جس منزل پر ٹھہرتے تھے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے حوض بھر جاتے اور زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی۔ راستے میں کوئی اُونٹ تھک کر بیٹھ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنا دستِ مبارک اُس پر پھیر دیتے اور وہ اُٹھ کر چل پڑتا (گویا کہ اُس کی تھکن جاتی رہتی اور وہ تازہ دَم ہو جاتا)۔ جب ہم بصرہ کے نزدیک پہنچے تو ایک راہب کا صَومعہ نظر آیا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ صَومعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استقبال کے لیے گھوڑے کی طرح تیز چلتا ہُوا آیا اور ہمارے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اُس میں ایک نصرانی راہب تھا جو کسی سے گفتگو نہیں کیا کرتا تھا اور نہ ہی اُس طرف سے گزرنے والے تجارتی قافلوں میں سے کسی کا حال دریافت کرتا تھا۔ اُس نے صَومعہ کو حرکت میں دیکھا اور قافلے پر نگاہ پڑی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہچانا اور کہا کہ جو کچھ میں نے پڑھا اور سنا ہے اگر وہ سچ ہے تو ''وہ'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہرے تھے جو اُس صَومعہ کے نزدیک تھا، اُس کی شاخیں خشک ہو چکی تھیں اور اُس میں پھل نہیں لگتے تھے، قافلے ہمیشہ اُسی کے نیچے ٹھہرا کرتے تھے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس درخت کے نیچے رونق افروز ہُوئے تو وہ سرسبز وشاداب ہوگیا اور اُس میں بہت سی شاخیں نکل آئیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ فگن ہوگئیں۔ اُس میں تین قسم کے پھل لگ گئے، دو گرمیوں کے موسم کے اور ایک جاڑے کے موسم کا۔ قافلے والے یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہُوئے اور وہ راہب بھی، جس کا نام بحیریٰ تھا، حیران رہ گیا۔ وہ اپنے صَومعہ سے باہر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ کر بولا کہ یہ بچّہ کس کے ساتھ ہے؟ میں نے کہا کہ میں اِن کی خدمت میں رہتا ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ آپ کا اِن سے کیا رشتہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں اِن کا چچا ہوں۔ اُس نے کہا کہ اِن کے تو کوئی چچا ہیں آپ کون سے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میں اِن کے باپ کا حقیقی بھائی ہوں یعنی میں اور وہ ایک ماں سے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ بولا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لڑکا وہی ہے جس کو میں جانتا ہوں اور اگر یہ وہی نہ ہُوا تو پھر میں بحیریٰ نہیں۔ پھر وہ بولا کہ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اِن کی خدمت میں کھانا پیش کروں؟ میں نے کہا، ہاں! پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ضیافت کے لیے کھانا لایا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ کیا وہ صرف میرے لیے لایا ہے؟ میرے ساتھیوں کے لیے نہیں؟ میں نے محسوس کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو ناپسند فرمارہے تھے لہٰذا میں نے عرض کیا کہ اے میرے فرزند! وہ آدمی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاطرداری کرنا چاہتا ہے اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تناول فرمالیں۔ بحیریٰ نے کہا کہ یہ صرف آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ہے کیونکہ اِس سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں تو اپنے ساتھیوں کے بغیر نہیں کھاؤں گا کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں اُن سب کو اِس کھانے میں شریک کرلوں؟ اُس نے کہا ضرور! ضرور!

(یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت اپنے بچپن میں ہیں اور اس کم سِنی میں بھی اخلاقیات اور اُصول وضوابط کی پاسداری کا یہ عالم ہے کھانے میں دوسروں کو شامل کرنے سے

پہلے میزبان سے اجازت طلب فرما رہے ہیں۔ مؤلف) پس، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ بسم اللہ! کھاؤ۔ ہم ایک سو ستر آدمی تھے جنھوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہُوئے اور وہ پھر بھی اُتنے کا اُتنا ہی رہا۔ بحیریٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں کھڑا پنکھا جھل رہا تھا اور طعامِ قلیل سے افرادِ کثیر کے سیر ہونے پر حیرت زدہ تھا۔ وہ بار بار جھک کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا سرِ اقدس چومتا اور کہتا کہ مسیح کے خدا کی قسم! یہ ''وہی'' ہیں مگر لوگ انھیں نہیں سمجھتے۔ آخر قافلے میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے راہب! تیری باتیں عجیب ہیں، ہم اکثر تیرے صَومعہ کی طرف سے گزرتے ہیں مگر تُو نے ہماری طرف تو کبھی توجہ نہیں دی۔

بحیریٰ نے کہا کہ ہاں! لیکن اِس مرتبہ میرا حال عجیب ہے، میں وہ دیکھتا ہوں جو تمھیں نظر نہیں آتا اور چند ایسے اُمور جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یہ جو اِس درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں اگر تم اِن کو پہچان لیتے جس طرح میں پہچانتا ہوں تو یقیناً اپنی گردنوں پر سوار کر کے اِن کے وطن تک لے جاتے۔ خدا کی قسم! میں اِس مرتبہ تمھاری جو عزت کر رہا ہوں وہ صرف اِن کی بدولت ہے۔ جب یہ میرے صَومعہ کے قریب آئے تو میں نے اِن کے آگے ایک نُور دیکھا جو زمین سے آسمان تک پھیل رہا تھا اور کچھ مردوں کو دیکھا جو یاقوت و زبرجد کے پنکھے ہاتھوں میں لیے ہُوئے حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو جھل رہے تھے اور ایک دوسری جماعت طرح طرح کے میوے لیے ہُوئے اِن پر نثار کر رہی تھی اور اَبر اِن پر سایہ کیے ہُوئے ہے اور اِن سے جُدا نہیں ہوتا۔ میرا عبادت خانہ اِن کے استقبال کے لیے گھوڑے کی طرح دوڑ پڑا۔ یہ درخت مدتوں سے خشک تھا اور اِس میں شاخیں بھی بہت کم تھیں، یہ اِن کے اعجاز سے سرسبز و شاداب ہوگیا، اِس میں نئی شاخیں نکل آئیں اور تین طرح کے پھل پیدا ہُوئے، دو گرمیوں کے موسم کے اور ایک سردی کے موسم کا اور یہ تمام حوض اُس زمانے سے خشک پڑے تھے جب سے بنی اسرائیل کے حواریوں کے بعد اُن میں اختلاف و فساد پیدا ہُوا تھا۔ ہم نے کتابِ شمعون میں پڑھا ہے کہ شمعون نے اُن لوگوں

پر لعنت کی تھی اور فرمایا تھا کہ جب تم دیکھو کہ اِن حوضوں سے پانی نکل آیا ہے تو سمجھ لو کہ اُس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برکت سے ہے جس کا ظہور شہر تہامہ (مکّہ) میں ہوگا۔ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے اور اُن کی قوم میں اُن کا نام ''امین'' اور آسمان میں ''احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' ہوگا۔ وہ نسلِ اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام سے ہوں گے۔ خدا کی قسم یہ وہی ہیں۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہُوا اور کہا کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں موجود تین علامات کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں اور لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ جواب عنایت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لات وعزیٰ کا نام سُن کر غضبناک ہُوئے اور فرمایا کہ اُن کے واسطے سے کچھ مت کہو، خدا کی قسم! میں کسی کو اُن سے زیادہ دشمن نہیں رکھتا، یہ دونوں پتھر کے بُت ہیں۔ یہ سُن کر بحیریٰ نے کہا کہ یہ پہلی علامت ہے۔ پھر کہا کہ اچھا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ بتائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اب جو چاہو پوچھو کہ تم نے مجھے اُس خدا کی قسم دی ہے جو میرا اور تمھارا پروردگار ہے اور جس کا کوئی مثل نہیں ہے۔ بحیریٰ نے کہا کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خواب اور بیداری کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں، پھر اُس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اکثر حالات دریافت کیے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُسے سب سوالوں کے جواب دیے۔ اُس نے تمام جوابات واُمور اپنی کتابوں میں لکھے ہُوئے مضامین کے مطابق پائے تو وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدموں میں گر پڑا۔ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاؤں کو چومتا اور کہتا کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کس قدر خوشگوار ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشبو، تمام پیغمبروں کی پیروی سے بہتر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی ہے، دُنیا میں جو روشنی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سبب سے ہے۔ مساجد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام سے آباد ہوں گی اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لشکرکشی کر رہے ہیں، عربی گھوڑوں پر سوار ہیں، عرب وعجم جبراً وقہراً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مطیع وفرمانبردار ہیں اور اُن کے کتنے بہادروں اور سورماؤں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ لات وعزیٰ کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نے توڑ ڈالا ہے، خانہ کعبہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اور اُس کی کنجی جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔ جنّت و دوزخ کی چابیاں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس ہیں اور عظیم فائدہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی ہیں جو بتوں کو توڑیں گے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تمام بادشاہ ذِلت وخواری کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دِین میں داخل نہ ہو جائیں۔ بحیریٰ نے دوبارہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دست و پائے مبارکہ کو بوسہ دیا اور کہا کہ اگر میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے زمانۂ نبوّت تک زندہ رہا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سامنے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دشمنوں سے مقابلہ وشمشیر زنی (جہاد) کروں گا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی بہترین انسانوں اور پرہیز گاروں کے پیشوا اور خاتمُ المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں۔ خدا کی قسم! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے یومِ ولادت پر زمین خنداں ہوئی اور تا قیامت خنداں رہے گی۔ خدا کی قسم! گرجے، بُت خانے اور شیاطین آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ظہور کی وجہ سے گریاں کناں ہیں اور وہ تا قیامت گریہ کرتے رہیں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بشارت ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جاہلیت کی نجاستوں سے ہمیشہ پاک اور طاہر رہے ہیں۔ پھر بحیریٰ نے میری طرف رُخ کیا اور کہا کہ آپ اِن کو اپنے شہر واپس لے جائیں کیونکہ رُوئے زمین پر کوئی ایسا یہودی، عیسائی اور صاحبِ کتاب نہیں جو یہ نہ جانتا ہو کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت ہو چکی ہے اور ہر کوئی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی علامتوں کے ساتھ دیکھتا اور پہچانتا ہے جس طرح میں پہچانتا ہوں۔ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو نقصان پہنچانے کے لیے مکر وحیلہ کریں گے اور یہودی تو اِس میں پیش پیش رہیں گے۔ میں نے پوچھا کہ اُن کی عداوت کا سبب کیا ہے؟ بحیریٰ نے جواب دیا کہ تمھارے بھائی کا بیٹا پیغمبر ہوگا اور جبرائیل (علیہ السلام) اِن پر نازل ہوں گے جس طرح موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) پر نازل ہُوئے تھے۔ میں نے کہا کہ اللہ اِن کو تنہا نہیں چھوڑے گا کہ کوئی انھیں ضرر پہنچا سکے۔ پھر ہم شام کے لیے عازم سفر ہُوئے۔ ہم شام کے نزدیک پہنچے تو واللہ! وہاں کے قصر حرکت میں

آ گئے اور آفتاب کے نُور سے زیادہ روشن ایک نُور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ساطع ہُوا۔ وہاں اُن لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے بازار میں داخل ہونا ممکن نہ رہا جو ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کے لیے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حُسن و جمال اور فضل و کمال کا شہرہ تمام اطرافِ شام میں پہنچا اور جہاں جہاں راہب اور عالم تھے سبھی آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ علمائے اہلِ کتاب کا سب سے بڑا عالم تین روز تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا لیکن کوئی گفتگو نہیں کی۔ تیسری شب وہ حاضر ہُوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے پیچھے یوں پھرنے لگا جیسے کوئی التماس کرنا چاہتا ہو۔ میں نے پوچھا کہ اے راہب تُو کیا چاہتا ہے؟ اُس نے کہا کہ ان کا نام کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ابن عبداللہ ہے۔ خدا کی قسم! یہ سنتے ہی اُس کا رنگ متغیر ہو گیا اور اُس نے کہا کہ آپ اِن سے گزارش کریں کہ اپنے شانے کھولیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے شانے پر سے کپڑا ہٹایا تو اُس کی نگاہ مُہرِ نبوّت پر پڑی، وہ بے تاب ہو کر مُہرِ نبوّت کو چومنے لگا اور مجھ سے کہا کہ بہت جلد اِس بچّے کو واپس اِس کی جائے پیدائش پر لے جائیں، اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ اس سرزمین پر اِن کے کتنے دشمن ہیں تو آپ انھیں ہرگز اپنے ہمراہ نہ لاتے۔ پھر وہ روزانہ آتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے لذیذ کھانے لاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کرتا اور مراسمِ خدمت بجا لاتا۔

جب ہم لوگ وہاں سے واپس چلے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ایک پیراہن لایا اور عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اِس کو پہن لیجیے شاید اِس کے سبب سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجھے یاد فرما لیا کریں۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک سے ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے، تب میں نے وہ پیراہن لے کر رکھ لیا اور کہا کہ میں اِن کو پہنا دوں گا اور نہایت عجلت کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لے کر مکّہ واپس آ گیا۔ خدا کی قسم! اُس روز جو کوئی بھی مکّہ میں تھا، عورتیں یا مرد، جوان یا بوڑھے اور چھوٹے یا بڑے، سب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا استقبال کیا سوائے

ابوجہل کے کیونکہ وہ نہایت لا اُبالی، نفس کا غلام اور مدہوش شخص تھا۔ [1]

اِن ہی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن محمد سے بھی مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد اور عبدالرحمٰن بن محمد نے بیان کیا، اُن سے محمد بن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے، اُن سے اُن کے والد نے اور اُن سے اُن کے جَد نے بیان کیا کہ حضرت ابو طالب فرماتے ہیں کہ جب بحیریٰ نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کیا تو وہ بہت رویا اور کہا کہ اے فرزندِ آمنہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام عرب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ دشمنی اور جدال کرے گا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عزیز و اقارب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قطع تعلّق کر لیں گے۔ اگر وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قدر و منزلت جانتے تو اپنے بیٹوں سے زیادہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عزیز رکھتے۔ پھر مجھ سے کہا کہ اے عمِ محترم! اِن کی قرابت کا لحاظ کیجیے گا اور اپنے والد کی وصیّت کا خیال رکھیے گا، بہت جلد قریش آپ سے کنارہ کش ہو جائیں گے مگر آپ فکر نہ کیجئے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے ایمان کا (برملا) اعلان نہیں کریں گے مگر باطن میں اِن کی نبوّت پر ایمان رکھیں گے۔ آپ کا ایک بیٹا ہوگا جو ایمان کا اظہار و اعلان بھی کرے گا اور اِن کا مددگار بھی ہوگا۔ آسمانوں میں اُس کا نام ''شیرِ شجاع'' اور زمین میں ''شجاع الانزاع'' ہوگا۔ اُس کے دو فرزند دلبند ہوں گے اور وہ سیّدِ عرب اور اُمت کا ذوالقرنین ہوگا اور خدا کی کتابوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب سے زیادہ معروف ہوگا۔ حضرت ابو طالب کہتے ہیں کہ خدا کی قسم بحیریٰ کی بیان کردہ تمام صفات میں سے اکثر میں نے ملاحظہ کیں۔ [2]

---

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۱۳

[2] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۱۷

عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور ہبل ولات وعزیٰ وغیرہ

شروع میں عرب کے لوگ دِین ابراہیمی کی وجہ سے توحید پرست تھے لیکن بیرونی دُنیا کی بُت پرست ومشرک اقوام کے ساتھ میل جول کی وجہ سے اُن میں بُت پرستی کا رُجحان پیدا ہوگیا۔ اس کی ابتدا قریشِ مکّہ کے ایک سردار عمرو بن لحی نے کی۔ ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ وہ شام جا رہا تھا اور راستے میں اُس نے کچھ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے ہُوئے دیکھا۔ بُت پرستوں نے اُسے بتایا کہ بُت ہمارے حامی و مددگار ہوتے ہیں اور ہماری حاجات پوری کرتے ہیں۔ عمرو اُن کی باتوں سے بہت متاثر ہُوا اور ایک بُت لاکر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔ اُس بُت کا نام ''ہبل'' تھا، وہ اُس کی پوجا کرنے لگا۔ دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی اُس کی پرستش شروع کردی۔ کچھ عرصہ بعد مزید بُت لاکر وہاں رکھ دیے گئے اور لوگ باقاعدہ اُن کی عبادت کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ ''ہبل'' زُحل ستارے (سیارے) کا ایک خیالی مجسمہ تھا۔ ایک بُت طائف میں رکھا گیا جس کا نام ''لات'' تھا۔ ''عزیٰ'' ایک دیوی تھی جس کا مندر مکّہ سے چند میل دُور ''نخلہ'' میں تھا۔ دومتہ الجندل میں ''سواع'' کا بُت تھا اور قبیلہ ہذیل اُس کی پوجا کیا کرتا تھا۔ جدّہ کے ساحل پر ''سعد'' کا مجسمہ نصب تھا اور اُس کی پرستش بنوملکان بن خزیمہ بن مضر کیا کرتے تھے۔ مکّہ میں صفا و مروہ پر ''اساف'' اور ''نائلہ'' کے اصنام تھے، اُس دَور میں بُت پرستی کے لیے آنے والے لوگ اُن کو چوما کرتے تھے۔ بنوثقیف کا بُت طائف میں تھا جب کہ جبار، مناف، اوال اور محرق کے مجسمے عکاظ میں تھے اور ہوازن، قریش، بکر اور تغلب کے قبائل اُن کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مدینہ منوّرہ کے قبائل اوس، خزرج اور غسان ''منات'' کی اور قبیلہ کلب جو دومتہ الجندل میں رہتا تھا، ''ودّ'' نامی بُت کی پرستش کرتے تھے۔ فتح مکّہ کے وقت جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو اُس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت تھے۔[۱]

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ص ۲۰۴

شرک و بُت پرستی اور فِسق و فجور سے
سرورِ انبیا صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی نفرت

سرورِ انبیا صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو شرک و بُت پرستی، مشرکانہ رسوم و قیود اور فسق و فجور سے طبعاً شدید نفرت تھی۔ آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم بچپن ہی سے بتوں سے متنفر اور بیزار تھے اور اگر لوگ اُن کی طرف جانے کی دعوت دیتے تو آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم اِس قسم کی عرضداشتوں کو قطعاً قبول نہ فرماتے اور ہرگز بتوں کے قریب نہ جاتے بلکہ اُن کی قباحت اور عیوب و نقائص بیان فرماتے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسولِ اکرم صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم اپنی قوم (قریش) کے دِین و مذہب پر تھے تو اُس نے بہت بُری بات کہی۔ کیا یہ اَمر روزِ روشن کی طرح عیاں نہیں کہ آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم بتوں کے لیے اور انصاب پر ذبح کیے ہُوئے جانورں کا گوشت بالکل نہیں کھاتے تھے؟ آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی فطرتِ سلیمہ اور خلوصِ نیّت و محویت اور تقدیمِ رسالت و نبوّت، ارواحِ انبیا علیہم السلام کے لیے رُوحِ نبوی کا مربی ہونا، ملائکہ کو درسِ تسبیح و تقدیس دینا، اپنے آباؤ اجداد کے اصلاب میں ذِکرِ خداوندی اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنا اور وقتِ ولادت سربسجود ہونا وغیرہ ایسے اُمور ہیں جو آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے ایمان باللہ پر شاہد و عادِل ہیں اور ناقابلِ انکار و تردید ہیں اور آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے آباؤ اجداد جو زمانۂ شرک میں دارفانی سے رِحلت کر گئے وہ بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور اُسی کے لیے حج بھی کرتے تھے حال آنکہ وہ جاہلیت اور شرک و کفر کا دَور تھا، تو جب وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان سے بے خبر نہیں تھے تو سیّد المرسلین صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کیوں کر بے خبر ہو سکتے تھے؟[1] آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو ہبل و عزیٰ اور لات و منات وغیرہ کا نام لینا بھی گوارا نہیں تھا۔ آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم اپنے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی طرح خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے اور آپ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی آرزو تھی کہ لوگوں کو شرک و بُت پرستی سے نجات دِلا کر خدائے واحد کی عبادت کی طرف مائل کیا جائے۔

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم) ص ۱۷۷

حربِ فُجار

(۳۷ قبل ہجرت/۵۸۶ء)

فجار کے نام سے دو جنگیں مشہور ہیں، ایک کو فجارِ اوّل اور دوسری کو فجارِ ثانی کہتے ہیں۔

فجارِ اوّل کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر دس سال تھی، اس لڑائی میں تین مرتبہ حرب وقتال تک نوبت پہنچی۔ پہلی مرتبہ بدر بن معشر غفاری نامی ایک مغرور شخص کے چیلنج پر بنی نصر کے ایک آدمی احمد بن مازن نے اُس کی ٹانگ کو تلوار کے وار سے کاٹ دیا تھا اور دونوں کے قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ دوسری مرتبہ بنی کنانہ قریش کے چند شرارتی نوجوانوں نے بنی عامر کی ایک عورت کا کُرتہ پھاڑ ڈالا۔ اُس عورت کی پکار پر بنی عامر کے لوگوں نے جمع ہو کر بنی کنانہ کے ساتھ جنگ کی۔ اُس لڑائی میں دونوں طرف سے کئی آدمی مارے گئے۔ تیسری مرتبہ بنی جشم بن عامر کے ایک شخص کا بنی کنانہ کے ایک آدمی سے قرض کے لین دین پر جھگڑا ہُوا اور یہ تنازعہ رفتہ رفتہ دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ وجدل میں تبدیل ہو گیا۔ اس پر سبھی کا اتفاق ہے کہ جنگِ فجار اوّل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم موجود نہیں تھے۔

فجارِ ثانی، قبیلہ ہوازن اور بنی کنانہ کے درمیان ہوئی۔ اِس کو فجار اِس لیے کہا گیا کہ یہ جنگ حَرم کے اندر ہوئی اور ہتک حَرم کا اِرتکاب ہُوا۔ بقولے اِس جنگ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی موجود تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر اُٹھا اُٹھا کر دیتے تھے (ہمیں اِس قول سے اتفاق نہیں۔مؤلف) اور اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک ایک روایت کے مطابق چودہ سال تھی اور دوسرے قول کے مطابق بیس سال تھی۔

دوسری روایت کے مطابق تجارت پیشہ قریش کے لیے حُجاج وزائرین کی آمد ایک منافع بخش ذریعہ آمدن تھی اِس لیے اُنھوں نے مختلف مقامات پر تجارتی میلوں کا اہتمام کر رکھا

تھا۔ اُن میلوں میں جو لوگ سامانِ تجارت لاتے اُن سے عُشر یعنی دسواں حصّہ بطور محصول درآمد وصول کیا جاتا تھا۔ اُن تجارتی میلوں کے فروغ کے لیے اُنھوں نے حرام مہینوں کا نظام رائج کر رکھا تھا یعنی اُن مہینوں میں راہزنی، ڈکیتی، لُوٹ مار، انتقام جوئی اور قتل و غارت گری وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ وہ مہینے محرم، رَجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تھے۔ اُن میں سے کسی بھی مہینے کی حُرمت شکنی ہو جاتی تو اِسے فُجار یعنی ناجائز فعل سمجھا جاتا تھا۔ یہ جنگ بھی کیونکہ ان ہی حرام مہینوں میں لڑی گئی اِس لیے اِسے فجار کہا جاتا ہے۔ ۳۷ قبل ہجرت/ ۵۸۶ء کا زمانہ تھا، فجار کی لڑائی میں ایک طرف قبیلہ قریش اور بنو کنانہ تھے اور دُسری طرف بنو قیس عَیلان اور بنو ہوازن تھے۔ قریش اور کنانہ کا کمانڈر حرب بن اُمیہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس وقت سولہ برس کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابو طالب علیہ السلام نے اِس جنگ میں حصّہ لیا اور وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے چچاؤں کو تیر اُٹھا اُٹھا کر دیتے تھے۔[۱] (ہمارے نزدیک یہ روایت ضعیف اور غلط ہے۔ مؤلف)

حربِ فُجار میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابو طالب شریک نہیں تھے

ہمارے نزدیک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اِس لڑائی میں حصّہ لینے کی روایت ضعیف اور غلط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھوں حرام مہینوں کی یا حرم کی بے حُرمتی اور کسی بھی ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب ناممکن ہے اور ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔ حضرت ابو طالب بھی نہایت متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ آپ اُس وقت بنی ہاشم کے امیر تھے اور آپ کو اپنے قبیلے میں ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ آپ ہی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کفالت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جو اِس بات کی دلیل ہے کہ آپ دوسروں سے زیادہ معزز اور اِس اعزاز کے صحیح اہل تھے، تو ایسا عظیم انسان کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کر سکتا جس سے حَرَم کی بے حُرمتی

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۱۷۲، ۱۷۳

ہو یا جو اُس کے مذہب وملّت میں ناجائز اور ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہو۔ ابن واضح المعروف یعقوبی کہتے ہیں، ''حضرت ابوطالب نے تمام بنی ہاشم کو جنگِ فجار میں شامل ہونے سے منع کیا اور کہا کہ یہ ظلم وتعدّی، قطع رحمی اور حرام مہینوں کو حلال قرار دینے کے مترادف ہے لہٰذا میں اور میرے خاندان میں سے کوئی بھی اِس میں شریک نہیں ہوگا۔''[۱]

حِلفُ الفضول

(۳۷ قبل ہجرت/ ۵۸۶ء)

قبیلہ زبید کا ایک شخص تجارت کی غرض سے مکّہ میں اپنا مال لے کر آیا۔ وہ مال اُس سے عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن معاوضہ ادا نہیں کیا۔ اُس شخص نے بنی عبدالدار، بنی مخزوم، بنی جمع، بنی سہم اور بنی عدی بن کعب وغیرہ سے مدد مانگی مگر اُنھوں نے مدد سے انکار کرتے ہُوئے اُسے بھگا دیا تو زبیدی کوہِ ابوقبیس پر چڑھ کر فریاد کرنے لگا۔ اُس کی فریاد سُن کر زبیر بن عبدالمطلب بہت متاثر ہُوئے اور چند افراد کو اکٹھا کر کے اُس کی مدد پر آمادہ کیا۔ اُن افراد کے درمیان ایک معاہدہ ہُوا جسے حلفُ الفضول کہتے ہیں۔ بقولے اس حلف میں شامل اکثر افراد کا نام ''فضل'' سے مشتق تھا اس لیے اسے حلفُ الفضول کا نام دیا گیا۔[۲]

اِس معاہدے کی تفصیل یوں ہے کہ عبداللہ بن جُدعان تَیمی کے گھر ایک مجلس ہوئی جس میں شریک بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد بن عبدالعزیٰ زہرۃ اور تیم کے افراد نے آبِ زم زم میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا کہ مکّہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا خواہ وہ مکّہ کا رہنے والا ہو یا باہر کا، یہ سب اُس کی مدد اور حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اُس کا حق دِلوا کر رہیں گے۔ معاہدے کے بعد اِن

---

[۱] احمد ابن ابو یعقوب ابن جعفر ابن وہب ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۸۴ ہجری)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۳۲

[۲] علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۱۳۰

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص ۱۹۵

لوگوں نے عاص کا محاسبہ کیا اور اُس سے زبیدی کا مال لے کر اُسے لوٹایا۔ یہ واقعہ بعثت سے پہلے کا ہے، اِس عہد و پیمان میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک ہُوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس کی تائید اور تعریف کرتے ہُوئے فرمایا تھا کہ مجھے پسند نہیں کہ حلف ُالفضول میں شرکت کا معاوضہ (کسی بھی چیز کی صورت میں) چاہے سرخ بالوں والے اُونٹ ہی ہوں، قبول کروں۔[۱]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیڑ بکریاں چرانا

متعدد روایات میں ملِتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں بھیڑ بکریاں بھی چَرائیں۔ اِس ضمن میں مختلف وجوہات بیان کی جاتی ہیں، مثلاً:

ا) انبیا علیہم السلام نے ایسا کِیا کیونکہ بھیڑ بکریوں جیسے سرکش جانوروں کی گلہ بانی سے نہ صرف سرکش اور غیر مُنظم قوتوں کو مُنظم کرنے کا تجربہ اور سلیقہ حاصل ہوتا ہے بلکہ مزاج میں تحمل و بردباری بھی پیدا ہوتی ہے جو کہ انبیائے کرام کے فرائضِ نبوّت کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

یہ توجیہہ ہمیں مناسب معلوم نہیں ہوتی کیونکہ:

الف) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کا شہر ہیں اس لیے کارِ رسالت انجام دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی ایسے علم یا عملی تربیت کی ضرورت قطعاً نہیں تھی۔ جس علیم و خبیر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت کے منصب جلیلہ پر فائز فرمایا اُسی نے اِس منصب کے لیے ضروری علم اور تربیت عطا فرما کر دُنیا میں بھیجا۔

ب) بھیڑ بکریوں کو سرکش تو نہیں البتہ غیر منظم کہا جا سکتا ہے اور ان کو سدھارنا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ

---

[۱] ابوالفدا اعمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ)، ج ۲ ص ۱۸۲

عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ص ۱۷۳۔ علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۱۳۰

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۸۹

انسان کو۔ انسان عقل وخِرد، دِل و دماغ، ارادہ واختیار، پسند ونا پسند، نظریات وعقائد اور جذبات وتعصّبات رکھتا ہے لیکن حیوان اِن سے تقریباً عاری ہوتا ہے۔

۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم میں کسبِ حلال کا رُجحان پیدا کرنے کے لیے اُجرت پر بھیڑ بکریاں چَرائیں۔

یہ وجہ بھی ہمارے نزدیک غلط ہے کیونکہ اجیر ہمیشہ آجر کا ماتحت اور اُس کے حکم کی تعمیل کرنے کا پابند ہوتا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے اللہ کے کسی اور کا پابند و ماتحت نہیں بنایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کے ملازم، مزدور یا اجیر نہیں رہے جیسا کہ مشہور و معروف مؤرّخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کے مزدور نہیں رہے۔ [۱]

۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں کی یعنی اپنی ہی بکریاں چَراتے تھے۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ بھیڑ بکریوں کا شمار حلال پالتو جانوروں میں ہوتا ہے اور اُس دَور میں دُودھ، گھی اور گوشت وغیرہ کی ضروریات زیادہ تر اُنھیں سے پوری کی جاتی تھیں لہٰذا یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں نے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی ضرورت کے تحت بکریاں پال رکھی ہوں جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی چَراتے بھی ہوں۔

روایت ہے کہ اُس زمانے میں اہلِ مکّہ میں تجارت اور بھیڑ بکریاں پالنا شرفا کے پیشے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کی اور بکریاں بھی چَرائیں۔ [۲]

اکثر روایات میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا کام خود اپنے دستِ مبارک سے کرنا پسند فرمایا کرتے تھے، اِس کام کا تعلّق بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ ایسا کیا ہو۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نعلین پاک (جوتے) خود مرمت کرلیا کرتے تھے، اپنے کپڑے خود سی لیتے تھے، اپنی بکری کا دُودھ خود دوھ لیتے تھے

---

[۱] احمد ابن ابو یعقوب ابن جعفر ابن وہب ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۸۴ ہجری)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۳۸

[۲] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد۔ صحیح بخاری۔ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ ھ)، زاد المعاد

اوراپنے گھر میں اُسی طرح کام کرتے تھے جس طرح تم اپنے گھروں میں کرتے ہو۔ [1]

مزید یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''رحمۃً لِّلعَالمین'' ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانورں پر لطف وکرم فرمانے سے متعلق متعدد روایات موجود ہیں، ہوسکتا ہے اِس لطف وکرم کی ایک مثال یہ بھی رہی ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی پرورش کا اہتمام فرمایا ہو۔

۴) غور وفکر اور عبادت کے لیے۔

یہ نکتہ بھی وزن رکھتا ہے کیونکہ جانورں کو اکثر آبادی سے دُور چراگاہوں میں چَرایا جاتا ہے۔ آبادی کے ہنگاموں اور شور شرابوں سے دُور تنہائی میں غور وفکر اور عبادت وریاضت کا خوب موقع ملتا ہے اس لیے ممکن ہے گلہ بانی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِسی لیے پسند فرمایا ہو جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبادت وریاضت کے لیے آبادی سے دُور غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

مکّہ مکرمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش

مؤرّخ ابن خلدون کا بیان ہے کہ ابھی خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو نہیں ہوئی تھی کہ ایک مرتد عثمان بن حریث نے قسطنطنیہ کے دربارِ قیصری میں جاکر مسیحی مذہب اختیار کرلیا۔ وہ قیصرِ روم سے مال وزر لے کر واپس حجاز آیا اور مکّہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش تیار کی۔ وہ اپنی خفیہ کارائیوں میں مصروف تھا کہ خداوندمتعال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُس کے ارادوں کی خبر کردی، جس کی وجہ سے وہ ناکام ہوگیا۔ اہلِ فرنگ اس اَمر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مولد ومسکن کو قسطنطنیہ کے قیصروں کے دستِ اِستبداد سے بچا کر مسلمانوں پر عظیم احسان کیا ہے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابدی شکر گزاری کے مستحق ہیں۔ [2]

---

[1] ترمذی

[2] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۰ بحوالہ تنقید الکلام، ص ۳۳ اور تاریخ کاسن ڈی پرسون۔ ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام سیرت و کردار، عزت و احترام اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے قریش کی بہترین خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ آپ بے حد مالدار، پاکباز اور خوبصورت تھیں، دورِ جاہلیت میں آپ کو طاہرہ کا لقب دیا گیا تھا اور سیدۃُ القریش کہا جاتا تھا۔ آپ ایمان لانے والی پہلی خاتون تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چار خواتین کو بہترین زنانِ بہشت قرار دیا آپ اُن میں سے ایک ہیں۔ بسندِ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ خدا کی جانب سے اور میری طرف سے خدیجہ کو سلام کہیے گا۔ [1] متعدد روایات میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتے تو حضرت خدیجہ (علیہا السلام) کو سلام بھجواتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم چاہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے خوش ہوں تو ہم خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نیکی کے ساتھ (یعنی بہترین الفاظ میں) کیا کرتیں۔ [2]

روایت ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کارِ رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابل وزیر اور مددگار تھیں۔ جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا تو وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مونس و غمخوار تھیں اور جب اہل مکّہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آزار و تکالیف پہنچا رہے تھے تو وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اور تسلی و تشفی کرتی تھیں اور اپنے حُسنِ اخلاق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلاسہ و تسکین دیتی تھیں۔ [3]

مروی ہے کہ آپ غربا و مساکین کی مالی اعانت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاونت کیا کرتیں اور اپنا مال خرچ کرتیں۔ [4]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

[2] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

[3] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

[4] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

قطب راوندی اور ابن شہر آشوب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن زنانِ قریش مسجد الحرام میں جمع تھیں کہ ایک یہودی عالم اُن کے سامنے سے گزرا اور کہا کہ بہت جلد ایک پیغمبر تم میں مبعوث ہوگا لہٰذا تم اُس سے نکاح کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ سُن کر دوسری عورتوں نے تو اُس کو ڈھیلے مارے مگر اُس کی بات حضرت خدیجہ (علیہا السلام) کے دِل میں اُتر گئی۔ [۱]

روایت ہے کہ ایک روز حضرت خدیجہ علیہا السلام اپنے بالا خانے پر چند عورتوں اور کنیزوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں، یہودیوں کا ایک عالم بھی وہاں موجود تھا، ناگاہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے۔ اُس عالم نے کہا کہ ابھی ایک جوان یہاں سے گزرا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ تم اُسے یہاں بلاؤ؟ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے اپنی ایک کنیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے روانہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو یہودی عالم کی نگاہ مُہرِ نبوّت پر پڑی اور وہ بولا کہ میں بحقِ کلیم قسم کھاتا ہوں کہ یہی پیغمبرِ آخرُالزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت خدیجہ علیہا السلام نے اُس یہودی عالم سے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ یہ پیغمبر ہیں؟ اُس نے کہا کہ اِن کے اوصاف میں نے توریت میں پڑھے ہیں (جس کے مطابق) اِن کے والدین اِن کے بچپن میں وفات پا جائیں گے اور اِن کے دادا اور چچا اِن کی پرورش کریں گے اور یہ قریش کی ایک ایسی عورت سے نکاح کریں گے جو اپنی قوم میں سب سے بُلند مرتبہ، اپنے خاندان کی ملکہ اور صاحبِ تدبیر ہوگی۔ پھر اُس نے اپنے ہاتھ سے حضرت خدیجہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، اے خدیجہ! میری بات یاد رکھنا اور کوشش کرنا کہ اِن سے تمھارا رِشتۂ ازدواج قائم ہو جائے کیونکہ اِن کا ساتھ دُنیا اور آخرت میں سعادت ہے پھر اُس نے چند اشعار پڑھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کے عقد سے متعلق تھے۔ [۲]

حضرت خدیجہ علیہا السلام کے ایک چچازاد بھائی جن کا نام ورقہ بن نوفل تھا اپنے دِین کے بہت بڑے عالم اور آسمانی کتابوں کے قاری تھے۔ اُنھوں نے اُن کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

[۲] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۷۵

کی صفات میں یہ بھی پڑھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریش کی اُس عورت سے نکاح کریں گے جو اپنی قوم میں بزرگ و بُلند مرتبہ ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اپنی دولت خرچ کرے گی اور تمام اُمور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاون و مددگار ہوگی۔ ورقہ بن نوفل کو معلوم تھا کہ وہ دولت منداور بلند کردار عورت حضرت خدیجہ علیہا السلام ہی ہوسکتی ہیں جن کے ہر شہر و آبادی میں غلام اور مویشی تھے۔ بعض مؤرّخین نے لکھا ہے کہ اُن کے اَسّی ہزار اُونٹ تھے جو متفرق مقامات پر تھے اور ہر ملک و شہر مثلاً مصر، شام اور حبشہ وغیرہ میں اُن کے ملازم و منیب تجارت کیا کرتے تھے۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ علیہا السلام سے اکثر کہا کرتے تھے کہ تم ایسے شخص کی زوجہ بننے والی ہو جو تمام اہلِ زمین و آسماں میں افضل و بہتر ہوگا۔ [1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت حضرت خدیجہ علیہا السلام کے دِل میں مستحکم ہوگئی تھی مگر آپ اسے ہمیشہ پوشیدہ رکھتی تھیں۔

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کے ساتھ تجارتی شراکت

روایت ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ قومِ قریش کا ایک قافلہ بغرضِ تجارت شام کو جانے والا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد قریش کے بہت سے آدمی تجارت کے لیے بھیجتی رہتی ہیں اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اُن کا مال لے جانے پر آمادگی ظاہر کریں اور اُن سے اِس سلسلے میں بات کریں تو وہ اِس پر فوراً تیار ہوجائیں گی۔ دوسری طرف حضرت خدیجہ علیہا السلام کو کسی طرح حضرت ابوطالب علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گفتگو کا علم ہوگیا چنانچہ اُنھوں نے خود ہی پیش کش کردی اور کہا کہ میں آپ کو دوسروں کی نسبت دوگنا مال پیش کروں گی تو حضرت ابوطالب بولے، ''یہ رزق اور مال تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی آپ کے حصّے میں آیا ہے۔'' [2]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۷۷

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّدالانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۱۸۳۔ علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۱۴۹

(حضرت ابو طالب علیہ السلام کے یہ الفاظ اُن لوگوں کے لیے قابلِ غور ہیں جنھیں آپ کے ایمان پر کوئی شک ہے۔)

ابن واضح یعقوبی، تاریخ یعقوبی میں لکھتے ہیں، "لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجیر کیا، نہیں! ایسا ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کے اجیر نہیں ہُوئے۔"[1]

بنا بر ایں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ شام حضرت خدیجہ کے کارندے کے طور پر نہیں بلکہ نفع و نقصان میں شراکت کے عنوان سے تھا۔ پس، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کے غلام میسرہ کے ساتھ سفرِ شام کے لیے نکلے۔ بقولے، شام کی طرف یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دُوسرا سفر تھا اور اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی۔[2] پہلا سفر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچپن میں اپنے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قافلہ جب بصرہ پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ نسطورا نامی راہب نے یہ دیکھا تو کہا کہ اِس درخت کے نیچے آج تک سوائے نبی کے اور کوئی نہیں ٹھہرا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کی زیارت کر کے میسرہ سے پوچھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھوں میں جو باریک سرخ دھاریاں ہیں وہ وقتی ہیں یا ہمیشہ یونہی رہتی ہیں؟ اُس نے کہا کہ ہمیشہ یونہی رہتی ہیں۔ نسطورا بولا کہ یہ آخر الزمان نبی اور خاتمُ الانبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام میں مالِ تجارت فروخت کیا۔ ایک شخص نے کسی معاملے میں خصومت (عداوت) کرتے ہُوئے کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم کھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اُن کی قسم کھائی ہے نہ کبھی اُن کی طرف التفات کیا ہے۔ اُس نے میسرہ سے

---

[1] احمد ابن ابویعقوب ابن جعفر ابن وہب ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۸۴ ہجری)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۳۸

[2] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ باب ۴، ۵

علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشف الغُمّۃ

کہا کہ بخدا یہ نبی ہیں اور ہمارے علما اِن کی صفات وعلامات کو اپنی کتب میں لکھا ہُوا پاتے ہیں۔

میسرہ دیکھتا کہ دوپہر کے وقت جب گرمی عروج پر ہوتی تھی تو دو فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سایہ فگن ہوتے تھے۔ اُس نے یہ سارے عجائب وخوارِق یاد رکھے اور واپسی پر حضرت خدیجہ علیہا السلام سے بیان کیے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سامانِ تجارت فروخت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے منافع پہلے کی نسبت دوگُنا ہُوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی واپسی دوپہر کے وقت ہوئی۔ اُس وقت حضرت خدیجہ علیہا السلام اپنے بالا خانے پر تشریف فرما تھیں۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اِس حال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ناقے پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سایہ کیے ہُوئے ہیں۔ اُنھوں نے یہ منظر گھر میں موجود دوسری عورتوں کو بھی دکھلایا تو سب حیران رہ گئیں۔ حبیبِ پاك صَاحبِ لولاك عَلَیْہ اَفضَل الصَّلوٰۃ والتَّسلیمات اُن کے پاس پہنچے اور سفر میں حاصل ہونے والے نفع کی تفصیلات بیان فرمائیں تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ میسرہ نے سفر کے تمام واقعات ومعجزات اور نسطورا راہب کا بیان گوش گذار کیا۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام بڑی زیرک ودانا خاتون تھیں، دِل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ عقدِ تزویج کا پختہ ارادہ کرلیا اور اِس ارادہ کی تکمیل کو سعادتِ دارین سمجھ لیا۔

اُس وقت بہت سے لوگ حضرت خدیجہ کے ساتھ مناکحت کے آرزومند تھے اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کیونکہ آپ اوصافِ حمیدہ کی حامل اور اعلیٰ حسب ونسب کی مالک تھیں اور دولتمندی میں بھی سب پر فائق تھیں مگر آپ نے کسی کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی۔ قریش کے جن سرداروں نے آپ کو شادی کے پیغام بھجوائے اُن میں صلت بن ابی یہاب، ابوجہل، ابوسفیان اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ بھی شامل تھے۔[۱]

❁

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج۱۶ ص۲۲

علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص۱۵۱

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بزرگ راہب سے خالد بن اسید اور طلیق بن سفیان بن اُمیّہ کی گفتگو

احمد بن حسن قطان اور علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شیبانی نے بیان کیا، اُن سے ابوالعباس احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل نے، اُن سے عبداللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے ہیثم بن عمرو المزنی نے، اُن سے اُن کے چچا نے اور اُن سے یعلی انسابہ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس سال تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے خالد بن اسید بن ابی العیص اور طلیق بن ابی سفیان بن اُمیّہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قافلے میں شامل تھے۔ اُنھوں نے واپس آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعجب انگیز حالات مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی رفتار اور جانورں اور پرندوں کی اطاعت گذاری وغیرہ سے متعلق واقعات بیان کیے اور کہا کہ جب ہم بصرہ کے بازار میں پہنچے تو راہبوں کے ایک گروہ کو دیکھا جن کے چہرے زرد تھے، یوں لگتا تھا جیسے اُن کے رخساروں پر زعفران ملا ہُوا ہو اور اُن کے اعضا کانپ رہے تھے۔ وہ ہمارے پاس آئے اور بولے کہ ہمارے بزرگ کے پاس چلیں جو قریب ہی کلیسائے اعظم میں رہتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہمیں تم سے کیا واسطہ؟ وہ بولے کہ اگر آپ ہمارے عبادت خانہ تک چلے چلیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ ہم تو آپ کا احترام کرتے ہیں۔ وہ سمجھے کہ ہم میں سے کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ غرض ہم لوگ اُن کے ساتھ ایک بڑے عبادت خانہ میں گئے۔ وہاں ایک بزرگ آدمی کو دیکھا جس کے گرد اُس کے اسّی شاگرد جمع تھے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، وہ کبھی اُس کتاب پر نظر کرتا اور کبھی ہم لوگوں کو دیکھتا۔ آخر اپنے ساتھیوں سے بولا کہ میں جسے ملنا چاہتا تھا تم اُسے نہیں لائے۔ پھر اُس نے ہم سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم قریشی ہیں۔ پھر پوچھا کہ کس قبیلے سے ہو؟ ہم نے بتایا کہ ہم فرزندانِ عبدُ الشّمس میں سے ہیں۔ اُس نے سوال کیا کہ تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہاں! ایک

جوان بنی ہاشم میں سے ہے جس کو ہم یتیمِ فرزندِ عبد المطلب کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی اُس نے ایک نعرہ لگایا اور اپنی جگہ سے اُچھل پڑا، قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو جاتا، پھر وہ بولا کہ آہ! آہ! دینِ نصرانیت برباد ہو گیا۔ وہ اپنی صلیب پر ٹیک لگا کر تھوڑی دیر غور و خوص کرتا رہا پھر اُس نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں اُس جوان کو دیکھ سکوں؟ ہم نے کہا کہ ہاں! چلو، وہ ہمارے ساتھ آئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بصرہ کے بازار میں خورشیدِ تاباں کی مانند کھڑے تھے اور رُخِ انور سے نُور ساطع تھا۔ دیکھنے والے چاروں طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظارۂ حُسن و جمال میں محو تھے اور بیوپاری محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کے شوق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاملہ کر رہے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مالِ تجارت زیادہ قیمت دے کر خرید رہے تھے اور اپنا مال بہت کم دام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ فروخت کر رہے تھے۔ ہم نے چاہا کہ کوئی دوسرا شخص اُس راہب کو دکھا دیں تا کہ اُس کا امتحان ہو جائے، تب اُس نے کہا کہ بس! بس! میں نے اُنھیں پہچان لیا ہے۔ پھر وہ بے قرار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دوڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس کو چومنے لگا۔ اُس نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ''وہی'' مقدس ذات ہیں۔ پھر اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیوں سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی سوالات کیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سب سوالات کے جواب دیے پس اُس نے کہا کہ اگر میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے (زمانۂ بعثت) تک موجود رہا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر حقِ جہاد ادا کروں گا۔ پھر ہم سے کہا کہ بہترین زندگی اور موت اِن ہی کے ساتھ ہے، جو شخص اِن کی پیروی کرے گا وہ زندہ و جاوید ہو گا اور جو شخص اِن کے طریقے سے منحرف ہو گا وہ اِس طرح مرے گا کہ کبھی زندہ نہ ہو گا، تمام نفع اور عظیم فائدہ اِن ہی کے ساتھ ہے۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس کو چوما اور اپنے عبادت خانے میں واپس چلا گیا۔[1]

---

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۱۸

ابوالمویہب راہب کی خبر

ابوالمویہب راہب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل صفات وعلامات کے ساتھ جانتا تھا نیز اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں۔

شیخ الصدوق فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا ہے احمد بن حسن قطان اور علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شیبانی نے، اُن سے احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل نے، اُن سے عبداللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے قیس بن سعد دیلمی نے، اُن سے عبداللہ بجیر نے، اُن سے بکر بن عبداللہ اشجعی نے اور اُن سے اُن کے آبا نے بیان کیا ہے کہ جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کا مال لے کر بغرضِ تجارت شام کی جانب روانہ ہُوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قافلے میں عبدمناۃ بن کنانہ اور نوفل بن معاویہ بن عروہ بن صخر بن یعمر بن نعمامہ بن عدی بھی تھے۔ جب قافلہ شام پہنچا تو ابوالمویہب راہب نے قافلے والوں کو دیکھا اور پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ ہم کعبہ کے رہنے والے ہیں، اہلِ قریش میں سے ہیں اور تاجر ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ کیا قریش میں سے کوئی اور بھی تمھارے ساتھ ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ ہاں! فرزندانِ ہاشم میں سے ایک جوان ہے۔ اُن کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے اور ہم اُنھیں یتیمِ قریش (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں، وہ قریش کی ایک خاتون خدیجہ کا مالِ تجارت لے کر آئے ہیں۔ ابوالمویہب نے کہا کہ میں اُن سے مِلنا چاہتا ہوں۔ اُنھوں نے پوچھا کہ تمھیں اُن سے کیا کام ہے؟ ابوالمویہب نے کہا کہ مجھے دکھاؤ تو سہی۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے اُن کو بصرہ کے بازار میں چھوڑا تھا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتے ہُوئے دکھائی دیے۔ جب اُس کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو قبل اِس کے کہ لوگ کچھ کہتے، اُس

نے کہا کہ ''وہ'' یہی ہیں۔

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الگ لے گیا اور بہت دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راز و نیاز کرتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کوئی چیز اپنی آستین سے نکالی اور چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کرے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چیز قبول نہ کی۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ ہو کر اُن لوگوں کے پاس آیا اور کہا کہ میری نصیحت سُن لو! اِن کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ اور اِن کی فرمانبرداری کرو کیونکہ واللہ! یہ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور بہت جلد مبعوث ہوں گے اور لوگوں کو ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کی دعوت دیں گے، جب یہ نبوّت کا اعلان کریں گے تو بلا تامّل اِن کی پیروی کرو۔ پھر پوچھا کہ کیا اِن کے چچا ابو طالب کا کوئی فرزند پیدا ہو چکا ہے جس کا نام علیؑ ہے؟ اُن لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ وہ بولا کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں یا پھر عنقریب پیدا ہونے والے ہیں۔ سب سے پہلے وہی اِن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں گے۔ اُن کے وصی ہونے سے متعلق میں نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ وہ سیّدِ عرب نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذوالقرنین ہوں گے اور جنگوں میں شمشیر زنی کا حق ادا کریں گے۔ ملاءِ اعلیٰ میں اُن کا نام علی (علیہ السلام) ہے۔ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُن کا رُتبہ سب سے بُلند ہوگا۔ فرشتے اُن کو فلاح یافتہ، روشن اور شجاع کہتے ہیں۔ وہ جس طرف رُخ کریں گے یقیناً فتح پائیں گے۔ وہ تمھارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں آسمان کے آفتاب سے زیادہ مشہور ہوں گے۔ [1]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۱۹

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہاالسلام سے عقد
(۲۷ قبل ہجرت/ستمبر ۵۹۵ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس برس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وکردار، صدق و دیانت اور پاکبازی وشرافت کی شہرت عام ہو چکی تھی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق وامین کہتے تھے۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد بھی بہت پاکیزہ نفس، خوش اَخلاق، خوبصورت، نیک سیرت اور بنو قریش کی سب سے زیادہ دولت مند خاتون تھیں۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَخلاق وکردار سے متاثر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفیسہ بنت منیّہ کے ہاتھ شادی کا پیغام بھیجا۔[۱]

نفیسہ بنت منیّہ کہتی ہیں، "جب رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شام سے مراجعت فرما ہوکر مکّہ مکرمہ میں داخل ہُوئے تو حضرت خدیجہ اپنے بالا خانے پر تشریف فرما تھیں۔ دیکھا کہ سرورِ دوعالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لا رہے ہیں اور تمازتِ آفتاب سے بچانے کے لیے دو فرشتے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سایہ کیے ہُوئے ہیں۔ اُنھوں نے دِل ہی دِل میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ عقد وتزویج کا پختہ ارادہ کرلیا اور اس ارادے کی تکمیل کو سعادتِ دارین سمجھا چنانچہ خود سلسلۂ جنبانی شروع کرتے ہُوئے مجھے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھیجا۔ میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں شادی کا پیغام لے کر حاضر ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قبول فرمایا۔" پس، نفیسہ نے واپس جا کر حضرت خدیجہ علیہاالسلام کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی کا مژدہ سنایا تو اُنھوں نے ایک شخص کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ فلاں وقت اپنے خاندان کے اکابرین کے ساتھ میرے غریب خانہ پر (نکاح کے لیے) تشریف لائیں، اور ایک آدمی اپنے چچا عمرو بن اسد کی طرف روانہ کیا کہ نکاح کے ولی بن کر عقد کریں۔ چنانچہ وہ بھی پہنچے اور سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف لائے۔[۲]

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۷۴ بحوالہ ابن سعد، ج ۱ ص ۸۴

[۲] امام عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۸۳

بروایتے اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کی چالیس سال تھی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہ کا عقد اُن کے والد خویلد نے کیا مگر یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اُن کی وفات حربِ فجارِ ثانی سے قبل ہوئی اور نکاح کا انعقاد پانچ سال بعد ہُوا۔

ابوالحسین بن فارس کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب نے نکاح پڑھایا اور یہ خطبہ پڑھا:

''سب تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اولادِ ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) ہونے کا شرف بخشا اور گلستانِ اسماعیل (علیہ السلام) کے نونہال بنایا، معد بن عدنان کے اصل سے اور مَضر کے عنصر و جوہر سے عالم عناصر کی طرف منتقل فرمایا۔ اپنے حرم کا محافظ و نگران اور اپنے گھر کا مجاور و خادم بنایا اور ہمیں ایسے گھر سے مشرف فرمایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ہمیں ایسا حرم عطا فرمایا جو مقامِ امن و اطمینان ہے اور ہمیں لوگوں پر حکومت عطا فرمائی۔'' پھر فرمایا، ''میرے یہ بھتیجے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شرف و فضل کی اُن بُلندیوں پر فائز ہیں جن کا موازنہ آپ سے کیا جائے تو آپ سب پر حاوی ہو جائیں۔ اگرچہ مال کی اِن کے ہاں قلت ہے مگر مال تو ڈھلتی چھاؤں ہے اور تغیّر پذیر ہے (لہٰذا اِس کا کیا اعتبار؟) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت تم میں سے کون نہیں چاہتا؟ اِنھوں نے خدیجہ بنت خویلد کو دعوتِ نکاح دی ہے اور اُس کے لیے حق مہر صَرف کیا ہے جس کا **مُعَجَّل** (فوری طور پر ادا ہونے والا یعنی نقد) اور **مُؤَجَّل** (مہلت دیا گیا یعنی واجب الادا) میرے ذمہ ہے۔ حضرت ابوطالب نے مزید فرمایا، بخدا کچھ عرصہ بعد میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عظمت، شان اور بُلندی، کمالِ عروج کے مرتبے پر ہوگی اور ہر ایک پر ظاہر و عیاں ہوگی۔''[1]

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح پڑھانا اور مندرجہ بالا خطبہ دینا اُن لوگوں کے لیے دعوتِ فکر ہے جو آپ کے ایمان کے بارے میں کوئی منفی رُجحان رکھتے ہیں۔ کیا یہ الفاظ کسی غیر مسلم یا ناقص الایمان شخص کے ہو سکتے ہیں؟

---

[1] امام عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۸۳
علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۵۴ بحوالہ کافی ج ۵ ص ۷۴ ۳، بحار، ج ۱۶ ص ۱۴،
المناقب ج ۱ ص ۴۲، حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۹، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۰ اور ابو بلال کی الاوائل ا ص ۱۲۶ وغیرہ

ذرا غور فرمائیں، جب ایک عام مسلمان کا نکاح کوئی غیر مسلم نہیں پڑھا سکتا تو نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو باعثِ ایمان ہیں، کا نکاح کوئی غیر مسلم کیسے پڑھا سکتا ہے؟

حضرت خدیجہ علیہا السلام کا مہر بارہ اونس سونا اور پچیس اُونٹ مقرر ہُوا جسے حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اُسی وقت ادا کر دیا۔[۱] یہ واقعہ ۵۹۵ء کا ہے۔ روایت ہے کہ جب تک حضرت خدیجہ علیہا السلام زندہ رہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔[۲]

حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی

بعض لوگوں کا یہ کہنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے دو شادیاں کی تھیں اور دونوں خاوندوں سے آپ کی اولاد بھی تھی۔ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ احمد بلاذری، ابوقاسم کوفی، ابوجعفر اور مرتضیٰ نے اپنی اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب حضرت خدیجہ علیہا السلام سے شادی کی تو وہ باکرہ (کنواری/ دوشیزہ) تھیں۔''[۳]

حضرت خدیجہ علیہا السلام کے پہلے سے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونے کا شوشہ ممکن ہے اُنھیں لوگوں کا چھوڑا ہُوا ہو جن کے آباواجداد نے ہر حیلہ کیا کہ کسی طرح عرب کی سب سے زیادہ خُوبرو، زِیرک و دانا اور مالدار خاتون کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کر سکیں مگر وہ اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے اور اپنی ناکامی کو اپنے لیے باعثِ رسوائی سمجھنے لگے، چنانچہ جب وہ دُرِّ نایاب چالیس سال آغوشِ صدف میں رہنے کے بعد تاجِ رسالت کی زینت بنا تو یہ لوگ اُس کی تابندگی ماند کرنے کی کوششِ ناکام میں آپ کے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونے کا پروپیگنڈہ کرنے لگے اور اس کا استدلال اُن لوگوں کے نزدیک آپ کی چالیس سالہ عمر ہی تو ہے۔ یعنی اُن کے

---

[۱] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے بحوالہ کے اے حمید، مسلمانانِ عالم، ص ۳۸

[۲] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۱۱۹

[۳] علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۱۶۴ بحوالہ ابن شہر آشوب

حساب سے آپ کی پہلی شادی نوجوانی میں ہوئی مگر آپ بیوہ ہوگئیں، پھر دوسری شادی ہوئی، پھر بیوہ ہوگئیں حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر میں پہنچ گئیں تب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ عقد کیا اور عرب میں چونکہ کم عمری میں ہی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی تھی اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش کی سب سے زیادہ حسین و دانا اور مالدار عورت چالیس سال تک غیر شادی شدہ رہے؟ اگر ہم اس دلیل پر ذرا سا غور کریں تو حیرت انگیز طور پر یہ دلیل اُن ہی لوگوں کے خلاف جاتی نظر آتی ہے جو اِسے اپنے موقف کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ یعنی حضرت خدیجہ علیہا السلام جیسی حسین و جمیل، اوصافِ حمیدہ کی حامل، اعلیٰ حسب و نسب کی مالک اور فہم و ادراک سے مالا مال ایک دولت مند خاتون کا کئی لوگوں کے رشتوں کو ٹھکراتے ہُوئے چالیس سال تک غیر شادی شدہ رہنا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ اُن جیسی عظیم المرتبت خاتون کو خود سے بڑھ کر کوئی عظیم ترین شخصیت نظر آتی تو وہ شادی پر آمادہ ہوتیں۔ پس چالیس سال تک کوئی ایسی ہستی مِلی نہ ہی شادی کی۔

حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ہر ماں کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے فاطمہ علیہا السلام کی اولاد کے، پس میں ہی اُن کا ولی ہوں اور میں ہی اُن کا نسب ہوں۔''[۱] اِسی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جناب جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مزید براں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا ہے، ''میرے نسب اور رشتے کے سوا قیامت کے دن ہر نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے گا۔''[۲] اِس حدیثِ مبارکہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

---

[۱] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۲۲: ۴۲۳
ابویعلیٰ (۹۱۹ھ)، المسند ابویعلیٰ ۱۲: ۱۰۹۔ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی (متوفی ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد
۴: ۲۲۴۔ حافظ دیلمی (متوفی ۵۵۸ھ)، کتاب الفردوس ۳: ۲۶۴
خطیب بغدادی (متوفی ۱۰۷۱ء)، تاریخ بغداد، ۱۱: ۲۸۵۔ عجلونی (متوفی ۱۶۲ھ)، کشف الخفا ۲: ۱۵۷

[۲] ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، الصواعق المحرقہ ص ۹۳۔ ڈاکٹر طاہر القادری، مناقب فاطمۃ الزہراء علیہا السلام

پس! رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (کی آل پاک) کا سلسلہ ہی جناب سیّدۃُ النساء حضرت فاطمہ علیہا السلام سے شروع ہوتا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خاتونِ جنّت علیہا السلام نے جس بطنِ مطہر میں قیام فرمایا ہو وہاں کبھی کوئی ''آمیزش'' رہی ہو؟ یہ ناممکن ہے کیونکہ خود اللہ سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے:[1]

''اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا''

(اے اہل بیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر نجاست کو تم سے دُور رکھے اور تمھیں پوری طرح پاک رکھے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید

بعض عاقبت نااندیش لوگ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کثیر الازواج ہونے سے متعلق یہ منفی خیال رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رُجحان ازدواجی تعلقات کی طرف بہت زیادہ تھا۔ شانِ رسالت میں گستاخی کا ارتکاب کرنے والے ملعون مصنفین اور فلم ساز بھی اِس بیہودہ خیال کی عکاسی کرتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال بالکل غلط، بے بنیاد اور کم علمی، کم عقلی، تعصب اور بدبختی پر مبنی ہے۔ اگر چشمِ خیال میں ذرا بھی بینائی باقی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کثیر الازواج ہونے کے پیچھے کئی مصلحتیں اور حکمتیں دکھائی دیتی ہیں۔ رشتۂ ازدواج یعنی نکاح یا شادی کیا ہے؟ اگر ہم تھوڑا سا غور اِس پر بھی کرلیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کثرتِ ازواج کا فلسفہ باآسانی سمجھ میں آجائے گا۔

نکاح سُنّتِ مُوکدہ اور بعض علما کے نزدیک واجب عمل ہے۔ اسلام میں تجرُّد کی زندگی گذارنا یعنی ازدواجی رشتے کے بغیر رہنا ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ اگرچہ بعض دیگر مذاہب میں تجرُّد کو ایک خاص مقام حاصل ہے مگر دینِ اسلام نے جہاں دوسرے مذاہب کے کئی غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر سماجی رسوم ورواج کو ختم کر کے انسانیت کی فلاح و بہود کے لیے بہترین قوانین

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

وضع کیے وہاں رشتۂ ازدواج کو لازمی قرار دے کر نہ صرف کئی غیر سماجی اور غیر اخلاقی افعال کی راہیں مسدود کی ہیں بلکہ بہترین اور صحت مند معاشرے کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔
جنسی ضروریات دیگر ضروریاتِ زندگی کی طرح انسانی زندگی میں بہت نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ اگر اِن کی تکمیل کا جائز اور صحت مند ذریعہ میّسر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ انسان کا رُجحان و میلان ناجائز اور غیر اخلاقی ذرائع کی طرف ہوگا جو کئی سماجی اور قانونی مسائل کا سبب بنتا ہے مثلاً فریقین کے درمیان باہمی اعتماد کا فقدان، غیر متوازن خاندانی نظام، عدم تحفظ، حقیقی قرابت داری کا خاتمہ، وراثت کا مسئلہ، غیر یقینی صورتِ حال اور ناپائیدار نظامِ حیات وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے معاشرے میں مرد چاہے غیر شادی شدہ ہو، رنڈوا ہو یا بیوی کو طلاق دے چکا ہو، ایک نارمل زندگی گذار سکتا ہے مگر عورت کے لیے ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ زمانے بھر کے مسائل اُس کا گھر دیکھ لیتے ہیں جیسے چیلوں کے درمیان چڑیا کا گھونسلہ۔
اسلام نے نکاح کے ذریعے ایسے تمام مسائل کا نہایت عمدہ حل پیش کیا ہے۔ پس اللہ رَبُ العزت کا ارشاد ہوتا ہے:[۱]

''وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ''

(اور نکاح کر دیا کرو اپنی (قوم کی) بے شوہر عورتوں اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا، اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل (وکرم) سے انھیں مالدار بنا دے گا اور اللہ تو بڑی کشادگی والا واقف کار ہے)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا آغاز ''وَاَنْكِحُوا'' کے لفظ سے ہوتا ہے جو گرامر یعنی دستورِ زبان کی اصطلاح کے مطابق صیغہ اَمر کہلاتا ہے یعنی نکاح ایک واجب عمل ہے یا سُنّتِ مُوکدہ ہے۔[۲]

---

[۱] سُورۃ نُور، آیت ۳۲

[۲] سیّد محمد رضوی، ازدواج اور اخلاقیات دَر اسلام

اوردوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:[1]

''خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً''

(اُس نے تمھارا جوڑا تمھیں میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمھیں اس سے سکون حاصل ہو
اور پھر تمھارے درمیان محبت اور رَحمت قرار دی ہے)

اور فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ میری اُمت کے بہترین افراد وہ ہیں جو نکاح کرتے ہیں اور اپنے لیے ہمسروں کا انتخاب کرتے ہیں اور (برخلاف اِس کے) میری اُمت کے بدترین افراد وہ ہیں جو ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور اپنی زندگی مجرّدوں کی طرح گزارتے ہیں۔[2]

اِسی طرح نکاح کے باوجود تجرُّد کی زندگی گذارنے کی بھی مذمت کی گئی ہے۔ عثمان بن مازون، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی تھے۔ روایت ہے کہ ایک دن اُن کی زوجہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عثمان دنوں میں روزے رکھتا ہے اور راتوں کو عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ یعنی ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ بیان کیا کہ اُس کا شوہر شب و روز عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے اُس کے ازدواجی حقوق ادا نہیں کرتا۔ یہ سُن کر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہو گئے اور اتنا توقف بھی نہ کیا کہ اپنی نعلین مبارک پہن لیں، فوراً عثمان بن مازون کے گھر پہنچے۔ عثمان نماز میں مشغول تھے، فارغ ہُوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان! اللہ نے مجھے رہبانیت کی تبلیغ کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اُس نے مجھے ایک سادہ اور سیدھی شریعت کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں بھی روزے رکھتا ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں اور اِس کے ساتھ ساتھ اپنی ازواج کے ساتھ قریبی تعلقات بھی برقرار رکھتا ہوں۔ جو کوئی میری سُنّتوں کو پسند کرتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اِن کی متابعت کرے

---

[1] سورۃ روم، آیت ۲۱

[2] شہب رضوی، اسلامی ازدواج / ورڈ اسلامک نیٹ ورک، جوان کے لیے تحفہ

اور نکاح میری سُنّتوں میں سے ایک ہے۔''[1] حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن مظعون (یا عثمان بن مازون، یہ نام دونوں طرح سے کتب میں آیا ہے۔ مؤلف) کے سینے پر اپنا دستِ مبارک رکھتے ہُوئے فرمایا کہ میری سُنّت سے منہ نہ پھیرو کیونکہ جو شخص بھی میری سُنّت سے اِعراض کرے گا قیامت کے روز فرشتے اُس کا راستہ روک لیں گے اور اُسے میرے حوض کی طرف نہیں آنے دیں گے۔[2]

مندرجہ بالا گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ رشتۂ ازدواج ایک اہم انسانی اور سماجی ضرورت ہے جس کی تکمیل کے لیے دِین میں اصرار کیا گیا ہے۔ اب رہا نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ ازواج کا سوال، تو عرض ہے کہ:

اوّل: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ ازواج کے پیچھے کوئی ''فطری تقاضا'' یا ''طبعی رُجحان'' قطعاً نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے جیسے کوئی عام انسان نہیں بلکہ ایک ایسی عظیم شخصیت ہیں جن کی ہستی کو خداوندمتعال نے تمام انسانوں کے لیے ایک عمدہ نمونہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:[3]

''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ○''(بے شک تمھارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات (میں پیروی کے لیے) بہترین نمونہ ہے) اور پھر ارشاد ہوتا ہے:[4]

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ○''(اور بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خلقِ عظیم کے مالک ہیں)

دوم: چند کنیزوں کے علاوہ جن میں حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ بھی شامل تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل گیارہ ازواج تھیں جن میں سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے (جن کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی اور عقد نہیں کیا) اور حضرت عائشہؓ کے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج

---

[1] محمد بن حسن بن علی بن محمد بن حسین الالمعروف بہ شیخ حر عاملی (متوفی ۱۱۰۴ ہجری)، وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۱۰

[2] آیت اللہ مشکینی (متوفی ۱۳۸۶ ھ)، ابواب المقدمات، ازدواج در اسلام

[3] سورۃ الاحزاب، آیت ۲۱

[4] سورۃ القلم، آیت ۴

بیوگان تھیں جب کہ ایک زوجہ جن کا نام زینب بنت جحش اسدیہ تھا، مطلقہ تھیں۔ پس، حضور ﷺ کی کثرتِ ازواج کے پیچھے اگر کوئی ''فطری خواہش'' کارفرما ہوتی تو آپ ﷺ بیوہ اور مطلقہ خواتین پر نوعمر اور کنواری دوشیزاؤں کو ترجیح دیتے۔ آپ ﷺ خدا کے رسول اور اُمت کے راہنما و پیشوا تھے اس لیے کسی بھی شخص کے لیے آپ ﷺ کو اپنی نوجوان بیٹی دے کر آپ ﷺ سے رشتۂ قرابت استوار کرنا باعثِ فخر ہوتا، مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔

سوم: آپ ﷺ محبوبِ خدا اور وجۂ تخلیقِ کائنات ہیں۔ اگر آپ ﷺ کا میلانِ طبع اِس طرف ہوتا تو کیا پروردگارِ عالم آپ ﷺ کے لیے ایسا کوئی خصوصی انتظام نہ فرماتا؟ اگر وہ قادرِ مطلق، آپ ﷺ کے لیے جنّت سے خوان، آپ ﷺ کے نواسوں کی خاطر جنّت سے لباس، اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کے واسطے جنّت سے دُنبہ اور آدم علیہ السلام کے بیٹوں شیث علیہ السلام اور یافث کے لیے جنّت سے 'نزلہ'' اور ''منزلہ'' نامی حوریں بھیج سکتا ہے تو اپنے محبوب ﷺ کی دلچسپی یا رجحان دیکھتے ہُوئے اُن کے لیے بھی جنّت سے حُوریں بھیج سکتا تھا۔ مگر یہاں تو ایسی کوئی دلچسپی یا رجحان تھا ہی نہیں چنانچہ ایسا کوئی انتظام ہُوا نہ جنّت سے کوئی حُور بھیجی گئی۔

چہارم: آپ ﷺ نے جن بیوگان سے نکاح فرمایا اُن میں صاحبِ اولاد خواتین بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے اُن کے ساتھ عقد صرف اِس لیے کیا کہ وہ خود بیوگی کی تکلیف دہ زندگی سے اور اُن کے بچّے یتیمی کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں جیسا کہ آپ ﷺ کی ازواج کے تاریخی پس منظر سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

پنجم: اُن بیوگان کو سماجی تحفظ اور اُن کے یتیم بچّوں کو کفالت و سرپرستی مُہیّا کر کے آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے بیواؤں اور یتیموں کو سہارا دینے کی ترغیب پیدا کی تاکہ لوگ سُنّتِ نبوی ﷺ سمجھتے ہُوئے اِس عملِ خیر کو بخوشی انجام دیں۔ یاد رکھیں! ایک آدھ بیوہ سے نکاح کر لینے سے شاید وہ ترغیب پیدا نہ ہوتی جو زیادہ بیوگان سے نکاح کرنے سے پیدا ہو سکتی تھی، اور اِس اَمر کے پیشِ نظر کہ لوگ اِس عمل میں کہیں شرعی، اخلاقی اور سماجی حدود سے تجاوز نہ کر جائیں، شریعتِ محمدی ﷺ نے ایک سے زیادہ ازواج رکھنے کے اُصول وضع کر دیے۔

ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام بنتِ خویلد: آپ قبیلہ قریش کی ایک نہایت مدبر اور عظیم خاتون تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بہترین زنانِ بہشت میں قرار دیا۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین زنانِ بہشت چار ہیں، خدیجہ بنت خویلد (علیہا السلام)، فاطمہ (علیہا السلام) بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، مریم بنت عمران (علیہا السلام) اور آسیہ بنت مزاحم (علیہا السلام)۔[۱] خواتین میں سب سے پہلے علی الاعلان ایمان لانے والی خاتون بھی آپ ہی ہیں۔[۲] آپ کا انتقال بعثت کے دسویں سال ماہِ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا۔ آپ کی حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔ آپ حجون میں مدفون ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بیوی پر اتنا رشک نہیں کیا جتنا خدیجہ (علیہا السلام) پر کیا تھا، اگر میں اُن کے زمانے میں ہوتی تو میرا کیا حال ہوتا؟ اور یہ سب اس لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنھیں بہت یاد کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بکری ذبح کرتے تو خدیجہ کی کسی سہیلی کو تلاش کرتے اور (اُس بکری کا گوشت) اُسے ہدیہ کرتے۔[۳]

(۲) حضرت سودہؓ بنت زمعہ: آپ سکران بن عمرو بن عبد شمس کی بیوہ تھیں اور ابتدائی دور میں اسلام قبول کر چکی تھیں۔ مکّہ کے مخدوش حالات کی بنا پر شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی مگر وہاں پر شوہر کا انتقال ہوگیا۔ شوہر کی وفات کے بعد مکّہ واپس نہیں جا سکتی تھیں کیونکہ ان کے قبیلے کے تمام افراد مشرک تھے اور واپسی کی صورت میں اُن کی طرف سے کئی قسم کے خطرات لاحق تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ رحمت میں پناہ حاصل کی۔

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۶۹

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۱۶۹

[۳] ترمذی، ج ۱ حدیث نمبر ۱۲۹۸

رمضان المبارک ۳ قبل ہجرت/فروری ۶۱۹ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا، اُس وقت ان کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔[۱] بروایتے حضرت سودہؓ، حضرت خدیجہ علیہا السلام کی وفات کے ایک سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔[۲]

(۳) حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ: حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سب سے کم عمر تھیں۔ شوال ۳ قبل ہجرت/ مارچ ۶۱۹ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور رخصتی چار سال بعد شوال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء میں ہوئی۔[۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ ان کا انتقال تقریباً ستر سال کی عمر میں ہُوا۔[۴]

(۴) حضرت اُمّ سلمہ ہندؓ: آپ کا نام ہند بنتِ ابی اُمیہ مخزومیہ اور کنیت اُمّ سلمہ تھی، والدہ کا نام عاتکہ بنتِ عبد المطلب تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ آپ عبداللہ ابوسلمہ بن عبدالاسد کی بیوہ تھیں۔[۵] آپ نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ طیّبہ واپس آ گئیں۔ ابو سلمہ غزوہ اُحد میں شریک تھے، لڑائی کے دوران میں اُنھیں جو زخم آئے کچھ عرصہ مندمل رہنے کے بعد دوبارہ تازہ ہو گئے اور وفات کا سبب بنے۔ حضرت اُمّ سلمہؓ صاحبِ اولاد بھی تھیں، اُن کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد میں لے لیا تا کہ اُنھیں بیوگی کا اور اُن کی اولاد کو یتیمی کا درد نہ سہنا پڑے۔ آپ بہت نیک سیرت، رحم دِل اور آلِ رسول علیہم السلام سے محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ کربلا میں آلِ رسول علیہم السلام پر ڈھائی جانے والی قیامت کے بعد تک حیات رہیں۔ آپ کا انتقال چوراسی سال کی عمر میں مدینہ طیّبہ میں ہُوا اور آپ کو جنّت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(۵) حضرت حفصہ بنتِ عمر بن خطابؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے حضرت

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۳۳۲

[۲] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۴۷

[۳] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۳۳۲

[۴] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۴۷

[۵] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۳۳۲

حفصہ ؓ خنیس بن عبداللہ بن خذافہ سہمی کی زوجیت میں تھیں۔ [1] وہ شرکائے بدر میں سے تھے، اُن کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حفصہ ؓ کو بیوگی کے عذاب سے بچانے کے لیے اپنا دامنِ رحمت وا کیا اور عقد میں لے لیا۔ روایت ہے کہ ان کے پہلے شوہر خنیس کی وفات کے بعد حضرت عمر ؓ نے حضرت عثمان ؓ کو ان سے نکاح کی پیش کش کی مگر انھوں نے کوئی مثبت جواب نہ دیا، پھر حضرت ابوبکر ؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ اگر آپ راضی ہوں تو حفصہ ؓ کا نکاح آپ سے کردوں مگر وہ بھی خاموش رہے اور کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ حضرت عمر ؓ کہتے ہیں، ''اِس پر میں غصے میں آگیا اور یہ غصہ اس سے بھی زیادہ تھا جتنا کہ عثمان ؓ کے انکار پر تھا، اس کے بعد چند راتیں نہیں گذریں تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیغام بھیجا اور میں نے حفصہ ؓ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کر دیا۔'' [2] بروایتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے شعبان ۳ ہجری/فروری ۶۲۵ء میں نکاح کیا تھا۔ [3] ان کا انتقال سنہ ۴۱، ۴۵ یا ۴۷ ہجری میں مدینہ میں ہُوا۔

(۶) حضرت زینب ؓ بنتِ جحش اسدیہ: ان کا اصل نام برہ تھا جسے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبدیل کرکے زینب ؓ رکھا۔ ان کی والدہ امیمہ بنتِ عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حضرت زینب ؓ پہلے زید ؓ بن حارث کے نکاح میں تھیں پھر زید ؓ نے ان کو طلاق دے دی تو عدّت پوری ہونے کے بعد ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہُوا۔ چنانچہ اللہ ربُ العزت نے ارشاد فرمایا: [4] ''فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا○''

(جب زید نے اُس عورت (زینب) سے اپنی حاجت پوری کر لی (شادی کے بعد طلاق دے دی) تو ہم نے اُس خاتون کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نکاح میں دے دیا تاکہ اہلِ ایمان پر منہ بولے

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۳۳۲

[2] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ا ص ۴۷

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۴۹۵

[4] سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۳۷

بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح) کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہ جائے جب وہ اُن سے حاجت پوری کر چکے ہوں (اُنھیں طلاق دے چکے ہوں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہو کر رہتا ہے)

حضرت زینبؓ کا انتقال ۵۳ سال کی عمر میں سنہ ۱۲ ہجری یا ۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہُوا۔ آپ جنّت البقیع میں مدفون ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ازواج میں سب سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہیں۔[۱]

(۷) حضرت جویریہؓ بنت حارث: اِن کا پہلا نام برہ (یعنی نیکوکار) بنت الحارث بن ابی ضرار تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل کرکے جویریہؓ رکھا۔[۲]

اِن کا والد قبیلہ بنی المصطلق کا سردار تھا اور یہ خود غزوۂ بنی المصطلق کے گرفتار شدگان میں سے تھیں، اِن کے ساتھ دو سو قیدی اور بھی تھے۔ گرفتاری کے بعد یہ ثابت بن قیس کے حصّے میں آئیں جس نے انھیں فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔ معاوضے کی رقم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کرکے اِن کو آزاد کرایا تھا اور پھر اپنی زوجیت میں لیا۔ جب صحابہؓ کو معلوم ہوا کہ جویریہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آچکی ہیں تو اُنھوں نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔[۳]

ابن کثیر نے ابنِ اسحٰق سے روایت کی ہے کہ جب بنی مصطلق پر فتح یابی کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں کامیاب و کامران تشریف لائے تو مفتوح قبیلے کی گرفتار شدہ خواتین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کی گئیں، اُن میں حضرت جویریہؓ بنت حارث بھی تھیں۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی ہوں، پہلے اپنے چچا زاد بھائی کے لیے کتابت کا کام کیا کرتی تھی پھر اُس نے اسی کام کے لیے مجھے کسی اور کے سپرد کر دیا لیکن اُن میں سے کسی کے ساتھ میری شادی نہیں ہوئی تھی تاہم مجھے خوف ہے کہ اب مجھے ثابت بن قیس کے حوالے کیا جائے گا جو مجھ سے نکاح کرے گا۔ میں خوش ہوں کہ اب

---

[۱] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۴۷

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوّت، ج ۲ ص ۲۰۶

[۳] ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، حصّہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفا، ص ۱۰۶

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زیرِ سایہ آ گئی ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اپنی کنیزی میں لے کر مجھ سے کتابت کا کام لیا کریں۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمھارے لیے اس سے بہتر تجویز پیش کی جائے تو تم کیا کہو گی؟ حضرت جویریہؓ نے عرض کیا، ''حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! وہ تجویز کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''یہ کہ تم اسلام قبول کر کے میری زوجیت میں آ جاؤ۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی پر حضرت جویریہؓ نے بے حد مسرت کا اظہار کیا اور برضا و رغبت مسلمان ہو گئیں جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول کے مطابق اُنھیں اپنی زوجیت میں لے لیا اور وہ خوش قسمتی سے اُمہات المومنینؓ میں شامل ہو گئیں۔ واقدی، حضرت جویریہؓ بنت حارث کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے اپنے گھر میں یہ خواب دیکھا تھا کہ مدینہ کی طرف سے چاند اُن کی خواب گاہ میں اُترا ہے۔ حضرت جویریہؓ نے اُس خواب کو پوشیدہ رکھا تا آنکہ اُس کی تعبیر اُن کے سامنے آئی۔ [1]

حضرت جویریہؓ کا انتقال ۵۶ ہجری میں اور بروایتے ۵۰ ہجری میں مدینہ طیبہ میں ہُوا، آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ [2]

(۸) حضرت اُمّ حبیبہؓ رملہ بنتِ ابوسفیان: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحجہ ۶ ہجری/اپریل، مئی ۶۲۸ء میں ان سے نکاح فرمایا۔ [3] یہ خاتون ابوسفیان بن حرب بن اُمیّہ کی بیٹی اور عبیداللہ بن جحش کی بیوہ تھیں۔ ان کی ایک بیٹی کا نام حبیبہ تھا اُسی سے ان کی کنیت اُمّ حبیبہ ہُوئی۔ یہ شوہر کے ساتھ ہجرتِ حبشہ میں شریک ہوئیں مگر اُس نے وہاں پہنچ کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ شوہر کے مرتد ہو جانے کے بعد اُس کے ساتھ رہنا یا اپنے باپ ابوسفیان کے گھر جانا ممکن نہ رہا۔ ایک طرف دیوار تھی تو دوسری طرف آگ، شوہر کے ساتھ رشتہ ختم ہو گیا تھا اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے میکے والے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ ایسے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد کر کے اپنی پناہ میں

---

[1] ابی جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی ۳۱۰ھ) تاریخ طبری، جلد دوم حصہ اوّل، ص ۲۴۱
[2] محمد الزرقانی (متوفی ۱۱۲۲ ہجری)، المواھبُ اللدنیہ، ج ۲
[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۸۵

لے لیا۔ مروی ہے کہ عمرو بن اُمیّہ ،حضور ﷺ کے لیے حبیبہؓ کا رشتہ لینے بادشاہ نجاشی کے پاس حبشہ پہنچے۔ نجاشی نے وکیل کے تعیّن اور عقد نکاح کے سلسلے میں اپنی کنیز ابرہہ کو اُن کے پاس بھیجا تو اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور شکرانے کے طور پر اپنا تمام زیور جو جسم پر تھا لونڈی کو دے دیا۔ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور دیگر مسلمان مہاجرین کو مدعو کر کے تواضع کی اور خطبہ نکاح پڑھا۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ کا انتقال سنہ ۴۰ یا ۴۴ ہجری میں شام میں ہُوا۔

اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کے فضائل میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے جسے ابنِ اسحاق نے یوں بیان کیا ہے کہ ان کا باپ ابوسفیان تجدید صلح کے لیے مدینہ طیّبہ آیا اور ان سے ملنے گیا۔ وہ بستر پر بیٹھنے لگا تو انھوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ بیٹی میں سمجھا نہیں کہ تُو بستر کو مجھ سے دُور رکھنا چاہتی ہے یا مجھے بستر سے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ بستر رسول اللہ ﷺ کا ہے اور تُو مشرک ہے اس لیے اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔[۱]

(۹) حضرت صفیہؓ بنت حیّی بن اخطب: حضرت صفیہؓ، سلام بن مسلم کے بعد کنانہ بن ربیع کی زوجیت میں آئیں۔[۲] بروایتے ان کے پہلے شوہر کا نام سلام بن مشکم اور دوسرے کا کنانہ بن ابی الحقیق تھا جو جنگِ خیبر میں مارا گیا اور یہ گرفتار ہوئیں۔ حضور ﷺ نے رحم فرماتے ہُوئے آزاد کر دیا اور ان کی عدت گذر جانے کے بعد[۳] ان کے ساتھ عقد کر کے اسیروں کے ساتھ احترام اور مہربانی کے ساتھ پیش آنے کا درس دیا۔ مروی ہے کہ لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور قبیلے کے سردار کی بیٹی بھی ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ انھیں سردارِ دو عالم ﷺ کے سپرد کر دیا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے عقد فرمایا۔ ان کا انتقال سنہ ۵۰ ہجری میں ہُوا۔[۴]

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان، کتاب: رحمۃً للعالمین ﷺ، ج ۲ باب ۲، ص ۲۳۴ بحوالہ جلاء الافہام لابن قیم، متوفی ۷۵۱ء

[۲] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۷۵

[۳] صحیح مسلم جلد دوم، حدیث نمبر ۱۰۰۷

[۴] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃً للعالمین ﷺ، ج ۲ ص ۲۶۴ بحوالہ الاستیعاب

(۱۰) حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ بن حرث (اُمّ المساکین): آپ پہلے عبیدہ بن حرث بن عبدالمطلب کی زوجیت میں تھیں، بیوہ ہوجانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ ترحم ان سے عقد کرلیا تاکہ مسلمان عورتوں میں بے کسی اور لاوارثی کا احساس پیدانہ ہو۔ آپ کا لقب ''اُمّ المساکین'' تھا کیونکہ آپ غربا پروری میں بہت مشہور تھیں۔ آپ بہت کم عرصہ تک، بروایتے دوماہ، چھ ماہ یا آٹھ ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہیں پھر ماہِ ربیع الآخر سنہ ۴ ہجری میں وفات پاگئیں۔[۱]

(۱۱) حضرت میمونہؓ بنت حارث الھلالیہ: حضرت میمونہؓ کا اصل نام برہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل کرکے میمونہؓ رکھا۔ یہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ کرم ان سے عقد کرکے قبول فرمالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح ماہِ ذیقعدہ سنہ ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء میں ہُوا۔ بروایتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے نکاح کا مشورہ دیا تھا۔[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پسند کے مطابق ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج میں سے جن کو چاہیں رکھیں اور جن کو ناپسند فرمائیں اُنھیں چھوڑ دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی زوجہ کو طلاق نہیں دی سوائے حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے جنھیں صرف ایک طلاقِ رجعی دی تھی لیکن بعد میں رجوع فرمالیا تھا۔[۳] باقاعدہ طلاق نہ دینے کی یہ وجوہات سمجھ میں آتی ہیں:

---

[۱] علامہ سیّد ذیشان حیدر جوادی (متوفی ۲۰۰۰ء)، نقوشِ عصمت، ص ۷۴

[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲ باب ۲، ص ۴۲۷

[۳] سنن ابی داوٗد حدیث ۲۲۸۳۔ سنن نسائی حدیث ۳۵۹۰

اوّل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَحمۃً للعالمین ہیں اور عالمین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیشہ رَحمت و برکت ہی حاصل ہوئی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کسی زوجہ کو طلاق دے دیتے تو معاشرتی و معاشی حوالے سے اُس خاتون کے لیے کئی مسائل پیدا ہو جاتے اور ممکن ہے کہ وہ مسائل اُس خاتون کے لیے باعثِ زَحمت بن جاتے کیونکہ ایک دفعہ اُمُ المومنین بن جانے کے بعد وہ باقی مردوں کے لیے حرام ہو جاتی اور کبھی دوسرا نکاح نہ کر سکتی، جیسا کہ ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:[1]

’’وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ○‘‘ (اور تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو بیشک یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی (یعنی برائی اور گناہ کی) بات ہے)۔ پس، وہ ہمیشہ ایک مطلقہ عورت کی زندگی بسر کرتی اور تکلیف دِہ حالات کا سامنا کرتی۔

دوم: طلاق ایک ایسا حلال فعل ہے جو ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی ناپسندیدہ فعل کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔

سوم: اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کسی زوجہ کو طلاق دیتے تو طلاق کا فعل سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن جاتا، مسلمان اپنی بیویوں کو بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق دیتے اور اپنے اس فعل کو سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردانتے، اِس طرح مسلم معاشرے میں طلاق کی شرح خوفناک حد تک بڑھ جاتی اور سماج میں عدم توازن و عدم تحفظ اور بگاڑ پیدا ہو جاتا۔

طلاق ایک ایسا ذاتی فعل ہے جو زوجین کے درمیان باہمی نا اتفاقی، عدم توازن، بداعتمادی یا ایسی شدید رنجش جو کہ ناقابلِ مفاہمت ہو، کی بنیاد پر انجام پاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِس فعل سے اجتناب، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ ترین کردار و اوصاف کے حامل ہونے اور

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۵۳

بہترین اور کامل راہبر و راہنما ہونے کی ایک علامت ہے۔ ایک قائد کی نجی زندگی، اُس کا کردار اور عمل اُس کی قوم کے لیے ایک نمونہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام عالم کے قائد اور راہنما ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی بھی ناپسندیدہ فعل کا سرزد نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ انسانیت کے لیے واقعی ایک بے مثال نمونہ ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ .... اللہ عزوجل نے جب یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: [1] ''تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ط''

(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو اختیار ہے کہ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں دُور کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں) تو میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا کی قسم! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پروردگار آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فوراً وہ عطا فرما دیتا ہے جس کی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خواہش فرماتے ہیں۔[2]

حضرت عائشہؓ مزید فرماتی ہیں کہ جس وقت یہ اختیار دیا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے آغاز کیا اور فرمایا کہ میں تم کو ایک بات بتانے والا ہوں لیکن تم (اِس بارے میں) اپنے والدین کی رائے اور مشورے کے بغیر فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اِس بات کا عِلم تھا کہ میرے والدین کبھی بھی مجھ کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے الگ ہونے کا حکم نہیں دیں گے۔

پھر رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:[3]

''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا○وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۵۱

[2] سنن نسائی، ج ۲ حدیث ۳۲۰۴

[3] سورۃ الاحزاب، آیت ۲۸ تا ۳۰

فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَہَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ۝ ‘‘

(اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اس کی زینت وآرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کردوں۔ اور اگر تم خدا اور اُس کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور عاقبت کے گھر (یعنی بہشت) کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں اُن کے لیے خدا نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (الفاظ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذا دینے کی) حرکت کرے گی اُس کو دوگنی سزا دی جائے گی۔ اور یہ (بات) خدا کو آسان ہے)۔

جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس آیت کی تلاوت سے فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ کیا اِسی لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجھ کو میرے والدین سے مشورہ کرنے کا حکم فرما رہے ہیں؟ میں تو خدا اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور آخرت کی خواہش رکھتی ہوں۔ [۱]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ۝

[۱] سنن نسائی، ج ۲ حدیث ۳۲۰۶

اولادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جن کے نام حسبِ ذیل ہیں:

۱) حضرت قاسم طیبؓ: آپ کی ولادت بعثت سے قبل مکّہ میں ہوئی اور آپ دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ ہی کے نام سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابو القاسم مشہور ہوئی۔

۲) حضرت عبداللہؓ: آپ طاہر کے نام سے بھی مشہور تھے۔ بعثت سے پہلے مکّہ میں آپ کی ولادت ہوئی اور بچپن میں ہی انتقال فرما گئے۔

۳) حضرت ابراہیمؓ: آپ سنہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۸ رجب ۱۰ ہجری کو انتقال فرما گئے۔ آپ کی قبر جنّت البقیع میں موجود اور مشہور ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت ماریہ قبطیہؓ تھا۔

۴) سیّدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام: آپ علیہا السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ آپ ہی کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل آگے بڑھی اور آپ کی اولاد کو سیادت کا شرف حاصل ہوا جو قیامت تک ''سیّد'' کہلائی جائے گی۔[۱]

مشہورِ زمانہ امریکی انسائیکلوپیڈیا ''مائکروسافٹ انکارٹا انسائیکلوپیڈیا'' کے الفاظ ہیں:

Muhammad's(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) sons all died in infancy, and the only daughter to survive him was Fatima (علیہا السلام), who married Ali (علیہ السلام), the fourth caliph."

(Microsoft Encarta Encyclopedia 2005 © 1993-2004 Microsoft Corporation)

(حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام فرزند عہدِ طفولیت میں ہی انتقال کر گئے تھے اور صرف ایک صاحبزادی باقی رہیں جن کا نام حضرت فاطمہ (علیہا السلام) تھا، آپ علیہا السلام چوتھے خلیفہ حضرت علی (علیہ السلام) سے بیاہی گئیں۔)[۲]

---

[۱] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۸۹ بحوالہ علامہ جلال الدین، لوامع التنزیل ج ۳ ص ۴، ۳۔ اسعاف الراغبین بر حاشیہ نو الابصار شبلنجی ص ۱۱۴

[۲] مائکروسافٹ انکارٹا انسائیکلوپیڈیا

جناب ابراہیمؑ کے سوا جن کی والدہ کا نام حضرت ماریہ قبطیہؓ تھا، تمام اولاد حضرت خدیجہ طاہرہ علیہا السلام کے بطن سے تھی۔ تین لڑکیاں، اُمّ کلثوم، رقیہ اور زینب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پروردہ تھیں جن کے بارے میں بعض مؤرّخین کا خیال ہے کہ وہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کی بیٹیاں تھیں اور کچھ کا خیال ہے کہ اُن کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں، اور حقیقت یہی ہے کہ وہ ہالہ ہی کی بیٹیاں تھیں۔

علامہ نجم الحسن کراروی ''چودہ ستارے'' میں لکھتے ہیں کہ ''مناقب شہر آشوب'' میں ہے کہ جناب خدیجہ (علیہا السلام) کے ساتھ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی ہوئی تو آپ باکِرہ (کنواری/ دوشیزہ) تھیں۔ یہ تسلیم شدہ اَمر ہے کہ قاسمؑ، عبداللہؑ یعنی طیّب و طاہر اور فاطمہ زہراء علیہا السلام بطنِ خدیجہ علیہا السلام سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولادیں تھیں۔ اِس میں اختلاف ہے کہ زینب، رقیہ اور اُمّ کلثوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لڑکیاں تھیں یا نہیں۔ یہ مسلّم ہے کہ یہ لڑکیاں ظہورِ اسلام سے قبل کافروں کے ساتھ بیاہی گئی تھیں جن کے نام عتبہ، عتیبہ پسران ابولہب اور ابولعاص ابنِ ربیع تھے جیسا کہ ''المواهبُ اللدنية'' (ج ۱ ص ۱۹۷، طبع مکتبہ الازہر مصر) اور ''مروج الذهب مسعودی'' (ج ۲ ص ۲۹۸، طبع مصر) سے واضح ہے۔ یہ مانا نہیں جا سکتا کہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی لڑکیوں کو کافروں کے ساتھ بیاہ دیتے لٰہذا یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ عورتیں جناب خدیجہ (علیہا السلام) کی ہمشیرہ ہالہ بنت خویلد کی بیٹیاں تھیں اور ان کے باپ کا نام ابوالہند تھا۔ علامہ معتمد بدخشانی نے ''مرجاء الانس'' میں لکھا ہے کہ یہ لڑکیاں زمانۂ کفر میں ہالہ اور ابوالہند میں باہمی چپقلش کی وجہ سے جناب خدیجہ (علیہا السلام) کے زیرِ کفالت اور تحتِ تربیت رہیں اور ہالہ کے انتقال کے بعد مطلقاً اُنھیں کے ساتھ ہوگئیں اور حضرت خدیجہ (علیہا السلام) کی بیٹیاں کہلائیں۔ اِس کے بعد جناب خدیجہ (علیہا السلام) کے توسّط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسلک ہوکر اُسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں کہلائیں جس طرح جناب زیدؓ محاورۂ عرب کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کہلاتے تھے۔ میرے نزدیک اِن عورتوں کے شوہر دستورِ عرب کے

مطابق دامادِ رسول کہے جانے کا حق تو رکھتے ہیں لیکن یہ کسی طرح نہیں مانا جاسکتا کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صُلبی بیٹیاں تھیں کیونکہ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ۲۵ سال کے سِن میں حضرت خدیجہ (علیہا السلام) سے ہُوا، تیس سال کی عمر تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور چالیس سال کے سِن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوّت فرمایا۔ اِن لڑکیوں کا مشرکوں سے نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چالیس سال کی عمر سے پہلے ہوچکا تھا اور اس دس سال کے عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کا اور اِن تین لڑکیوں کا پیدا ہونا تحریر کیا گیا ہے جیسا کہ ''مدارج النبوّت'' میں تفصیل موجود ہے۔ بھلا غور تو کیجیے کہ دس سال کی عمر میں چار پانچ اولادیں بھی پیدا ہوگئیں اور لڑکیوں کی اتنی عمر بھی ہوگئی کہ اُن کا نکاح مشرکوں سے ہوگیا۔ کیا یہ عقل وفہم میں آنے والی بات ہے کہ چار سال کی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہوگیا؟ حضرت عثمانؓ سے بھی ایک لڑکی کا نکاح اُن کے اسلام لانے سے پہلے ہُوا تھا جیسا کہ ''مدارج النبوّت'' میں مذکور ہے۔ اِس حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں بلکہ ہالہ ہی کی تھیں اور اُس عمر میں تھیں کہ ان کا نکاح مشرکوں سے ہُوا۔[۱]

حضرت قاسمؓ کی ولادت

(۲۵ قبل ہجرت/ ۵۹۸ء)

شادی کے تین سال بعد ۲۵ قبل ہجرت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک اٹھائیس سال تھی، حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے بطن سے حضرت قاسم کی ولادت ہوئی۔[۲]

---

[۱] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۹۲ بحوالہ: (۱) مدارج النبوت، (۲) سوانح سیّدہ علیہا السلام ص ۳۴، (۳) مناقب ابن شہر آشوب، (۴) احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ)، المواہبُ اللدنیۃ، ج ۱ ص ۱۹۷، (۵) ابوالحسن بن حسین بن مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) مروج الزہب مسعودی، ج ۲ ص ۲۹۸

[۲] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۲۱۸

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت

(۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل/ ۶۰۰ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی، جانشین اور جاں نثار بھائی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت ۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل ۶۰۰ء بروز جمعۃ المبارک خانہ کعبہ میں ہوئی۔ مؤرخین میں آپ کی خانہ کعبہ میں ولادت پر کوئی اختلاف نہیں بلکہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے کوئی خانہ کعبہ میں پیدا ہُوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔[۱]

تواریخ میں آپ کی ولادت کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ جناب فاطمہ بنتِ اسد کو جب ولادت کے آثار نظر آئے تو وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر خانہ کعبہ کے قریب گئیں اور اُس کا طواف کرنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئیں پھر بارگاہِ الٰہی میں عرض پیرا ہوئیں، ''خدایا! میں مومنہ ہوں، تجھے ابراہیم (علیہ السلام) بانی خانہ کعبہ اور اِس مولود کا واسطہ جو میرے بطن میں ہے، میری مشکل دُور فرما۔'' ابھی دُعا کے جملے ختم نہیں ہُوئے تھے کہ دیوارِ کعبہ شق ہوگئی اور جناب فاطمہ بنتِ اسد خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوگئیں۔ دیوارِ کعبہ پھر جُوں کی تُوں ہوگئی۔[۲]

پس خانہ کعبہ کے اندر علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ آپ دُنیا میں تشریف لائے مگر آنکھیں نہیں کھولیں۔ جناب فاطمہؑ بنتِ اسد سمجھیں کہ بچّہ بے نُور ہے لیکن تیسرے دن سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور علی علیہ السلام کو آغوشِ رسالت میں لیا تو اُنھوں نے آنکھیں کھولیں اور پہلی نظر جمالِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈالی، سلام عرض کیا اور تلاوتِ صحف آسمانی شروع کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گلے لگایا اور یہ کہہ کر کہ اے علی! جب تم میرے ہو تو میں بھی تمھارا ہوں، اپنی زبانِ اطہر دہنِ علی علیہ السلام میں دے دی۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دہنِ

---

[۱] حاکم، مستدرک، ج ۳ ص ۴۸۴

[۲] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۲۳۳ بحوالہ بخاری و مسلم کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۳

امامت میں بارہ چشمے جاری ہو گئے اور علی علیہ السلام خوب سیراب ہُوئے اسی لیے اِس دن کو ''یوم الترویہ'' کہتے ہیں کیونکہ ''ترویہ'' کے معنی سیرابی کے ہیں۔[1]

حضرت علی علیہ السلام خانہ کعبہ سے چوتھے روز باہر لائے گئے۔ آپ پاک و پاکیزہ، طیب وطاہر اور مختون پیدا ہُوئے تھے۔ آپ کی پیشانی کبھی کسی بُت کے سامنے نہیں جھکی اِسی لیے آپ کو کرم اللہ وجہہ' بھی کہا جاتا ہے۔[2]

آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپکا نام حیدر اور والد نے اسد رکھا۔ خاندان والوں نے زید رکھنا چاہا لیکن حضرت ابوطالب علیہ السلام کی دُعا پر آسمان سے ایک تختی نازل ہوئی جس پر مرقوم تھا کہ اس بچّے کا نام، نامِ خدا پر علی رکھو تا کہ خدا کے نام کی برکت سے اِس کی بلندی برقرار رہے اور اِس کی بقا سے نامِ خدا کی بقا وابستہ رہے۔''[3]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے والد حضرت ابوطالب علیہ السلام کی آغوش میں پرورش پائی تھی اور حضرت علی علیہ السلام کو آغوشِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پروان چڑھنے کا شرفِ عظیم حاصل ہُوا، پس علی علیہ السلام نے اس کا حق یوں ادا کیا کہ اپنے بابا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی طرح اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام وقف کر دی۔ اسلام کی پہلی نمازِ باجماعت ہو یا دعوتِ ذوالعشیرہ، غزوۂ اُحد و بدر و حنین ہوں یا خیبر کا ناقابلِ تسخیر قلعہ، یا پھر حیاتِ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی بھی اہم اور نازک لمحہ، آپ علیہ السلام اپنے رسول، اپنے ہادی، اپنے معلم اور اپنے بھائی کی حفاظت کے لیے ڈھال کی طرح آ گے، بہترین معاون کی طرح شانہ بشانہ اور اطاعت کے لیے پیچھے پیچھے نظر آتے ہیں۔

---

[1] علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشفُ الغُمَّة، ص ۱۳۲

[2] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۱۱۹، ۱۲۰ بحوالہ ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ) الصواعق المحرقة، ص ۷۲، علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشفُ الغُمَّة۔ نُور الابصار، ص ۷۶

[3] علامہ سیّد ذیشان حیدر جوادی (متوفی ۲۰۰۰ء)، نقوشِ عصمت، ص ۱۱۳

ڈاکٹر محمد طاہر القادری اپنی کتاب اَلسیفُ الجَلی علیٰ مُنکرِ ولایة علی (علیہ السلام) میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب التفہیمات الالٰہیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اس اُمتِ مرحومہ میں فاتح اوّل ولایت کا دروازہ سب سے پہلے کھولنے والے فرد حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں پہلا فرد جو ولایت (سب سے اعلیٰ و اقویٰ طریق) کے بابِ جذب کا فاتح بنا اور جس نے اس مقامِ بلند پر (پہلا) قدم رکھا وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ہے، اسی وجہ سے روحانیت و ولایت کے مختلف طریقوں کے سلاسل آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، حضرت امیر علیہ السلام کا رازِ ولایت آپ کی اولاد کرام میں سرایت کر گیا چنانچہ اولیائے اُمت میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی طور پر حضرت علی علیہ السلام کے خاندانِ امامت سے (اکتسابِ ولایت کے لیے) وابستہ نہ ہو۔''

ڈاکٹر محمد طاہر القادری آگے چل کر لکھتے ہیں، ''اِس نکتہ کو شاہ اسماعیل دہلوی نے بصراحت یوں لکھا ہے، ''حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے لیے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ علیہ السلام کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور ان ہی جیسی باقی خدمات کا آپ کے زمانے سے لے کر دُنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالمِ ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔ اہلِ ولایت کے اکثر سلسلے بھی جنابِ مرتضیٰ علیہ السلام ہی کی طرف منسوب ہیں، پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبے والے ہونگے، حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے دکھائی دے گا کہ اِس مقام کا تماشا دیکھنے والوں کے لیے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا۔ یہ فیضِ ولایت کہ اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جس کا منبع و سرچشمہ سیّدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام مقرر ہُوئے اِس میں سیّدۂ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام اور حضرات حسنین کریمین علیہم السلام بھی آپ کے ساتھ شریک کیے گئے ہیں اور پھر اُن کی وساطت سے یہ سلسلۂ ولایتِ کبریٰ اور غوثیتِ عظمیٰ اُن بارہ ائمہ اہل بیت (علیہم السلام) میں ترتیب سے چلایا گیا جن کے آخری فرد

سیّدنا امام محمد مہدی علیہ السّلام ہیں۔ جس طرح سیّدنا مولا علی علیہ السّلام اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فاتحِ ولایت کے درجہ پر فائز ہُوئے، اُسی طرح سیّدنا امام مہدی علیہ السّلام اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خاتمِ ولایت کے درجہ پر فائز ہونگے۔ اِس موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ آپ لکھتے ہیں، ''اور ایک راہ وہ ہے جو قربِ ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب واوتاد اور بدلا اور نجبا اور عام اولیا اللہ اِسی راہ سے واصل ہیں، اور راہِ سلوک اِسی راہ سے عبارت ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اِسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے سردار اور اُن کے بزرگوں کے منبعِ فیض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب اُن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں قدم مبارک حضرت علی علیہ السّلام کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ علیہا السّلام اور حضرات حسنین کریمین علیہم السّلام اِس مقام میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر علیہ السّلام اپنی جسدی پیدائش سے پہلے اِس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے، جیسا کہ آپ علیہ السّلام جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جسے بھی فیض و ہدایت اِس راہ سے پہنچی ان کے ذریعے پہنچی، کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز اُن سے تعلق رکھتا ہے، اور جب حضرت امیر علیہ السّلام کا دَور ختم ہُوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کریمین علیہم السّلام کو سپرد ہُوا اور اُن کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشرہ میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے تفویض ہُوا، اور اِن بزرگوں کے زمانے میں اور اِسی طرح اِن کے انتقال کے بعد جس کسی کو فیض اور ہدایت پہنچی ہے اِن ہی بزرگوں کے ذریعے پہنچی ہے، اگرچہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں، اور سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کیے بغیر چارہ نہیں۔'' حضرت مجدد الف ثانی مزید فرماتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السّلام بھی کارِ ولایت میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السّلام کے ساتھ شریک ہوں گے۔ [۱]

---

[۱] ڈاکٹر محمد طاہر القادری، السیف الجلی علیٰ منکر ولایۃ علی علیہ السّلام، ص ۱۵ بحوالہ مجدد الف ثانی، مکتوبات، مکتوب ۱۲۳

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تدبُّر اور انصاف

(۱۸ قبل ہجرت/ ۶۰۵ء)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال تھی جب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو شروع کردی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنفسِ نفیس اس تعمیر میں شامل ہُوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دوسروں کے ہمراہ پتھر لاتے اور محنت ومشقت کرتے۔ جب خانہ کعبہ کی دیواریں حجرِ اَسود کے مقام تک پہنچیں اور اُس کے نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو قبائل میں جھگڑا پیدا ہوگیا حتیٰ کہ جنگ وجدال اور قتل کی دھمکیاں دی جانے لگیں۔ ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ حجرِ اَسود کو اپنی جگہ پر نصب کرنے کی سعادت اُسے نصیب ہو۔ چند دن اِسی طرح گذرے پھر باہم صلاح مشورہ ہُوا تو ابواُمیہ بن مغیرہ نے کہا کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آئے اُس کو اپنا حَکم بنالو اور وہ جو فیصلہ کرے اُسے تسلیم کرلو۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اگلے دن سب سے پہلے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم میں داخل ہُوئے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امین ہیں اور ہمیں اِن کا فیصلہ قبول ہے۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی متفقہ رائے سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مضبوط چادر لاؤ۔ جب چادر لائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرِ اَسود کو اُٹھا کر اُس پر رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ چادر کا ایک کنارہ پکڑ کر اِسے اُٹھائے۔ پس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب حجرِ اَسود کو تنصیب کی جگہ تک لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُسے اُٹھا کر اُس کی جگہ پر نصب کردیا اور پھر باقی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تدبُّر اور عدل کی وجہ سے جنگ وجدال کا خطرہ ٹل گیا اور امن نصیب ہُوا۔[۱]

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۸۵

غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت گذاری

روایت ہے کہ جناب سیّدُ المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۳۸ سال کی عمر میں کوہِ حرا جسے ''جبلِ نور'' بھی کہتے ہیں، کے ایک غار کو عبادت گذاری کے لیے مخصوص فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر راحت محسوس کرتے۔ یوں تو دو دو چار چار شب و روز وہاں رہا کرتے لیکن ماہِ رمضان سارے کا سارا وہیں گذارتے تھے۔[١]

مؤرّخین لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستو اور پانی لے کر مکّہ سے کوئی دو میل دُور کوہِ حرا کے ایک غار میں تشریف لے جاتے۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کا پورا مہینہ اس غار میں گذارتے، آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور کائنات کے مشاہد اور اِس کے پیچھے کارفرما قدرتِ نادرہ پر غور فرماتے۔[٢] ''بخاری'' میں ہے کہ توشہ ختم ہونے پر اپنی اہلیہ محترمہ خدیجہ (علیہا السلام) کے پاس تشریف لاتے اور کچھ توشہ ہمراہ لے کر پھر وہاں جا کر خلوت گزیں ہو جاتے۔[٣]

غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت گذاری کا زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کا وہ دَور تھا جس میں عام انسان اپنی ہی ہستی کے مدار میں چکر لگاتا رہتا ہے۔ اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنے گھر اور اپنے اردگرد کے ماحول میں مگن رہتا ہے اور دولت و شہرت کے حصول میں گامزن رہتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عام انسان نہیں تھے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے سردار، راہبر و راہنما اور اللہ کے نبی تھے۔ (لفظ ''تھے'' کا استعمال اس لیے کیا گیا ہے کہ بات

---

[١] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۲

[٢] مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۹۶

[٣] بخاری، باب وحی، حدیث ۳

ماضی کے حوالے سے ہو رہی ہے ورنہ ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ''ہیں'') آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوصاف کی اُن بُلندیوں پر براجمان تھے کہ اُس مقامِ اعلیٰ تک کوئی اور پہنچ ہی نہیں سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی گھریلو اور معاشرتی ذمہ داریوں کو بھی نبھاتے تھے اور عبادتِ الٰہی اور غور و فکر کے لیے آبادی سے دُور گوشۂ تنہائی میں بھی جاتے تھے۔ اُس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریکِ حیات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ہونا اور قریب ہی کسی مقام پر موجود رہنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''تجرُّد'' وغیرہ قطعی نہیں اختیار کیا تھا بلکہ اپنی عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کو بھی بھرپور وقت دیتے تھے۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریکِ حیات جناب خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کا نہایت عمدہ کردار سامنے آتا ہے یعنی اُنھوں نے عام بیویوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے باہر اتنا وقت گذارنے پر نہ صرف یہ کہ کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین معاون و مددگار بھی ثابت ہوئیں۔ حضرت خدیجہ کبریٰ علیہا السلام اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جاتی تھیں اور ستو اور پانی ختم ہوجانے پر جبلِ نُور سے نیچے تشریف لاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اشیائے خورد نوش لے کر پھر پہاڑ پر جاتیں۔

۱۲ فٹ لمبا اور ۵ فٹ ۱۳ انچ چوڑا غارِ حرا مکّہ سے ۲ میل دُور، سطحِ سمندر سے ۲۵۰۰ فٹ اور زمینی سطح سے ۸۹۰ فٹ بلند تقریباً ۶۰۰ قدم کی انتہائی دشوار گذار چڑھائی پر واقع ہے۔ اس کا نصف قطر (Radius) ۸۶۳ فٹ سے کچھ زیادہ ہے۔[۱]

جناب خدیجہ طاہرہ علیہا السلام جو مکّہ کی سب سے مالدار خاتون تھیں اور جنہوں نے بہت ناز و نعم سے ایک نہایت پُرآسائش زندگی گزاری تھی، اپنے شوہر اور نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں با پیادہ یہ مشکل ترین سفر کرتیں مگر یہ کٹھن سفر اُن کی طبعِ نازک پر کبھی گراں نہیں گذرا۔

---

[۱] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا (Wikipedia, Encyclopedia)

پہلی وحی اور آغازِ بعثت

(۱۲ قبل ہجرت/ ۶۱۰ء)

بعثت کا لفظ عام طور پر رسالت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی آغازِ بعثت کا مطلب آغازِ رسالت لیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ازل سے اللہ کے رسول ہیں اور اَبد تک رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا آغاز، آغازِ بعثت سے نہیں ہوتا کیونکہ آغازِ بعثت سے مُراد وہ موقع ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ رسالت کا حکم ہُوا۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر چالیس سال ایک یوم تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غارِ حرا میں مشغولِ عبادتِ پروردگار تھے کہ آواز آئی ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔ پھر آواز آئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوبارہ اِدھر اُدھر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر ایک نورانی مخلوق پر پڑی، وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا، ''اِقْرَأْ'' (پڑھیے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مَا اَقْرَأُ'' (کیا پڑھوں؟) اُنھوں نے عرض کیا ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱'' (پڑھیے اپنے رب کا نام لے کر جس نے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو) خلق فرمایا)۔[۱] پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب کچھ پڑھ دیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علمِ قرآن پہلے سے حاصل تھا۔ جبرائیل علیہ السلام کی اِس تحریکِ اقراء کا مقصد یہ تھا کہ نزولِ قرآن کی ابتدا ہو جائے۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے وضو اور نماز کی طرف اشارہ کیا اور نماز کی تعدادِ رکعت کی طرف بھی متوجہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وضو کیا اور نماز ادا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب سے پہلے جو نماز ادا فرمائی وہ ظہر کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں سے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ دونوں نے فوراً اظہارِ ایمان کیا اور نمازِ عصر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے باجماعت ادا کی۔ یہ اسلام کی پہلی نمازِ باجماعت تھی،

---

[۱] سورۃ العلق، آیت ۱

اِس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام اور حضرت خدیجہ علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام ماموم تھے۔ عفیف کندی نے اپنی روایت میں چشم دید گواہ کی حیثیت سے بیان کیا ہے کہ بعثت کے فوراً بعد میں نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اِس عالم میں نماز پڑھتے ہُوئے دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے جناب خدیجہ (علیہا السلام) اور حضرت علی (علیہ السلام) کھڑے ہُوئے تھے اور اُس وقت کوئی اور اسلام نہیں لایا تھا۔ [1]

اِس واقعے کی تفصیل یوں ہے کہ ابنِ عفیف کندی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں تجارت پیشہ آدمی تھا حج کے لیے مکّہ آیا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مال خریدنے کے لیے آیا۔ ہم منیٰ میں تھے کہ قریب ہی نصب ایک خیمے سے ایک عظیم شخصیت برآمد ہوئی۔ اُنھوں نے وقت کا اندازہ لگانے کے لیے سورج کی طرف دیکھا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ پھر اُس خیمے سے ایک خاتون نکلیں اور اُن کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہو گئیں، پھر ایک نوخیز نوجوان بھی خیمے سے نکلا جو بلوغت کے قریب پہنچا ہُوا تھا۔ وہ بھی اُن کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔ میں نے (اُس عظیم شخصیت سے متعلق) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا یہ میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ کہنے لگے کہ یہ اُن کی زوجہ خدیجہ بنت خویلد (علیہا السلام) ہیں۔ میں نے جوان کے بارے میں استفسار کیا تو اُنھوں نے بتایا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا زاد بھائی علی (علیہ السلام) ابن ابی طالب ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ نماز پڑھ رہے ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہیں، ابھی تک اس دعویٰ میں اُن کی تصدیق وتائید صرف اِن کی زوجہ خدیجۃ الکبریٰ (علیہا السلام) اور

---

[1] علامہ ابن عبدالبر قرطبی، استیعاب، ج ۲ ص ۲۲۵۔ علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۶۳۸ھ) اسد الغابۃ، ج ۲ ص ۴۱۴۔ علامہ ابن جریر طبری، تاریخ کبیر، ج ۲ ص ۲۱۲ علامہ ابنِ کثیر، تاریخ کامل، ج ۲ ص ۲۰۔ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۲، ۵۳

چچازاد بھائی (علی علیہ السّلام) نے کی ہے۔[1]

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ سورۃ العلق سب سے پہلے نازل ہُوا البتہ بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سورۃ مدثر نازل ہُوا جب کہ بعض سورۃ فاتحہ کو پہلا سورۃ کہتے ہیں، لیکن یہ روایت کہ جب پہلی دفعہ جبرائیل علیہ السّلام نازل ہُوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ڈر گئے اور جا کر لحاف میں چُھپ گئے، شانِ نبوّت کے خلاف ہے اور ہمارے عقیدے کی رُو سے باطل ہے۔

بروایتے، پہلی دفعہ غارِ حرا میں جبرائیل علیہ السّلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہُوئے تو وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبادت سے فارغ ہو کر جب گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہ طاہرہ علیہا السّلام سے ذِکر فرمایا اور حضرت خدیجہ علیہا السّلام نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ادائے امانت، صلہ رحمی اور صدق بیانی میں اپنی نظیر آپ ہیں لہٰذا یہ اللہ کے فضل و کرم کے آثار ہیں جن کا ظہور ہو رہا ہے۔ پھر حضرت خدیجہ علیہا السّلام کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے سامنے جب اِس کا تذکرہ ہُوا تو اُس نے بھی یہی رائے ظاہر کی۔ جب دوسری دفعہ جبرائیل علیہ السّلام آئے تو انھوں نے ''بِسْمِ اللهِ'' سے لے کر ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' تک پورا سورۃ فاتحہ پڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا ''اِقْرَاء''، یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پڑھیے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وحی لے کر پلٹے اور ورقہ بن نوفل نے قرآن کی آیات سنیں تو فوراً ایمان لایا اور کہنے لگا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یقیناً حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السّلام) کی پیشین گوئی کا نتیجہ ہیں اور شریعتِ موسوی کی طرح مالکِ شریعت ہیں۔ اگر میری زندگی باقی رہی تو میں ہر طرح سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نصرت کا فریضہ ادا کروں گا۔ چنانچہ اُس کی موت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کو جنّت کے باغات میں دیکھا۔[2]

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السّلام کے ساتھ شادی کے بعد جب

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۲۰۵

[2] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، تفسیر سورۃ العلق، ج ۱۴ ص ۲۳۷

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پوری چالیس برس ہوئی تو غارِ حرا میں عبادت کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غائبانہ آواز سُنی اور حضرت خدیجہ علیہا السلام سے اِس کا تذکرہ کیا۔ دوسرے دن غارِ حرا میں تشریف لے گئے تو جبرائیل علیہ السلام ایک حسین ترین شکل میں سامنے آئے، اللہ کا سلام اور پیغام پہنچایا کہ آپ جن و اِنس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں لہٰذا اُن کو دینِ حق کی تبلیغ فرمائیں اور عقیدۂ توحید و نبوّت اور ولایت کی دعوت دیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو پانی کا شیریں چشمہ جاری ہُوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس میں سے کچھ پانی پیا اور وضو کیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے سورۃ العلق کی آیات پڑھیں اور واپس چلے گئے۔ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس درخت، پتھر اور کنکر کے پاس سے گذرتے تھے وہ ''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا رَسُولَ اللہ'' کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرتا تھا۔ پس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ علیہا السلام سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ [1]

اکثر کتابوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کی اِس فصل کے بارے میں ایسے ناموزوں مطالب نظر آتے ہیں جو جعلی، وضعی اور گھڑی ہوئی روایات پر مبنی ہیں، مثلاً یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزولِ وحی کے پہلے واقعے پر بہت ہی پریشان ہُوئے اور ڈر گئے ...... اور جب جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! پڑھیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ تب جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آغوش میں لے کر بھینچا اور پھر کہا ''پڑھیے'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہُوا نہیں ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ [2] اِسی قسم کی روایات کے حوالے سے بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب ''اُمّی'' کے معنی ''اَن پڑھ'' اَخذ کرتے ہیں۔

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، تفسیر سورۃ العلق، ج ۱۴ ص ۲۳۷

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۵۹

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لقب ''اُمّی'' کی وضاحت

اُمّی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہترین القاب میں سے ایک ہے جسے بعض لوگ اپنی کم علمی، کم فہمی یا کم بختی کی بنا پر غلط معنی پہناتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اُمّی کا مطلب ''اَن پڑھ'' ہے اور اِسی مطلب کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی منسوب کرتے ہیں اور استدلال یہ پیش کرتے ہیں کہ جب پہلی وحی آئی اور جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا، ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ'' یعنی پڑھیے! اپنے رَب کا نام لے کر جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیدا کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا، یہ مکالمہ ایک مرتبہ نہیں دو یا تین مرتبہ ہُوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا اس لیے کہا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پڑھنا آتا ہی نہیں تھا۔

میں جب اِس طرح کی غیر منطقی روایات پڑھتا ہوں تو مجھے سخت تعجب ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والے ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علم کا شہر ہیں، پھر اچانک وہ بھول جاتے ہیں اور یہ کہنے لگتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو اَن پڑھ تھے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واقعی اَن پڑھ تھے تو جبرائیل علیہ السلام نے کیوں کہا کہ پڑھیے؟ کیا اُنھیں معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھنا نہیں جانتے؟ چلو کوئی بات نہیں وہ بھی تو فرشتے تھے، اللہ کی ایک مخلوق، کمپیوٹر کی طرح پروگرامڈ (Programmed) ایک ایسی مخلوق جسے جو پروگرام خالقِ کائنات نے دے دیا بس اُسی پر چلتے جانا ہے، بغیر کسی ردوبدل کے، وہ فرشتے تھے معاذ اللہ خدا تو نہیں تھے لہٰذا جب اللہ جل شانہٗ نے فرمادیا کہ جا کر میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ کہہ دو، تو کہہ دیا۔ توجہ طلب نکتہ اِس ساری بحث میں یہ ہے کہ وہ اللہ جو علیم وخبیر ہے، کیا وہ بھی یہ نہیں جانتا تھا (معاذ اللہ) کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پڑھنا نہیں جانتے؟ اور پھر اپنے مقرب فرشتے کے ذریعے، اُن سے جو پڑھنا نہیں جانتے تھے، یہ کہہ رہا ہے کہ پڑھیے!...... چنانچہ یہ

کہہ کر کہ (معاذ اللہ) اللہ واقعی یہ نہیں جانتا تھا دائرۂ اسلام سے خارج ہونا پڑے گا یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''اَن پڑھ'' کہنا سراسر جہالت ہے۔ ہاں ! اتنا ضرور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی انسان، کسی مکتب یا کسی ادارے سے قطعاً کوئی تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام علوم سے سرفراز فرما دیا، یہی وجہ ہے کہ سبھی علوم کے چشمے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ باکمال سے ہی پھوٹتے ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں، ''میں علم کا شہر ہوں.... الخ''[1]

شیخ صدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین ''علل الشرایع ''میں عبداللہ محمد بن خالد برقی جعفر بن محمد صوفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد تقی علیہ السلام سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمّی کے لقب سے کیوں یاد کیا جاتا ہے؟

آپ نے پوچھا کہ لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمّی کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ (جو یہ کہتے ہیں) وہ جھوٹے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی کتابِ حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:[2]

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲

(وہی ہے جس نے اُمّیوں میں سے ایک رسول اُٹھایا خود اُن ہی میں سے جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور ان کو کتابِ اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو دانائی

---

[1] حاکم، المستدرک ۳:۱۳۷۔ الدیلمی فی فردوس بماثور الخطاب ۱:۳۳، الطبرانی، المعجم الکبیر

[2] سورۃ الجمعہ، آیت ۲

سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہُوئے تھے)

سوچنے کی بات ہے کہ جو شخص خود لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو وہ دوسروں کو کیسے پڑھائے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر (۷۲) زبانوں میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے، راوی کا کہنا ہے کہ یا شاید آپ نے فرمایا کہ تہتر (۷۳) زبانوں میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمّی کے لقب سے اِس لیے یاد کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ کے باشندے تھے اور مکّہ ہی اُمّ القریٰ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[۱]

''وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ''[۲]

(اور تا کہ ڈراؤ تم اہلِ مکّہ کو)

یہی روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی بیان کی گئی ہے۔[۳]

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ۝

---

[۱] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع، ص ۹۴

[۲] سورۃ انعام، آیت نمبر ۹۲

[۳] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع، ص ۹۴

ہواتف، جمادات، نباتات
اور حیوانات وغیرہ کی گواہی

نصر بن سفیان ہذلی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ہم نے شام جاتے ہُوئے زرقا و معان کے درمیان قیام کیا، رات کے وقت زمین و آسمان کے بیچ ایک سوار پکار پکار کر کہہ رہا تھا، ''اے سونے والو! اُٹھو یہ سونے کا وقت نہیں، احمد مُرسَل (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مبعوث ہو چکے ہیں اور شیاطین کو انتہائی دُور دراز بھگا دیا گیا ہے۔'' یہ آواز ہم سب نے سُنی۔ [1]

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ سواد بن قارب کو اُن کے تابع ایک ''جِنّ'' نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور و بعثت کی خبر دی۔ سواد کا بیان ہے کہ اُس نے مجھے سوتے ہُوئے پاؤں کی ٹھوکر مار کر جگایا اور کہا، ''اے سواد بن قارب! اُٹھ اگر تجھ میں ذرا بھی شعور ہے تو اُسے کام میں لا اور کہانت کو چھوڑ کر دینِ اسلام میں داخل ہو جا کیونکہ لوی بن غالب کی اولاد سے ایک نبی مبعوث ہو چکے ہیں جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اُسی کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔'' میں نے اُس کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا اور کہا کہ مجھے سونے دو۔ دوسری رات ہوئی تو پھر ایسا ہُوا۔ میں نے کوئی توجہ نہ دی اور اُسے کہا کہ مجھے سونے دو۔ تیسری رات وہ جِنّ پھر آیا اور حسبِ سابق مجھے ٹھوکر مار کر جگایا اور کہا، ''میں نے تجھے بارہا کہا ہے، عقل سے کام لے اور غفلت کے پردوں سے باہر آ، لوی بن غالب کی نسل سے نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مبعوث ہو چکے ہیں جو اللہ کی طرف اور اُس کی عبادت و اطاعت کی طرف بلاتے ہیں، پس تُو فوراً بنی ہاشم کی طرف جا جو مکّہ مکرّمہ کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے درمیان ہیں۔'' اُس جِنّ کے بار بار متنبہ کرنے پر میرے دِل میں اسلام کی محبت و رغبت پیدا ہو گئی اور صبح ہوتے ہی میں مکّہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں مجھے

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۱۸۶

معلوم ہُوا کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما گئے ہیں۔ میں مدینہ طیّبہ پہنچا اور آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گیا۔[1]

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ بعثتِ نبوی کی پہلی خبر ایک جِنّ کے ذریعے مدینہ طیّبہ پہنچی۔ وہ ایک عورت پر عاشق تھا، اکثر اُس کے گھر پہنچ جاتا اور برائی کا مرتکب ہوتا۔ ایک دن وہ غائب ہو گیا اور کچھ عرصہ غیر حاضر رہنے کے بعد پھر ظاہر ہُوا لیکن اس مرتبہ اُس کے گھر میں داخل ہونے کی بجائے دیوار پر آبیٹھا۔ عورت نے اُس کے غائب ہو جانے اور خلافِ معمول اِس طرح دیوار پر بیٹھنے پر تعجب کا اظہار کیا تو وہ بولا ''اب وہ ہستی ظہور پذیر ہو چکی ہے جس نے انسانوں کے گھروں میں ہمارا رہنا ممنوع اور بدکاری کو حرام قرار دیا ہے۔''[2]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ روایت یوں منقول ہے کہ بنی النجار کی ایک عورت کے پاس ایک جِنّ آیا کرتا تھا۔ جب سیّد عرب وعجم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو وہ اُس کے گھر کی دیوار پر آ پڑا۔ عورت نے پوچھا کہ آج تم پہلے کی طرح نہیں آئے ہو معاملہ کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ وہ ذات ظہور فرما چکی ہے جس نے شراب اور بدکاری کو حرام فرما دیا ہے۔[3]

خریم بن فالک سے مروی ہے کہ میں اپنے چوپائیوں کی تلاش میں تھا کہ مجھے ابرق غراف کے مقام پر رات آ گئی۔ میں نے بُلند آواز سے کہا میں اِس وادی کے عزت وعظمت والے جِنّ کی سفہا اور بیوقوف جِنّات کے شر سے پناہ لیتا ہوں تو ناگاہ غیب سے ندا آئی، ''اے جوان! اللہ کی پناہ لے جو برتری کا مالک ہے اور انعامات وافضال سے نوازنے والا ہے اور رسول اللہ (ﷺ) خیرات وفیوض کے مالک ہیں اور نجات کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ نماز اور روزے کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کو بداعمالیوں اور بدکرداریوں سے سختی کے ساتھ الگ کرتے

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا ﷺ (الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۷

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سیّد الانبیا ﷺ (الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۹

[3] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سیّد الانبیا ﷺ (الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۹

ہیں۔‘‘[۱]

عبداللہ عمانی نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک بُت عمان کے ایک قریہ میں نصب تھا اور چند قبائل اُس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اُس کے مجاور کا نام مازن تھا۔ ایک رات ہم نے اُس کے قریب قربانی کی تو میں نے بُت کے اندر سے یہ آواز سنی ’’اے مازن! سُن اور خوش ہو جا کہ خیر ظاہر اور غالب ہو گیا اور شر پوشیدہ اور ذلیل ہو گیا۔ قبیلہ ’’مضر‘‘ سے ایک نبی مبعوث ہو گئے ہیں جنہوں نے لوگوں کو خدائے برتر کا دِین عطا کیا ہے لہٰذا اب پتھر سے تراشے ہُوئے معبود کو ترک کر تا کہ تُو جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے۔‘‘[۲]

ابوعمر ہذلی کا بیان ہے کہ میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ ’’سواع‘‘ کے پاس قربانیاں لے کر پہنچا۔ میں نے اُس کے لیے ایک گائے کو ذبح کیا تو اُس کے اندر سے یہ آواز آئی ’’نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے جو زنا کو اور بتوں کے لیے ذبیحہ کو حرام قرار دیتے ہیں، آسمانوں کو جِنّات (شیاطین) کی آمد و رفت سے محفوظ کر دیا گیا ہے اور اُنھیں شہبِ ناریہ سے نشانہ بنایا جاتا ہے۔[۳]

مجاہد سے مروی ہے کہ ہمیں ابن عنبس نامی ایک بوڑھے نے بتایا کہ میں اپنی گائے ہانکتے ہُوئے جا رہا تھا کہ میں نے اُس کے اندر سے آواز سنی ’’اے آلِ ذریح! کھلی اور واضح بات ہے کہ ایک ہستی بآوازِ بُلند لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ پکار رہی ہے۔‘‘ ہم مکّہ مکرمہ پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بِعثت ہو چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوّت کا دعویٰ فرما چکے تھے۔[۴]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نبی الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مکّہ

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۸۹

[۲] عبدالرحمٰن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۹۱

[۳] عبدالرحمٰن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۹۴

[۴] عبدالرحمٰن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۹۴

مکرمہ میں تھا، ہم ایک طرف کو نکلے جدھر پہاڑ اور درخت تھے، حضورانور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس درخت یا پتھر کے پاس سے گذرتے تھے وہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ'' کہہ کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتا۔ [1]

اس روایت کی تائید حضرت جابرؓ بن سمرہ نے بھی کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مکّہ میں ایک پتھر تھا جو مجھے اُن راتوں میں سلام کیا کرتا تھا جب میں مبعوث ہُوا اور میں اُسے اب بھی پہچانتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مکّہ میں جس پتھر کی طرف سے بھی میں گزرتا تھا (اُس میں سے) ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ'' کی آواز آتی تھی۔ [2]

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے خطبۂ قاصعہ میں فرمایا کہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت سے فرمایا کہ اگر تُو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور مجھے اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جانتا ہے تو باذنِ خدا اپنی جگہ سے چل کر میرے پاس آجا۔ پس قسم اُس خدا کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا ہے، ایک آواز پیدا ہوئی اور وہ اپنی جگہ سے اُکھڑا۔ اُس کی شاخیں طائر کے پروں کی طرح دونوں طرف پھیل گئیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکھڑا ہُوا۔ اُس کی کچھ بُلند شاخیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھک گئیں اور کچھ میرے شانوں پر۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو ازراہِ تمرُّدی کہنے لگے، ''اِسے حکم دیجیے کہ اس کا آدھا حصّہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حکم دیا تو وہ بیچ میں سے دو لخت ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلا آیا۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ ''اسے کہیے کہ اب اپنے بقیہ آدھے حصّے سے جا ملے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم پا کر وہ اپنے بقیہ حصّے سے جا ملا، مگر وہ

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۹۷
مولانا سید ظفرحسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہرآشوب) ج ۱ ص ۲۷

[2] جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۰۰

(بدبخت) کہنے لگے، ''یہ شخص ساحر اور کذاب ہے۔'' (معاذ اللہ)[1]

حضرت ابنِ عباسؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔ اُنھوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اِس درخت کو بُلا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے درخت کو بلایا تو وہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جھک گیا، یہ دیکھ کر حضرت ابوطالب (علیہ السلام) بولے، ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) خدا کے سچّے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں۔'' پھر اُنھوں نے اپنے بیٹے علی (علیہ السلام) سے کہا، ''اے علی! تم اپنے ابنِ عم کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔''[2]

بروایتے، مالک بن صیف نے کہا کہ اگر میرا فرش گواہی دے تو میں ایمان لے آؤں گا۔ ابولبابہ بن عبداللہ بولا کہ میرا کوڑا گواہی دے تو میں ایمان لاؤں گا۔ کعب بن اشرف کہنے لگا کہ میرا گدھا گواہی دے تو میں بھی ایمان لاؤں گا۔ خالقِ کائنات کے حکم سے فرش نے شہادتین (کلمہ شہادت) کو بیان کیا تو لوگوں نے کہا یہ تو کُھلا جادُو ہے۔ پس فرش بُلند ہُوا اور اُن سب کو پٹخ دیا۔ ابولبابہ کے کوڑے نے شہادتین دیں (مگر وہ ایمان نہ لایا تو) اُس کے ہاتھ سے لپٹ گیا اور وہ اوندھے مُنہ گر پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے نصیحت فرمائی چنانچہ اُس نے خوفزدہ ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ کعب (منکر ہو کر) اپنے گدھے پر سوار ہُوا تو اُس نے اُسے زمین پر پٹخ دیا اور کہا کہ تُو بُرا بندہ ہے جو معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعب سے فرمایا کہ تیرا گدھا تجھ سے بہتر ہے اس لیے یہ تجھے اپنے اُوپر کبھی سوار نہیں ہونے دے گا۔ بعدازاں کعب نے تنگ آ کر وہ گدھا ثابت بن قیس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔[3]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۳۳۸

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۳۳۹

[3] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۳۹

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک اعرابی حاضر ہُوا۔ اُس کے پاس ایک گوہ (سوسمار/ چھپکلی نما جانور) تھی۔ کہنے لگا، ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! جب تک یہ گوہ اسلام نہ لائے گی میں ایمان نہیں لاؤں گا۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس گوہ سے فرمایا، ''بتا تیرا رب کون ہے؟'' اُس نے جواب دیا، ''میرا رب وہ ہے جس کی حکومت وسلطنت زمین و آسمان میں ہے، جس کے عجائب بحر میں ہیں اور جس کے غرائب بَر میں ہیں اور جس کو ارحام سے متعلق (سب) علم ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''بتا کہ میں کون ہوں؟'' اُس نے کہا، ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) رسولِ خدا ہیں اور قیامت تک تمام لوگوں کی زینت اور اُن کے قائد ہیں، جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان لایا اُس نے فلاح پائی اور صاحبِ سعادت ہُوا۔'' اعرابی نے کلمہ شہادتین پڑھا اور بولا، ''میں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دشمن بن کر آیا تھا لیکن اب دوست بن کر جارہا ہوں۔'' اُس کا نام سعد بن معاذ سلمی تھا۔ سعد نے اپنے گھر پہنچ کر ساتھیوں کو جمع کیا اور یہ واقعہ بیان کیا۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور اسلام قبول کرلیا۔[1]

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہودیوں نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ان پہاڑوں سے اپنی نبوّت کی تصدیق کرادیجیے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک پہاڑ کو حکم دیا تو وہ متحرک ہُوا، اُس میں بھونچال آیا، پانی جاری ہُوا اور آواز آئی اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ سَیِّدُ الْخَلْقِ اَجْمَعِیْنَ○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر حکم دیا تو وہ دو ٹکڑے ہوگیا، نیچے کا حصّہ اُوپر ہوگیا اور اُوپر کا حصّہ نیچے آگیا۔ پھر فرمایا اے پہاڑ! بحقِ محمد وآلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کلام کر۔ چنانچہ اُس میں سے ایک گونج سنائی دی۔ یہودی کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے لوگوں کو اس پہاڑ کے اندر چھپا رکھا ہے اور وہی بول رہے ہیں۔ قریش نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور علی (علیہ السلام) کی طرف پتھر پھینکے لیکن پتھروں نے اُنھیں سلام کیا۔ تب اُن میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ضرور زمین کے اندر بھی انسان چھپائے گئے ہیں جو یہ کلام کررہے ہیں۔ ایسا کہنے

[1] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ا ص ۳۹

والے دس لوگ تھے جن کے سروں پر پتھر برسے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اُن کے قبیلے والے آہ و فغاں کرتے ہُوئے آئے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے عزیزوں کو جادُو سے مار ڈالا۔ خدا کے حکم سے اُن مُردوں نے کلام کیا اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچّے ہیں اور تم جھوٹے ہو۔ ابو جہل کہنے لگا کہ یہ تو بہت بڑا جادُو ہے۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، حضرت اُمّ سلمہؓ، حضرت زیدؓ بن ارقم اور حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک ہرنی پکڑ رکھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُدھر سے گذر ہُوا تو ہرنی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور فریاد کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں دو بچّوں کی ماں ہوں جو بھوکے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آزاد کروا دیجیے، میں اُنھیں دُودھ پلا کر لوٹ آوٴں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تُو واپس نہ آئی تو؟ اُس نے کہا کہ خدا میرے اُوپر عذاب نازل کرے اگر میں نہ لوٹوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنی ضمانت پر آزاد کرا دیا، پس وہ اپنے بچّوں کے پاس پہنچی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ اُس کے بچّوں نے کہا کہ ہم دُودھ نہیں پئیں گے جب تک کہ تیرے ضامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تیرے انتظار کی وجہ سے) پریشانی میں ہیں۔ پس وہ اپنے بچّوں کو لے کر حاضر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں گر پڑی۔ اُس کے دونوں بچّے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک پر سر رگڑنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر یہودی کے آنسو نکل آئے اور وہ اسلام لے آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اِس ہرنی کو آزاد کیا۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرنی کے گلے میں ایک پٹہ ڈال دیا اور فرمایا کہ تمھارا گوشت شکاریوں پر حرام ہے۔ حضرت زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اُس ہرنی کو دیکھا کہ وہ جنگل میں تسبیح الٰہی کیا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی، ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ''[2]

محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنے باپ کی وصیّت کے مطابق رسولِ خدا

---

[1] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ا ص ۳۹

[2] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ا ص ۴۰

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ریشمی کپڑوں سے لدے ہُوئے سترہ اُونٹ اور سترہ حبشی غلام لے کر البطح سے روانہ ہُوا۔ وہ مکّہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تلاش کر رہا تھا کہ ابوالبختری نے ابوجہل کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ وہ رہے۔ کثیر بن عامر ابوجہل کے قریب آیا تو کہا کہ نہیں! تم وہ نہیں ہو۔ آخر کار وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچ گیا۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست و پا کو بوسہ دیا اور تمام مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ابوجہل اس پر سخت سیخ پا ہُوا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ اے آلِ غالب! یہ مال کعبہ کا ہے اور اگر تم نے اِس معاملے میں انصاف نہ کیا تو میں اپنے سینے میں تلوار گھونپ لوں گا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور اپنی تلوار بے نیام کر کے مکّہ کے اطراف میں پروپیگنڈا کرنے لگا حتیٰ کہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لڑائی کے لیے بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع کر لیے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بھی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو اکٹھا کیا۔ ابوجہل نے حضرت ابوطالب علیہ السلام سے کہا کہ تمھارے بھتیجے نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں اور اب عرب کو خون ریزی پر آمادہ کر رہا ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فلاں شخص پر جادُو کر کے اُس کا مال ہتھیا لیا ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کہنے لگے کہ ٹھہرو! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے معلوم کرنے دو۔ اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ذِکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اُن اُونٹوں کو پکارا جائے اگر وہ اُسے جواب دیں تو اُس کے، اور اگر مجھے جواب دیں تو میرے اور کل صبح یہ امتحان ہو جائے۔ ابوجہل (یہ شرط مان کر) کعبہ میں آیا اور وہاں پر رکھے ہُوئے ہبل نامی بُت کے آگے سجدہ ریز ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ اے ہبل! میں چالیس سال سے تیری عبادت کر رہا ہوں مگر کبھی تجھ سے کوئی سوال نہیں کیا، تُو میری حاجت پوری کر، اُونٹ میری پکار پر مجھے جواب دیں تا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی شماتت (نقصان پر خوش ہونا) سے بچ جاؤں تو تیرے لیے سفید موتیوں کا قبہ، جواہرات کا تاج، سونے کے کنگن اور چاندی کی جوتیاں بنواؤں گا۔ الغرض صبح ہوئی اور (مقررہ جگہ پر پہنچ کر) اُس نے اُونٹوں کو آواز دی تو اُسے کوئی جواب نہ ملا مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پکارا تو ہر ناقے نے سات بار

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی گواہی دی۔[۱]

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے کچھ سنگریزے طلب فرمائے۔ علی علیہ السلام نے سنگریزے اُٹھا کر پیش کیے تو اُن سے آواز آئی ''جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا''[۲] (حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، بے شک باطل نابود ہونے والا ہے) پس بُت خانوں کے بُت گر پڑے اور مکّہ والے کہنے لگے کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بڑا ساحر کسی کو نہیں پایا (معاذ اللہ)۔[۳]

مروی ہے کہ مکرز عامری نے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی معجزے کا سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات کنکریاں اُٹھائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں آتے ہی تسبیح کرنے لگیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنھیں ہاتھ سے رکھتے تو وہ خاموش ہو جاتیں اور اُٹھاتے تو پھر تسبیح کرنے لگتیں۔[۴]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہا کہ میں کس طرح یقین کروں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس خوشے سے کہوں اور وہ گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تب تمھیں یقین آ جائے گا؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو وہ خوشہ درخت سے ٹوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گر پڑا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ واپس چلے جاؤ تو وہ واپس چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔[۵]

---

[۱] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۵۶

[۲] سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل)، آیت ۸۱

[۳] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۴۹

[۴] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۳۸

[۵] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۳۸

عجوہ کھجور

صفار، قطب راوندی اور ابن بابویہ نے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نخلستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں موجود خرمے کے تمام درختوں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ اور اپنی شاخوں کو جھکاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں استدعا کی کہ ہمارے خرمے تناول فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر درخت سے خرمہ کھایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجوہ کے قریب پہنچے تو اُس کی شاخوں نے جھک کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''خداوندا اس میں برکت عطا فرما اور لوگوں کو اس سے نفع دے۔ اسی وجہ سے روایت کی جاتی ہے کہ عجوہ بہشت کا خرما ہے۔ [۱]

بروایتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جس روز صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھالیا کرے، اُس دن اُسے زہر اور جادُو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ [۲]

عجوہ کھجور میں کیلشیم، سلفر، لوہا، پوٹاشیم، فاسفورس، میگنیز، تانبے، B6 اور دیگر وٹامن، فولک ایسڈ، پروٹین، چینی اور قدرتی ریشے پائے جاتے ہیں جو ذہنی اور جسمانی نشو ونما کے لیے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۱۹۷
مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۲۷

[۲] صحیح بخاری حدیث ۱۹۰۶۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب فضل تمر المدينة

دعوتِ ذوالعشیرہ

(سنہ ۴ بعثت، ۹ قبل ہجرت/ ۶۱۴ء)

تحریکِ اسلام کی پہلی منزل" دعوتِ ذوالعشیرہ" تھی۔ دعوتِ ذوالعشیرہ کا واقعہ سنہ ۴ بعثت کا ہے۔ بعثت یعنی اعلانِ نبوّت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین سال تک رازداری کے ساتھ فرائضِ نبوّت کی انجام دہی فرمائی، پھر حکمِ خدا آیا کہ اب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کھلے عام تبلیغ فرمائیں چنانچہ تبلیغِ دین کا باقاعدہ آغاز اِسی منزل سے ہوتا ہے۔ تاریخ ابوالفدا کے ترجمہ میں مولانا کریم الدین حنفی لکھتے ہیں کہ تین برس تک پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) خفیہ طور پر دعوتِ اسلام کرتے رہے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [1]" یعنی ڈرائیں اپنے کنبے والوں کو جو قریب کے رشتہ دار ہیں، تو اُس وقت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے حکمِ خدا کے مطابق دعوتِ اسلام کا اظہار کرنا شروع کیا۔ اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے حضرت علی (علیہ السلام) سے ارشاد فرمایا کہ اے علی! کھانے کا ایک پیمانہ تیار کرو اور دُودھ کا ایک بڑا برتن بھی لاؤ اور عبدالمطلب کی اولاد کو بُلاؤ تا کہ میں اُن سے کلام کروں اور وہ حکم سناؤں جس پر باری تعالیٰ کی طرف سے مامور ہُوا ہوں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے حسبِ حکم کھانے کا ایک پیمانہ تیار کر کے اولادِ عبدالمطلب کو، جو تقریباً چالیس آدمی تھے، مدعو کیا۔ اُن لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت ابوطالبؑ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ بھی تھے۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے وہ تیار شدہ کھانا لا کر حاضر کیا اور سب لوگ کھا پی کر سیر ہو گئے۔ حضرت علی (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ جو کھانا اُن سب آدمیوں نے کھایا وہ

---

[1] سورۃ الشعراء، آیت نمبر ۲۱۴

ایک آدمی کی بھوک کے مطابق تھا۔ اُس وقت حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہتے تھے کہ کچھ ارشاد فرمائیں لیکن ابولہب فوراً بول اٹھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بڑا جادُو کیا۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ منتشر ہو کر چلے گئے اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ یہ حال دیکھ کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی (علیہ السلام)! تم نے دیکھا کہ اِس شخص نے کیسی سبقت کی اور مجھ کو بولنے تک نہیں دیا، اب کل پھر کھانا تیار کرو جیسا کہ آج کیا تھا اور پھر سب کو بُلا کر جمع کرو۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے دوسرے روز بھی حسبِ حکم وہ کھانا تیار کر کے سب لوگوں کو جمع کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کی قسمت بہت اچھی ہے کیونکہ میں اللہ کی طرف سے تمھارے لیے ایسی چیز لایا ہوں جس سے تمھیں دُنیا میں فضیلت اور آخرت میں نیکی حاصل ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے مجھے تمھاری ہدایت کا حکم دیا ہے، کیا تم میں سے کوئی شخص اِس اَمر کی اقتدا کر کے میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ بننا چاہتا ہے؟ اُس وقت سب موجود تھے، لوگوں کا ایک ہجوم تھا جب حضرت علی (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا، اُن کی آنکھیں پھوڑوں گا، اُن کے پیٹ چاک کروں گا، اُن کی ٹانگیں کاٹوں گا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وزیر بنوں گا۔ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس وقت علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کی گردن پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر (لوگوں سے) فرمایا کہ تمھارے درمیان یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے، اِس کی سُنو اور اطاعت قبول کرو۔ یہ سُن کر قوم کے سب لوگ از روئے تمسخر ہنس کر کھڑے ہو گئے اور حضرت ابو طالب سے کہنے لگے کہ اپنے بیٹے کی بات سُنو اور اس کی اطاعت کرو، یہ تجھے حکم ہُوا ہے۔ [۱]

---

[۱] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے ص ۵۴ بحوالہ مولانا کریم الدین حنفی، ترجمہ تاریخ ابو الفدا ص ۳۳ تا ۳۶

مؤرّخ ابو الفدا کی تحریر پر علامہ نجم الحسن کراروی نے اپنی تصنیف چودہ ستارے میں وضاحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ آیت ''وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ [1]'' کے نزول کی تفصیل حضرت علی علیہ السلام کی خلافتِ بلافصل کی بنیاد قائم کرتی ہے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول اور عمل نے ثابت کر دیا کہ حضرت علی علیہ السلام ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلیفہ اوّل اور خلیفہ بلافصل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنھیں اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا اور اس کی تجدید اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں فرماتے رہے یہاں تک کہ غدیرِخم میں آخری حج کے موقع پر آخری اعلان فرمایا اور واضح کر دیا کہ میرے بعد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی میرے جانشین اور خلیفہ ہیں۔ مؤرّخ ابو الفدا نے اسلام کی اِس پہلی اور بنیادی دعوتِ تبلیغ کی مناسب وضاحت کر دی ہے اور صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ اِسی بنیادی دعوت کے موقع پر بنا دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ اِن کی بات کان دھر کر سنو اور اِن کی اطاعت کرو۔ کچھ کم وبیش لفظوں کے ساتھ یہ واقعہ، تاریخ طبری ج۲ ص۲۱۷، تاریخ کامل بن اثیر ج۲ ص ۲۲۱، لباب التاویل ج۵ص۱۰۶، معالم التنزیل برحاشیہ خازن ج۲ ص۱۰۵، خصائص نسائی ص۱۳، مسند احمد بن حنبل ج۳ص۳۶۰، کنزالعمال ج۶ص۳۹۷، سیرۃ ابن اسحاق، تفسیر ابن حاتم، دلائل بھیقی، مناقب امام احمد مصنف ابوبکر ابن ابی شیبۃ، تاریخ خمیس، تفسیر ابن مردویۃ، تفسیر سراج منیر، تفسیر ثعلبی، تفسیر واحدی، حلیۃ الاولیاء ،ذخیرۃ المآل عجلی، مختارہ ضیاء مقدسی، تھذیب الاثار طبری، اکتفاء عاصمی، روضۃ الصفا، حبیب السیر، معارج النبوّۃ، مدارج النبوّۃ، ازالۃ الخفا، تاریخ اسلام عبدالحکیم نشتر، ج۱ ص۴۴ وغیرہ میں موجود ہے اور اِن اسلامی کتب کے علاوہ اس کا تذکرہ

---

[1] سورۃ الشعراء، آیت نمبر ۲۱۴

اہلِ فرنگ کی تصانیف میں بھی ہے، ملاحظہ ہوا پالوجی جان ڈیون پورٹ ص ۵، کارلائل ص ۶۱، خلفائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آیرونگ ص ۳، تاریخ گبٹن ج ۳ ص ۴۹۹، اوکلی ص ۱۵۔[۱]

کوئی سیاسی مہم ہو، سماجی معاملہ یا تبلیغِ دین، عموماً مہم چلانے والا لوگوں کے دروازوں تک جاتا ہے اور جا کر اُنھیں قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسے موقع پر اُس کی حیثیت سائل کی سی ہوتی ہے۔ اسلام کی پہلی اور اہم ترین دعوت، دعوتِ ذوالعشیرہ میں نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ تبلیغ بالکل مختلف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے ہاں سوالی بن کر نہیں جا رہے بلکہ اپنے دولت کدے پر قریش کے سرکردہ افراد کو مدعو کر رہے ہیں اور نہایت باوقار طریقے سے فرما رہے ہیں، ''تم لوگوں کی قسمت اچھی ہے کیونکہ میں اللہ کی طرف سے ایسی چیز لایا ہوں جس سے تمھیں فضیلت حاصل ہوسکتی ہے، میں تمھارے لیے دُنیا اور آخرت میں اچھائی لے کر آیا ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھے تمھاری ہدایت کا حکم فرمایا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے منفی رویے کے باوجود دوبارہ اور سہ بارہ اُنھیں بلاتے ہیں، کھانے سے تواضع فرماتے ہیں اور دینِ اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے رویے سے دلبرداشتہ ہوتے ہیں نہ اپنا فریضۂ تبلیغ ترک کرتے ہیں۔ قریش کے مغرور، متکبر اور گستاخ سرداروں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثابت قدم رہنا اور اکیلے ڈٹے رہنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزمِ صمیم اور قوتِ برداشت کی ایک شاندار مثال ہے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر صرف تین ہستیاں موجود تھیں، پیکرِ وفا شریکِ حیات حضرت خدیجہ علیہا السلام، ضعیف مگر شفیق چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام اور نوعمر بھائی حضرت علی علیہ السلام جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جانشین، وصی اور خلیفہ قرار دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب کوئی اقربا پروری نہیں تھی بلکہ خالصتاً ''اہلیت'' کی

---

[۱] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے ص ۵۴ بحوالہ

مولانا کریم الدین حنفی، ترجمہ تاریخ ابوالفدا، ص ۳۳ تا ۳۶

بنیاد پر کیا گیا فیصلہ تھا جسے حضرت علی علیہ السلام نے ابتدا سے لیکر تا بحیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت کیا۔ اس دعوت کے موقع پر اگر علی علیہ السلام کے کردار کا بغور جائزہ لیا جائے تو چند نہایت اہم اور دلچسپ پہلو نظر آتے ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں نے قریش کو مدعو کیا ہے لہٰذا ایک پیمانہ کھانے کا اور ایک پیالہ دُودھ کا تیار کرو۔ علی علیہ السلام اتنے قلیل کھانے کے حکم پر متعجب ہوتے ہیں نہ ہی سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مہمانوں کی کثیر تعداد کے لیے اتنا قلیل کھانا کیسے پورا آئے گا؟ دراصل علی علیہ السلام اتنی کم عمری میں بھی یقینِ کامل کی اُن بُلندیوں پر فائز ہیں کہ حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلاتوقف تعمیل فرماتے ہیں۔ دوسری طرف تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ لوگوں نے اسلام قبول کر لینے کے باوجود آنے والے کئی اہم مواقع پر نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی کی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت پر شک کا اظہار بھی کیا اور اِس کے باوجود خود کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرب ساتھی اور جانشین قرار دیتے رہے۔

اِس دعوت میں حضرت علی علیہ السلام کے کردار کا دوسرا اہم اور دلچسپ پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ انتہائی کم عمری میں قریش کے سورماؤں کے سامنے کھڑے ہو کر بے خوف وخطر کہتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی آنکھیں پھوڑوں گا، اُن کی ٹانگیں کاٹوں گا، نیزہ ماروں گا، پیٹ چاک کروں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وزیر بنوں گا۔ چنانچہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو اپنا وصی، جانشین اور وزیر قرار دیتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

قریش کا ظلم وستم

دعوتِ ذوالعشیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلانِ نبوّت کے بعد قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن ہو گئے۔ اُنھیں یہ گوارا نہیں تھا کہ اُن کے آبائی دِین کے مقابلے میں کوئی نیا دِین آجائے، اُنھیں اُن کے مذہب سے منحرف کیا جائے اور اُن کے خود ساختہ ''خداؤں'' کے مقابلے میں ایک اَن دیکھے خدائے واحد کو ''خدا'' تسلیم کیا جائے۔

ابتدا میں اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس نئے دِین کی تبلیغ سے روکنے کے لیے عام حربے استعمال کیے پھر لالچ دینے کی کوشش کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عزم واستقلال کے آگے جب ایک نہ چلی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سختی سے روکنے لگے۔ جُوں جُوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبلیغِ حق کے لیے قدم بڑھاتے رہے توں توں اُن کی سختیوں اور ظلم وستم میں اضافہ ہوتا رہا اور آخر کار وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانی دشمن بن گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بدترین دشمنوں میں ابولہب، ابوسفیان اور ابوجہل نمایاں تھے۔ اُنھوں نے بہت سے کافروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذا پہنچانے کے نِت نئے طریقے اختیار کرنے لگے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر گندگی ڈالتے اور ساحر و مجنوں کہہ کر ستاتے۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جان لینے کا ارادہ بھی کیا لیکن اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ابنِ عمرو بن عاص کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اُس نے اپنی چادر کو بل دے کر رَسّے کی طرح بنایا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سجدے میں گئے تو وہ رَسّہ نما چادر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گردن میں ڈال کر بَل دینے لگا۔ گلوئے مبارک دب گیا تاہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اطمینانِ قلب کے ساتھ سجدہ ریز رہے۔[۱]

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور قریش بھی صحنِ کعبہ میں موجود تھے۔ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج شہر میں ایک اُونٹ ذبح ہُوا ہے

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۱ ص ۸۳

اور وہیں پر اُس کی اوجھڑی بھی پڑی ہوئی ہے، کوئی جا کر اُسے اُٹھا لائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اُوپر ڈال دے۔ شقی القلب عقبہ وہ نجاست بھری اوجھڑی یا بروایتے ''مشیمہ'' یعنی غلیظ آنول اُٹھالایا۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں گئے تو اُس نے وہ اوجھڑی یا آنول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشتِ اطہر پر ڈال دی، اس پر سب ملعون مِل کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت ابن مسعودؓ بھی وہاں موجود تھے، کافروں کا ہجوم دیکھ کر اُنھیں تو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی مگر بنتِ رسول سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو خبر ہوئی تو آپ خانہ کعبہ میں تشریف لائیں، والد محترم کی پشت اطہر سے اُس اوجھڑی کو ہٹا کر دُور پھینکا اور اُن سنگ دلوں کو سخت سُست کہا۔[۱]

بعض اوقات وہ ظالم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھاتے، دروازے پر خون پھینک جاتے، بدن اطہر پر پتھر برساتے اور سرِ انور پر کُوڑا کرکٹ ڈال دیتے۔ عظمتِ کردارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملاحظہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو گالی دیتے نہ بدُعا کرتے بلکہ صرف اتنا فرماتے کہ اے فرزندانِ عبد مناف! تم حقِ ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔

قریشِ مکّہ نے جور وستم کی ایسی انفرادی کوششوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ منظم ہو کر ایذا رسانی کی کمیٹیاں بنالیں۔ ایک کمیٹی کا سربراہ ابولہب تھا اور مکّہ کے پچیس سردار اُس کے ممبر تھے۔ اُس کمیٹی کا ایک مقصد یہ تھا کہ باہر سے آنے والوں کو منفی پروپیگنڈہ کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدظن کیا جائے تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغامِ حق سے متاثر نہ ہوسکیں۔ اِس سلسلے میں کسی نے رائے دی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں یہ عام کیا جائے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کاہن ہیں، ایک نے کہا کہ دیوانہ مشہور کر دیا جائے، کوئی بولا کہ شاعر کہا جائے اور کسی نے مشورہ دیا کہ جادُوگر قرار دے دیا جائے، وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ)۔[۲]

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ا ص ۸۴
صحیح بخاری حدیث نمبر ۵۲۰، سنن نسائی حدیث نمبر ۳۰۸، صحیح مسلم حدیث نمبر ۴۶۴۹

[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ا ص ۸۴

ہجرتِ حبشہ

(رجب ۷ قبل ہجرت/ اپریل ۶۱۵ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوتِ حق کے نتیجے میں کئی لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مظلوم اور معاشرتی استحصال کا شکار طبقہ خاص طور پر اس دِین رحمت کی طرف راغب تھا۔ تحریکِ اسلام کی یہ کامیابی مشرکینِ مکّہ کے لیے بہت تشویشناک تھی اور وہ اس تحریک کو ہر قیمت پر ناکام بنانا چاہتے تھے۔ اپنے اجداد کے دِین کے مقابلے میں کوئی دوسرا مذہب اُنھیں کسی صورت قبول نہیں تھا اس لیے وہ نومسلموں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنانے لگے۔

اُس زمانے میں قبیلے کا سردار اگر کسی کو اپنی جماعت میں شامل کر لیتا یا اپنی پناہ میں لے لیتا تو چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوتا اُس پر ہاتھ ڈالنا اُس قبیلے کی غیرت وحمیّت کو للکارنا اور دعوتِ مبارزَت دینے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ یہ راہبرِ انقلابِ حق پیغمبرِ اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سیاسی تدبّر اور عدم تشدّد کی حکمت عملی تھی کہ مسلمانوں کو اپنی انقلابی سرگرمیوں کے باوجود مختلف خانوادوں اور قبیلوں کی پناہ وحمایت حاصل ہوجاتی تھی اور اس طرح وہ دشمنوں کے مسلح حملوں سے محفوظ رہتے تھے۔

جب مشرکینِ مکّہ کی گستاخیاں، دشمنیاں اور چیرہ دستیاں عروج پر پہنچ گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے محسوس کیا کہ اہلِ ایمان کا یہاں زندگی گذارنا دشوار ہو گیا ہے تو مشیّتِ ایزدی کے ایما پر مسلمانوں کو مکّہ سے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا۔

حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک رحمدل انسان تھا اور اُس کا ملک امن وآشتی کا گہوارہ تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا، ''اگر تم سرزمینِ حبشہ کو نکل جاؤ تو بہتر ہے یہاں تک کہ جس تنگیٔ حیات میں تم ہو اُس میں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے فراخی پیدا کر دے، وہ

سرزمینِ صدق ہے اور وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ [1]

پس، سنہ ۵ بعثت میں ۱۰۰ مرد و زن ہجرت کر کے حبشہ پہنچے۔ [2] پہلی جماعت ماہِ رجب میں گئی جس میں گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں خفیہ طور پر روانہ ہُوئے جن میں بعض لوگ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ تھے اور کچھ بغیر اہل و عیال کے۔ [3] یہ مہاجرین شعیبہ (موجودہ جدہ) تک پیدل گئے پھر وہاں سے بذریعہ بحری جہاز حبشہ کی جانب روانہ ہُوئے۔ قریش کو خبر ہوئی تو اُنھوں نے پیچھا کیا لیکن اُن کے بندرگاہ پر پہنچنے سے پہلے ہی جہاز کھلے سمندر میں جا چکا تھا۔ [4] اس جماعت میں مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

(۱) حضرت عثمان بن مظعون، (۲) حضرت عثمان بن عفّان، (۳) حضرت عثمان بن عفّان کی زوجہ حضرت رقیہ، (۴) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، (۵) حضرت مصعب بن عمیر، (۶) حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ، (۷) حضرت ابو حذیفہ کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل، (۸) حضرت زبیر بن عوام، (۹) حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی، (۱۰) حضرت ابو سلمہ کی زوجہ حضرت اُمّ سلمیٰ، (۱۱) حضرت عامر بن ربیعہ، (۱۲) حضرت عامر کی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ، (۱۳) حضرت ابو سبرۃ بن ابی اہم یا حضرت ابو حاطب بن عمرہ، (۱۴) حضرت سہیل بن بیضا اور (۱۵) حضرت عبداللہ بن مسعود۔ (رضی اللہ عنہم) [5]

دوسری جماعت جو ۸۳ مَردوں اور ۱۸ عورتوں پر مشتمل تھی قریش کی نظروں سے بچ کر کشتیوں کے ذریعے حبشہ پہنچی۔ اِس جماعت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت

---

[1] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۲۳

[2] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶

[3] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۶۲

[4] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۳۰۸

[5] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۳۲۳

جعفر طیّار بن ابو طالب (رضی اللہ عنہ) بھی تھے [۱] اور وہ اُن میں سر براہِ قافلہ یا امیرِ جماعت کی حیثیت رکھتے تھے۔ [۲]

حبشہ کا موجودہ نام ایتھوپیا ہے۔ اُس وقت وہاں کا بادشاہ نجاشی تھا۔ نجاشی کا اصل نام برواتیے، کمحول یا اصحمہ بن بحری تھا۔ [۳] ''مدارج النبوّت'' میں اُس کا نام اصحمہ لکھا ہے۔ [۴] اُس کے والد کا نام ابحر اور ابجر بھی مختلف کتابوں میں نظر آیا ہے۔ یہ سب کتابت کی غلطیاں معلوم ہوتی ہیں، میرے نزدیک صحیح نام ''اصحمہ بن ابجر'' ہے۔ [۵] وہ نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ اُس نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا اور خوب آؤ بھگت کی۔

کفّار کو مسلمانوں کے حبشہ میں امن وچین سے رہنے پر بہت تشویش لاحق تھی چنانچہ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اُنھوں نے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جس میں یہ فیصلہ ہُوا کہ مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے نجاشی کے پاس ایک سفارت بھیجی جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے عبداللہ بن عمر اور عمرو بن عاص کو قیمتی تحائف دے کر ایک جماعت کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا۔ عمرو بن عاص اور اُس کے ساتھیوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر اُسے سجدہ کیا، تحفے پیش کیے اور خوشامد کر کے عرضِ مدعا کیا کہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دیا جائے۔ برواتیے، اُنھوں نے پہلے درباریوں کو اور پھر اُن کی وساطت سے نجاشی کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں نے ایک ایسا دِین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور اُن کے آبائی دِین یعنی بُت پرستی، دونوں کے خلاف ہے۔ مسلمان چونکہ اُن کے ملک کے باشندے ہیں اور مرتد ہو گئے ہیں اس

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۳۰۹

[۲] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶

[۳] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶

[۴] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۶۲

[۵] وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا۔ (Wikipedia Encyclopedia)

لیے اُنھیں اُن کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ اُن کو اسیر بنا کر واپس اپنے مُلک مکّہ لے جائیں۔
نجاشی ایک صاحبِ دل اور عادل حکمران تھا۔ اُس نے انکار کرتے ہُوئے کہا کہ یہ مناسب نہیں کہ جس قوم نے ہمارے مُلک میں پناہ لی ہو ہم اُسے اُس کے دشمنوں کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد اُس نے حکم دیا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے تا کہ اُن کا موقف بھی معلوم ہو۔ چنانچہ مسلمان مہاجرین دربار میں پہنچے اور بادشاہ کو سلام کیا۔ نجاشی کے مصاحبوں نے پوچھا کہ تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جو مہاجرینِ حبشہ کے سردار تھے، کہا کہ ہم غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہی فرمایا ہے، پھر اُنھوں نے اپنے دِین اور اسلامی احکام کی خوب عمدہ طریقے سے ترجمانی کی۔ اُنھوں نے کہا، ”اے بادشاہ! ہماری قوم کی یہ حالت تھی کہ ہم سب جاہل تھے، بتوں کی پرستش کرتے، مُردار کھاتے، بُرے کام کرتے، رشتے ناتے توڑ دیتے، پڑوسیوں سے بُرا سلوک کرتے اور ہم میں سے جو طاقتور ہوتا وہ کمزور کو برباد کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک شخص کو ہماری جانب رحمدل بنا کر بھیجا جس کے نسب، سچائی، ایمانداری اور پاکدامنی سے ہم واقف تھے۔ اُس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی کہ ہم اُسے ”اَحد“ مانیں، فقط اُسی کی عبادت کریں اور پتھروں اور بتوں کی پرستش ترک کر دیں۔ اُس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلۂ رحمی کرنے اور ہمسایوں سے حُسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا اور حرام کاری، قتل و خونریزی، برائی کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اُس نے ہمیں حکم دیا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اُس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔“ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے اسلام کے جملہ احکام بڑی خوبی سے بیان کیے اور کہا کہ ہم نے اُس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی تصدیق کی اور اُن پر ایمان لائے مگر ہماری قوم نے اِس وجہ سے ہم پر ظلم و تشدّد کیا، اذیّتیں

دیں اور ہمیں مجبور کیا کہ ہم پھر بُت پرستی کی طرف لوٹ جائیں۔ جب ہم پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو ہم نے آپ کے مُلک میں پناہ لی، ہمیں اُمید ہے کہ آپ ہم پر ظلم نہیں ہونے دیں گے۔''

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سُن کر نجاشی نے کہا کہ تمھارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر جو کلام نازل ہُوا ہے اُس میں سے کچھ سُناؤ۔ اُنھوں نے سُورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ نجاشی پر رِقّت طاری ہوگئی اور اُس کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ وہاں موجود پادری بھی آبدیدہ ہوگئے اور یک زبان ہو کر کہنے لگے،'' خدا کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہُوا دونوں ایک ہی مشکوٰۃ (چراغ دان/ فانوس) سے نکلے ہیں۔'' نجاشی نے کہا،'' بے شک یہ چیز (قرآن مجید) اور وہ چیز جو عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے (انجیل) دونوں ایک ہی چراغ کا نور ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور وہی مقدس ہستی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے دی اور فرمایا کہ اُن کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تشریف لائیں گے۔'' پھر نجاشی نے قریش کے سفیروں سے کہا،'' میں یہ مظلوم تمھارے حوالے نہیں کروں گا۔''

دوسرے دن عمرو بن عاص نے پھر دربار تک رسائی حاصل کی اور نجاشی اور درباریوں کو مشتعل کرنے کی خاطر کہا کہ اے بادشاہ! حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ معلوم کیجیے پھر فیصلہ دیجیے۔

نجاشی نے مسلمانوں سے دریافت کیا تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا،'' قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے بندے، اُس کے رسول اور اُس کی رُوح ہیں۔'' نجاشی نے ایک تنکا اُٹھا کر کہا،'' واللہ! جو کچھ تم نے کہا، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اس سے سرِمُو زیادہ نہیں۔'' پھر اُس نے قریش کے دونوں سفیروں کو اُن کے تحائف

واپس کردیے اور اُنھیں ذلیل ورُسوا کر کے دربار سے نکال دیا۔[1]

بقولے، کچھ عرصہ بعد ایک جھوٹی خبر پھیلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکوں کے درمیان صلح ہوگئی ہے۔ یہ خبر حبشہ پہنچی تو مسلمان مہاجرین نے وفورِ مسرت سے اِس کی تصدیق بھی ضروری نہ سمجھی اور اُن میں سے بیشتر واپس مکّہ کی طرف چل پڑے۔ وہ مکّہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہُوا کہ صلح کی خبر نامعتبر اور جھوٹی ہے اور کفّار بدستور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سرگرم ہیں۔ چنانچہ اُن میں سے کچھ چھپتے چھپاتے مکّہ میں داخل ہوئے اور اپنے اعزّہ و اقارب کی حمایت و پناہ میں چلے گئے اور باقی پھر حبشہ لوٹ گئے۔[2]

تحریکِ اسلام کے حبشہ تک پہنچ جانے اور وہاں اپنی سفارت کے ناکام ہوجانے کا قریش کو سخت غم وغصہ تھا، اُن کا ظلم وستم زور پکڑ گیا اور اُنھوں نے مسلمانانِ مکّہ کا جینا محال کردیا لہٰذا مزید ایک سو بارہ افراد جن میں اٹھارہ عورتیں بھی شامل تھیں حبشہ کوچ کر گئے۔[3]

رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیّبہ گئے تو مہاجرینِ حبشہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے تھے۔ کچھ مسلمان جن میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، بعض وجوہ کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ ۷ ہجری میں (فتح خیبر کے بعد) اُنھیں بھی اپنے پاس بلالیا۔[4] اُس موقع پر جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں حیران ہوں کہ دوخوشیوں میں سے کس کو بڑی سمجھوں، فتح خیبر کی خوشی کو یا جعفر طیار کی واپسی کی خوشی کو۔''[5]

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۳۱۱۔ ابن ہشام، ۱: ۳۵۶ تا ۳۶۲
احمد بن حنبل، مسند، ۱: ۲۰۲۔ ابن سعد، طبقات، ۱: ۲۰۶ تا ۲۰۸۔ حاکم مستدرک، ۲: ۳۱۰۔ کتاب التفسیر

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۶۲

[3] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ۱: ۲۰۷

[4] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات، ۱: ۲۰۸

[5] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶

دارالارقم

(سنہ ۶ بعثت)

موٴرّخین لکھتے ہیں کہ جب مسلمان حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برابر تبلیغِ دِین فرماتے رہے اور لوگ دِین اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ یہ دیکھ کر کفّار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مزید پریشان کرنا شروع کر دیا۔ ناچار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر کوہِ صفا کے اُوپر واقع ارقم بن ابی ارقم بن عبد مناف بن اسد کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس مکان میں ایک ماہ تک رہے اور وہاں بھی لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے رہے۔ یہ واقعہ سنہ ۶ بعثت کا ہے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دارِ ارقم میں منتقل ہوجانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تدبر اور اعلیٰ حکمتِ عملی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں دشمن پورے شدّ و مد کے ساتھ یلغار کر رہا ہو اور آپ کے پاس مقابلے کی قوت یعنی وسائل نہ ہوں تو وہاں سے وقتی طور پر ہٹ جانا ہی دانش مندی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶ بحوالہ ذاکر حسین، تاریخ اسلام ج ۲ ص ۱۵۲ ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام

معاشرتی مُقاطعہ

(محرم ۷ قبل ہجرت/ستمبر ۶۱۵ء)

نورِ اسلام کو شب و روز پھیلتا دیکھ کر کفّارِ قریش سخت مضطرب تھے۔ اُن کی چیرہ دستیاں زور پکڑ گئیں اور عداوتیں عروج پر پہنچ گئیں۔ بروایت ابنِ ہشام و ابنِ اثیر و طبری، ابوجہل بن ہشام، شیبہ، عتبہ بن ربیعہ، نصر بن حارث، عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ ایک گروہ کے ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر کمر بستہ ہو کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے۔ اُنھوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک نئے دِین کا اختراع کیا ہے اور وہ ہمارے خداؤں کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے ہیں لہٰذا اُنھیں ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم اُنھیں قتل کر دیں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام نے اُس وقت اُنھیں ٹال دیا اور وہ واپس چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مشن بلا توقف جاری رکھا یہاں تک کہ وہ پھر حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر مُصر ہُوئے۔ حضرت ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے ارادوں سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان! میں جو کہتا ہوں وہ کہتا ہی رہوں گا، میں کسی دھمکی سے مرعوب نہیں ہوسکتا اور نہ کسی لالچ میں ہی آسکتا ہوں، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تو بھی میں حکمِ خدا کی تعمیل سے نہیں رکوں گا۔ میں جو کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں اور وہی میرا محافظ ہے۔ حضرت ابو طالب نے جواباً کہا، ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنا کام جاری رکھیں، ربِ کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کوئی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پابند کر سکے گا نہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہاتھ روک سکے گا۔''[۱] اِس ضمن میں حضرت ابو طالب نے ایک شعر کہا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''خدا کی قسم! کبھی بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف کوئی (میلی آنکھ سے) نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دِین کو علی الاعلان پھیلایے، کوئی اندیشہ

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ ابن ہشام و ابن اثیر و طبری

نہ کیجیے، خوش رہیے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیے۔"[1]

ابنِ کثیر اور ابنِ ہشام نے روایت کی ہے کہ کفّار کچھ عرصہ بعد پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کردو (قتل کے لیے) اور اُن کے بدلے میں بنی مخزوم کا ایک جوان ہم سے لے لو۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ تم کیسی بعید از عقل باتیں کرتے ہو؟ بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ تم میرے بیٹے کو قتل کردو اور میں اُس کے بدلے میں تمھارے لڑکے کو لے کر اُس کی پرورش کروں؟ یہ سُن کر اُن کی آتشِ غضب خوب بھڑک اُٹھی۔ حضرت ابوطالب نے اُنھیں آگاہ کیا کہ کعبہ وحرم کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاؤں میں تمھارا کانٹا بھی چبھا تو میں تم سب کو ہلاک کردوں گا۔ حضرت ابوطالب کے الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اُن کے دِلوں میں لگی آگ کو ایسا بھڑکایا کہ وہ پوری قوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل پر تیار ہوگئے۔ حضرت ابوطالب نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانِ عزیز کو غیر محفوظ پایا تو فوراً اپنے حامیوں کو لے کر، جن کی تعداد بروایتِ حیاتُ القلوب چالیس تھی، یکم محرّم سنہ ۷ بعثت کو "شعبِ ابی طالب" کے اندر محصور ہو گئے۔[2] (واضح رہے کہ شعبِ ابی طالب میں حضرت ابوطالب کا محصور ہونا کوئی بزدلی نہیں تھی بلکہ یہ ایک جنگی حکمت عملی تھی جس کے تحت عموماً قلعے میں یا کسی محفوظ مقام میں محصور ہوکر دشمن کا مقابلہ کیا جاتا ہے)۔ کفّارِ قریش نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اِس عمل پر ایک عہد نامہ مُرتّب کرکے خانہ کعبہ میں آویزاں کردیا۔ اُس عہد نامے میں بنی ہاشم اور بنی مُطلب سے مکمل مقاطعے کا عہد تھا اور لکھا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ شادی بیاہ، خرید وفروخت، مِلنا جُلنا، اُٹھنا بیٹھنا حتیٰ کہ گفت وشنید بھی نہیں کرے گا اور مکمل بائیکاٹ رکھے گا۔ اُنھوں نے بازار والوں سے بھی عہد لیا کہ کوئی چیز شعبِ ابی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۶۹

[2] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ حیات القلوب، تاریخ طبری، تاریخ کامل اور روضۃ الاحباب

طالب کے محصورین کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے۔ اگر حج کے زمانے میں گردونواح سے آنے والے تاجر اُن کے ہاتھ کچھ فروخت کرنے کی کوشش کرتے تو وہ اُنھیں بھی روکتے اور وہ سامان زیادہ قیمت دے کر خود خرید لیا کرتے۔ طبری میں ہے کہ اِس عہد نامے کو منصور بن عکرمہ بن ہاشم نے لکھا تھا۔ عہد نامہ لکھنے کے بعد بحکمِ الٰہی اُس کا ہاتھ شل ہو گیا۔[۱]

مؤرّخین لکھتے ہیں کہ دشمنوں نے شعبِ ابی طالب کا چاروں طرف سے محاصرہ کر کے اہلِ شعب کو نظر بند کر دیا تھا۔ اِس قید کی وجہ سے محصورین، جن میں بچّے بھی تھے بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ جسمانی اور روحانی اذیت کے علاوہ خوراک کی تنگی نے اُنھیں موت کے دہانے پر پہنچا دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اہلِ ایمان درختوں کے پتّے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

روایت ہے کہ جب دَرّے میں محصور بچّے بھوک سے بے چین ہو کر روتے تو پڑوسیوں کی نیندیں حرام ہو جاتیں۔ احباب و اقارب چوری چھپے اشیائے خورد نوش پہنچانے کی کوشش کرتے مگر قریش اُنھیں سخت سزائیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس دوران میں برابر وحی نازل ہوتی رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کارِ رسالت بھی انجام دیتے رہے۔ اسی حالت میں تین سال گذر گئے۔ تین سال کے بعد ہشام بن عمر بن حرث کے دِل میں یہ خیال آیا کہ یہ تو سراسر زیادتی ہے کہ ہم اور ہمارے بچّے تو خوب عیش و آرام سے رہ رہے ہیں مگر بنی ہاشم اور اُن کے بچّے فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ پس اُس نے چند لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر قریش کے اجتماع میں یہ سوال اُٹھایا۔ ابولہب اور اُس کی بیوی اُمّ جمیل نے، جسے قرآن میں ''حَمَّالَةَ الْحَطَبِ''[۲] یعنی ''ایندھن اُٹھائے پھرنے والی'' کہا گیا ہے، سخت مخالفت کی لیکن اُن کی ایک نہ چلی کیونکہ عوام کے دِل پسیج چکے تھے۔ اسی دوران میں حضرت ابوطالب علیہ السلام تشریف لے آئے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا ہے کہ تم نے جو عہد نامہ لکھا تھا اُسے دیمک چاٹ گئی ہے اور کاغذ کے اُس

---

[۱] ابوجعفر بن محمد بن جریر طبری، (متوفی ۳۱۰ ہجری) تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۸۴

[۲] سُورۃ المَسَد (سورۃُ اللّھَب) آیت ۴

حصّے کے سوا جس پر اللہ کا نام لکھا ہے باقی سب تحریر ختم ہوگئی ہے۔ اے قریش کے لوگو! اب ظلم کی انتہا ہوچکی ہے، تم اپنا وہ عہد نامہ دیکھو اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کہا درست پاؤ تو انصاف کرو ورنہ جو چاہے کرو۔ چنانچہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اصرار پر وہ عہد نامہ منگوایا گیا۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد من وعن صحیح ثابت ہُوا جس پر قریش شرمندہ ہوگئے۔ ابو جہل، ابولہب اور اُن کے ساتھی چیختے چلاتے رہے کہ عہد نامہ منسوخ نہ کیا جائے لیکن اُن کی ایک نہ سنی گئی۔ گھاٹی کا حصار ختم ہوگیا، ہشام بن عمر بن حرث اور اس کے چار ساتھی، زہیر بن ابی اُمیہ مخزومی، مطعم بن عدی ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد شعبِ ابی طالب میں گئے اور تمام محصورین کو رہا کرا کے اُن کے گھروں تک پہنچایا۔ [1]

حضرت ابوطالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے اور دُعا کی:

"اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطَعَ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا یُحَرِّمُ عَلَیْنَا" [2]

(الٰہی! ظالموں پر ہماری مدد فرما اور قطع رحمی کو دُور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اس کو حلال بنا)

مؤرّخ ابن واضح یعقوبی کا بیان ہے کہ اس واقعے کے بعد بہت سے کافر مسلمان ہوگئے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر "پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد قریش مزید تلملائے، سٹپٹائے اور اپنی چیرہ دستیوں میں بہت دُور نکل گئے لیکن وہ نہ تو انقلاب پسند مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کر سکے اور نہ ہی اُن کی تحریکِ انقلاب کو دبا سکے۔ تحریک جب تک حرکی رہتی ہے یعنی جمود و تعطل کا شکار نہیں ہوتی وہ زندہ و توانا رہتی اور آگے بڑھتی رہتی ہے اگرچہ اُس کی رفتار سُست ہی کیوں نہ ہو۔ تحریکِ اسلام کے رُوحِ رواں اور قائد چونکہ

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت۔ ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۵ طبع نجف، ۱۳۸۴ ہجری۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ تاریخ طبری۔ تاریخ کامل۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

[2] ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، الیعقوبی ج ۲ ص ۲۵

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم تھے اس لیے قریش نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی آواز کو دبانے اور خاندانِ بنی ہاشم کی حمایت سے محروم کرنے کے لیے ایک سفّاکانہ منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کا مقصد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے خانوادے بنو ہاشم کو شہر بدر اور محصور کر کے اُن کا معاشرتی مقاطعہ (Social Boycott) کرنا تھا۔ چنانچہ محرم ۷ قبل ہجرت بمطابق ستمبر ۶۱۵ء میں ایک معاہدہ طے پایا جسے منصور بن عکرمہ نے لکھا اور اُسے کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اُس معاہدے میں بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب شریک تھا۔ معاہدے کی بڑی بڑی شقیں یہ تھیں:

(۱) اگر بنو ہاشم (حضرت) محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کریں تو ان کا مکمل معاشرتی مقاطعہ کیا جائے۔

(۲) ان کے ساتھ رشتہ داری اور شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔

(۳) ان کے ساتھ خرید و فروخت اور لین دین ہرگز نہ کیا جائے۔

(۴) انھیں کھانے پینے کی چیزیں مہیّا نہ ہونے دی جائیں۔

(۵) ان سے نہ تو میل جول اور نہ روابط و ضوابط ہی رکھے جائیں۔

(۶) انھیں گلی بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے۔

نبی اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا خانوادہ بھی، سوائے ابولہب کے، ایک کٹھن، صبر آزما بلکہ شکیب رُبا آزمائشِ زندگی میں مبتلا ہو گیا۔ تحریکِ اسلام کے لیے یہ ایک انتہائی نازک وقت تھا۔ بنو ہاشم شہر چھوڑنے اور پہاڑ کی گھاٹی میں، جسے شعبِ ابی طالب کہتے ہیں، سکونت پذیر ہونے پر مجبور ہو گئے.... وہ شہر جس کی زینت بنو ہاشم تھے، جس میں اُن کی عظمت کے جھنڈے گڑے تھے، جس کے معاملات میں اُن کی آواز وزن رکھتی تھی، آج اُس میں اُن کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ قریش کے سردار تھے جو کبھی اُن کے مشوروں کے متمنی رہتے تھے اور اُن کی دوستی کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے مگر اب وہی بیگانے ہی نہیں بلکہ دشمن بن چکے تھے۔ بنو ہاشم کا جرم یہ تھا کہ وہ تحریکِ اسلام کے بانی و محسنِ اعظم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی حمایت سے دست بردار

نہیں ہوتے تھے اور اِس جرم کی پاداش میں اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ اُنھیں بھوکا بھی رہنا پڑتا اور درختوں کے پتے بھی کھانے پڑتے تھے۔ اُنھیں بچّوں کو بھوک سے بلبلاتے اور اپنی حالتِ زار پر دشمنوں کو قہقہے لگاتے اور آوازے کستے بھی دیکھنا پڑتا تھا۔ اُنھوں نے مسلسل تین برس تک سب کچھ دیکھا، سُنا اور سہا لیکن داعیِ انقلاب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے حوالے نہیں کیا۔ بنو ہاشم اس شکیب رُبا تجربے سے گزرے اور آخر کار کامیاب رہے۔

انقلاب کی راہیں بڑی کٹھن، دشوار گزار اور ہمت شکن ہوتی ہیں، ان سے عزم وایمان، صبر و استقلال اور تدبّر وحکمت سے گزرنا پڑتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح گذرے۔ معاشرتی مقاطعے کے شکیب رُبا تجربے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویّہ بطریقِ سایۂ خداوندی و رحمت تھا۔ اِس کے برعکس قریش کا طرزِ عمل ظالمانہ تھا۔ اس کا فطری ردِّ عمل مظلوموں کے حق میں ہُوا۔ دراصل انسان کتنا بھی ظالم وسفاک ہوجائے، اُس کی فطرت یا انسانیت بدل نہیں سکتی۔ چنانچہ وہ دن بھی آگیا جب قریش کے ہی افراد نے ابوجہل وغیرہ کی مخالفت کے باوجود اپنے ہاتھوں سے معاشرتی مقاطعے کا عہد نامہ چاک کر دیا۔[1]

کہا جاتا ہے کہ ہشام عامری جو خانوادۂ بنو ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے خاندان کے سربرآوردہ اشخاص میں سے تھا، بنو ہاشم کو چوری چھپے غلّہ وغیرہ بھجواتا رہتا تھا۔ اُس کی تحریک پر زہیر جو عبد المطلب کے نواسے تھے، مطعم بن عدی، ابوالبختری، ابن ہشام اور زمعۃ بن اسود اُس ظالمانہ معاہدے کو چاک کرنے پر آمادہ ہوگئے اور ابوجہل کی مخالفت کے باوجود مطعم بن عدی نے معاہدے کی دستاویز پھاڑ ڈالی، پھر یہ لوگ مسلح ہوکر بنو ہاشم کے پاس گئے اور اُنھیں دَرّے سے نکال لائے۔[2]

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۳۲۷

[2] ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، طبقات ابن ہشام۔ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون

رُومیوں کی شکست کی پیش گوئی

(سنہ ۸ بعثت، ۵ قبل ہجرت، ۶۱۸ء)

سنہ ۸ بعثت میں رُومیوں کو ایرانیوں کے ساتھ جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایرانی آتش پرست اور رُومی اہلِ کتاب تھے اس لیے مسلمانوں کو اُن کی شکست کا بہت افسوس ہُوا جب کہ کفّارِ مکّہ نے اس پر خوب خوشی منائی۔ مسلمانوں کے دُکھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تسلی و تشفی سے دُور کیا اور فرمایا کہ غم نہ کرو تین اور نو سال کے درمیان (یعنی چند سالوں میں) ایرانیوں کو شکست دے کر رُومی فتح سے ہمکنار ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور نو سال گذرنے سے پہلے ہی ایرانیوں پر رومی غالب آ گئے۔[1] اِس پیشین گوئی کا ذِکر قرآنِ مجید میں یوں ہے:[2]

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

(الف لام میم۔ رُوم (والے) مغلوب ہو گئے۔ نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے۔ چند ہی سال میں پہلے بھی اور پیچھے بھی، خدا ہی کا حکم ہے اور اُس روز مومن خوش ہو جائیں گے (یعنی) خدا کی مدد سے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب اور مہربان ہے)

یہ آیت مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی سے پہلے نازل ہوئی ہو یا بعد میں بہر حال اس سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ کلامِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کلامِ الٰہی ہے یعنی رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اطہر سے وہی ادا ہوتا ہے جو دراصل خداوند متعال کا کلام ہوتا ہے۔

---

[1] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۹

[2] سورۃ الروم، آیت ۱ تا ۵

معجزۂ شق القمر

(سنہ ۹ بعثت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں چاند کے دوٹکڑے ہوئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف یا نیچے تھا۔[۱] اس روایت کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت نے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معجزہ طلب کیا اور کہنے لگے کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سچے ہیں تو چاند کے دوٹکڑے کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چاند کی جانب اشارہ فرمایا تو وہ دوٹکڑے ہوگیا اور لوگوں نے کوہِ حرا کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ گواہ رہنا۔ اس پر کفّار (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ بلاشبہ تم پر جادُو کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک نے کہا اگر وہ جادُو کرسکتے ہیں تو تم پر کرسکتے ہیں تمام روئے زمین والوں پر تو نہیں۔ چنانچہ جب آفاق سے مسافر وہاں آئے اور اُنھوں نے چاند کے دوٹکڑے ہونے کی خبر دی تو ابوجہل نے کہا، ''هٰذَا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ''، یعنی یہ پرانا جادُو ہے۔ یہ معجزہ قرآن پاک میں بھی بیان کیا گیا ہے اور آیت مبارکہ میں ابوجہل کے کلمات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ ارشادِ خداوند متعال ہوتا ہے:[۲]

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ① وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ○

(قیامت قریب آ گئی اور چاند ٹکڑے ہوگیا۔ اگر وہ کسی نشانی کو دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو پرانا جادُو ہے)

ابنِ عبدالبر جو کہ اکابر علمائے حدیث سے ہیں، فرماتے ہیں کہ چاند کے ٹکڑے

---

[۱] بخاری، حدیث نمبر ۳۶۳۶، ۳۸۶۸، ۴۸۶۴

[۲] سورۃ القمر، آیت ۱ تا ۲

ہونے والی حدیث کو صحابۂ کرام کی جماعتِ کثیرہ اور اسی طرح تابعین کی بھی جماعتِ کثیرہ نے روایت کیا ہے اور اُن سے ایک جم غفیر نے۔ اِس طرح یہ روایت ہم تک پہنچی اور اِس کی تائید آیتِ کریمہ نے فرمائی۔ [۱]

علامہ نجم الحسن کراروی بروایتے حضرت ابنِ عباس، ابنِ مسعود، اَنس بن مالک، حذیفہ بن عمر اور جبیر بن مطعم، بیان کرتے ہیں کہ شقُ القمر کا معجزہ کوہِ ابوقبیس پر ظاہر ہُوا جب ابو جہل نے بہت سے یہودیوں کو ہمراہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ یہ واقعہ سنہ ۹ بعثت میں چاند کی چودھویں رات کو ہُوا تھا۔ [۲]

مندرجہ بالا روایات سے ایسا لگتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو لوگ کوہِ ابوقبیس پر موجود تھے اور چاند اُس وقت کوہِ حرا کے اُوپر تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ اس طرح دو ٹکڑوں میں منقسم ہُوا کہ اُس کا ایک ٹکڑا کوہِ حرا کے دائیں جانب اور دوسرا اُس کے بائیں جانب یا بروایتے نیچے چلا گیا۔

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اِس معجزے کے واقع ہونے پر ایمان لانا واجب ہے۔ [۳]

علامہ محمد محمدی اشتہاردی فرماتے ہیں کہ بعثت کے چوتھے سال کے آخر میں یا پانچویں سال کے شروع میں جناب سیّدہ فاطمہ علیہا السلام بطنِ مادر گرامی میں تھیں۔ یہ وہی ایام تھے جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکینِ مکّہ کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے لیکن وہ کسی صورت اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس دوران میں سخت اور تلخ واقعات بھی رُونما ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جناب خدیجہ علیہا السلام بھی ان واقعات کی وجہ سے بہت پریشان ہوتیں۔ ایسے میں جناب فاطمہ علیہا السلام شکم

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱ ص ۲۳۹ بحوالہ ابن عبدالبر

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۹

[۳] محدث شیخ عباس قمی (متوفی ۱۳۵۹ ہجری)، سفینۃ البحار، ج ۱ ص ۷۰۹

مادر میں سے اپنی والدہ سے ہم کلام ہوتیں اور اُن کو تسلیاں دیتیں۔ شقُ القمر کا واقعہ بھی اسی دوران میں ہُوا جب کفّارِ مکّہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اکٹھے ہو کر آئے اور کہنے لگے، ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دعویٰ سچ ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاند کو دو ٹکڑے کر کے دِکھائیں، پھر ہم مان جائیں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واقعی اللہ کے رسول ہیں۔'' رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمھارے لیے یہ کام کر دُوں تو کیا تم سب ایمان لے آؤ گے؟ وہ سب بولے، ''جی ہاں۔'' اُس رات چاند کی چودھویں تاریخ تھی اور وہ پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ نبیِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور اپنے پروردگار سے عرض کیا کہ پروردگار! یہ لوگ مجھ سے معجزہ طلب کرتے ہیں، میری مدد فرما۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا مستجاب ہوئی اور چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک مشرک کو آواز دی اور کہا کہ دیکھو! چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ہے اب گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اور میں اُس کا رسول ہوں۔ مشرکوں نے اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا لیکن اُن کے کفر میں اضافہ ہو گیا اور وہ کہنے لگے کہ یہ جادُو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی باتوں سے آزردہ ہو کر گھر چلے گئے۔ جنابِ خدیجہ علیہا السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال خوب گرمجوشی سے کیا۔ وہ بہت خوش تھیں اور کہنے لگیں، ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے مکان کی چھت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ دیکھا اور اِس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ جو معصوم میرے شکم میں ہے اُس نے مجھے مضطرب دیکھ کر کہا، ''یَا اُمَّاہُ! لَا تَخْشیٰ عَلٰی اَبِیْ وَ مَعَہٗ رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ'' (اے میری امی جان! میرے والد کے بارے میں کوئی خوف دِل میں نہ لائیے کیونکہ اُن کے ساتھ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے)۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا، ''اللہ نے کسی بھی نبی کو ایسا معجزہ نہیں دیا جیسا مجھے عطا کیا ہے۔''[1]

---

[1] علامہ محمد محمدی اشتہاردی، اُمّ المومنین سیّدہ خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام مترجم سیّد علی شیر نقوی

معجزۂ شق القمر اور ہندو مہاراجے

مہاراجہ کیرالہ مالابار

نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا منظر ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے مہاراجوں نے بھی دیکھا۔ وہ اس حیرت انگیز واقعے کی وجوہات جاننے کے لیے متحرک ہوئے چنانچہ وہ خود یا اُن کے نمائندے تحقیقات کرتے ہوئے بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس تک جا پہنچے اور نورِ اسلام سے منور ہوئے۔

روزنامہ جنگ کی ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء کی اشاعت میں عالمی شہرت یافتہ پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا ایک کالم "شق القمر اور برصغیر ہندو پاک کی پہلی مسجد" شائع ہُوا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر اس میں بحوالہ کیرالہ میگزین انڈیا ۱۹۴۸ء اور تاریخ ازبکستان ازمؤلف سیّد کمال الدین احمد، ایک ہندو مہاراجہ کی رویتِ شق القمر اور تحقیق وجستجو کے بارے میں بیان کرتے ہیں جس کا خلاصہ یوں ہے:

شق القمر کا معجزہ ۸ بعثت میں ہُوا، اُس وقت جنوبی ہندوستان کے (علاقہ مالابار) کیرالہ اسٹیٹ پر ایک ہندو راجا کی حکومت تھی۔ ایک رات وہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ محل کی چھت پر بیٹھا ہُوا تھا کہ اُس نے چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا، یہ منظر دیکھ کر اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اُس نے وہاں موجود اپنے خاندان کے افراد سے اِس منظر کی تصدیق چاہی تو سبھی نے تائید وتصدیق کی۔ اگلے دن اُس نے دربار طلب کیا جس میں اہلِ علم، دانشور،

پنڈت، نجومی اور جوتشی وغیرہ شریک تھے۔ مہاراجے نے اُن سے شق القمر کا واقعہ بیان کیا اور اس کی تحقیق و تصدیق کا حکم دیا۔ اُنھوں نے اپنی اپنی تحقیق و جستجو کے بعد شق القمر کی تصدیق کی اور بتایا کہ یہ اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا معجزہ ہے جس کا ذِکر ہماری کتابوں میں یوں ہے کہ سرزمینِ عرب پر ایک نبی پیدا ہوں گے جن کی اُنگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارے خیال میں سرزمینِ عرب پر وہ نبی پیدا ہو گئے ہیں اور شق القمر کا یہ معجزہ اُنھیں کے اشارے پر ہُوا ہے۔ مہاراجہ یہ سُن کر بہت متاثر ہُوا لیکن مزید اطمینان کے لیے اپنے بیٹے کو عرب بھیجنے کا ارادہ کیا۔ پس اُس کا جواں سال بیٹا ایک سو مسلح افراد کے ساتھ روانہ ہُوا۔ راجا نے بہت سے قیمتی تحائف دے کر اُسے ہدایت کی کہ اگر اس واقعے کی تصدیق ہو جائے تو میری طرف سے یہ تحائف نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں پیش کرنا اور میرا اسلام عرض کرنا۔

مکّہ پہنچ کر لوگوں کی زبانی معجزۂ شق القمر سُنا اور تصدیق ہو گئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا راجکمار کا اشتیاق بڑھ گیا۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہُوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے اور آنے کا سبب دریافت فرمایا۔

راجکمار نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا، مہاراجے کے بھیجے ہوئے تحائف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیے اور اُس کا سلام پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شکریہ ادا کیا اور مہاراجے کے لیے دُعائے خیر کے کلمات ادا فرمائے۔ روایت ہے کہ اُسی دن (یعنی جونہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاراج کے لیے دُعائے خیر کے کلمات ادا فرمائے)، وہ دِل ہی دِل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لے آیا اور بُت پرستی ترک کر دی۔ اِدھر یہ شہزادہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مِل کر اتنا متاثر ہُوا کہ مسلمان ہو گیا اور ایک صحابی کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اُس کے ساتھ آئے ہوئے سپاہیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد شہزادے نے واپسی کا سفر شروع کیا، جب وہ

کیرالہ اسٹیٹ کے قریب پہنچا تو اُسے مہاراجہ کے انتقال کی خبر ملی۔ مہاراجے کی وفات کے بعد شہزادے کا انتظار کیا جا رہا تھا، پس جیسے ہی وہ اپنی ریاست میں پہنچا اُس کا روایتی شاہانہ طریقے سے استقبال کیا گیا اور باضابطہ طور پر ریاست کا مہاراجہ بنا دیا گیا۔ اُس نے مصلحتاً اپنے مسلمان ہونے کو چھپایا اور عنانِ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اپنی حکومت کو مستحکم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ جب ہر طرف سے اطمینان حاصل ہُوا اور حکومت پر گرفت مضبوط ہو گئی تو اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیا اور لوگوں کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ اُن کی ترغیب اور تبلیغ سے بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔ نوجوان مہاراجے کا مسلمان ہونا اُس کے باپ کا مرہونِ منت تھا۔ اگر وہ شق القمر کے واقعے کی تصدیق کرنے کے لیے اُسے عرب نہ بھیجتا تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کی نظرِ عنایت سے محروم رہتا اور دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہو سکتا۔ صحابیٔ رسول ہونے کی حیثیت سے پہلا مسلمان حکمران ہونے کا اعزاز بھی اُسی کے حصّے میں آیا۔ اُس کے باپ کے لیے بھی حضور نبی کریم ﷺ نے خیر کے دُعائیہ کلمات ادا فرمائے تھے اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوّت پر غائبانہ ایمان لا کر وہ بھی ایک عظیم مرتبے پر فائز ہو چکا تھا۔

اس نئے مہاراجہ کو مسجد بنانے کا خیال آیا اور اُس نے ایک مسجد تعمیر کروائی جس کا نام چیرامن مسجد (Cheraman Mosque) رکھا گیا۔ یہ برصغیر پاک و ہند کی پہلی مسجد ہے جو کیرالہ میں اکراکالام (Akrakalam) کے مقام پر تعمیر کی گئی۔ یہ علاقہ ساحل سمندر سے منسلک ہے اور مالابار کہلاتا ہے۔ یہاں پر اِس وقت بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے جو راسخ العقیدہ ہیں۔[۱]

---

[۱] ڈاکٹر عبدالقدیر خان، روزنامہ جنگ (۱۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء) بحوالہ کیرالہ میگزین ۱۹۴۸ء اور بحوالہ سیّد کمال الدین احمد، تاریخ ازبکستان

مہاراجہ مالیبار سامری

مفتی محمد شفیع قرآن پاک کی تفسیر ''معارف القرآن'' میں سورۃ القمر کے ذیل میں لکھتے ہیں، ''ہندوستان کی مشہور و مستند ''تاریخ فرشتہ'' میں اس کا ذِکر بھی موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ مالی بار نے یہ واقعہ بچشمِ خود دیکھا اور اپنے روزنامچے میں لکھوایا، اور یہی واقعہ اُن کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔''[1]

ہندوستان کے علاقے مالابار کی ریاست کیرالہ اسٹیٹ کے جس راجے کا ذِکر ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اپنے مضمون میں کیا تھا ممکن ہے یہ وہی راجا ہو کیونکہ اس کا تعلق بھی ''ملی بار'' یا ''مالی بار'' سے بیان کیا گیا ہے لیکن تاریخ فرشتہ میں اس راجے سے متعلق جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ خاصے مختلف ہیں، اس لیے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس کو ایک الگ عنوان سے یہاں بیان کیا جائے۔

''تاریخ فرشتہ'' میں مؤلف محمد قاسم فرشتہ ''تحفۃ المجاہدین'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''ملی بار'' ایک مملکت ہے جو ہندوستان سے دکن کی طرف واقع ہے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی یہود و نصاریٰ کے لوگ تجارت کی غرض سے یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ہجرت کے دو سو سال بعد مسلمانوں کی ایک جماعت عرب سے بذریعہ کشتی قدم گاہِ حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت کے لیے سراندیپ (سری لنکا) جا رہی تھی کہ بھٹک کر ملی بار کی طرف جا نکلی۔ وہاں راجا سامری کی حکومت تھی جو بہت بااخلاق اور زیورِ علم و دانش سے آراستہ شخص تھا۔ اُس نے مسلمان مسافروں کی خوب آؤ بھگت کی اور اُن کے مذہب و ملت سے متعلق کئی سوالات کیے۔ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذِکر سُن کر وہ بہت متاثر ہُوا۔ جب اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزۂ شق

---

[1] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن طبع ادارۃ المعارف کراچی، جلد ۸ ص ۲۲۷

القمر سنا تو کہا کہ یہ بہت بڑا واقعہ ہے، اگر یہ جادُو نہیں اور واقعی حق وصداقت پر مبنی ہے تو اسے ضرور قرب وجوار کے لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا اور ہمارے ملک کا دستور ہے کہ جب کوئی بہت اہم واقعہ رُونما ہوتا ہے تو اُسے قلم بند کرلیا جاتا ہے۔ میرے آباواجداد کا دفتر میرے پاس محفوظ ہے، اُس کے ذریعے تمھارے بیان کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ پھر اُس نے اپنے کارندوں کو بلا کر اُس زمانے کے روزناموں میں شق القمر کا واقعہ تلاش کرنے کا حکم دیا۔ ایک دفتر میں واقعہ مل گیا۔ لکھا تھا کہ فلاں تاریخ کو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا گیا جو پھر سالم ہوگیا۔ یہ سنتے ہی راجا سامری کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہوگیا اور وہ مسلمان ہوگیا۔

آگے چل کر محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں، ''صحیح روایت یہ ہے کہ سامری نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اپنے ملک میں چاند کا دو ٹکڑے ہونے مشاہدہ کیا تھا اور اس امر کی تحقیق کے واسطے معتمد آدمی اطراف واکناف میں بھیجے۔ جب اُسے معلوم ہُوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوّت کا دعویٰ کر کے جملہ معجزات سے چاند کو شق کیا ہے تو وہ جہاز پر سوار ہو کر حجاز کی طرف گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے مشرف ہو کر مسلمان ہُوا۔ خانہ کعبہ کی زیارت سے بھی خدا نے اُسے مشرف فرمایا۔ ایک دن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت لے کر عازمِ وطن ہُوا مگر جب مع ایک جماعتِ اہل اسلام شہر ظفار میں پہنچا تو مرضِ مہلک میں گرفتار ہو کر فوت ہُوا۔ اب بھی اُس کی قبر اُس شہر میں ہے اور لوگ اُس کی زیارت کو جاتے اور جویائے برکت ہوتے ہیں۔''[1]

ریاست کھابڑی کے راجا کنورسین اور وزیر رتن سین

کیرالہ کے راجا اور راجا سامری کی طرح راجا کنورسین اور اُن کے وزیر رتن سین کا واقعہ بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ دونوں بھی شق القمر کا منظر دیکھ کر اُس کی تحقیق میں لگ گئے تھے

---

[1] محمد قاسم فرشتہ، ۱۰۱۵ ہجری، تاریخ فرشتہ، جلد ۴ ص ۱۳۱ ۷ تا ۳۳ ۷

اور آخر کار اُن کی تحقیق اُنھیں ایمان کی دہلیز تک لے گئی۔ ان بزرگوں کے مختصر واقعات مختلف اخباروں اور رسالوں میں نظر سے گزرے ہیں۔ حال ہی میں سیّد پیغمبر عباس نوگانوی کا ایک مضمون ''تین ہجری کا ہندی مسلمان، رتن سین'' زیر مطالعہ آیا ہے، مضمون کافی دلچسپ اور معلوماتی ہے اور اس میں قدرے تفصیل کے ساتھ راجا کنور سین اور اُن کے وزیر رتن سین کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

سیّد پیغمبر عباس نوگانوی لکھتے ہیں:[۱] ''تاریخ نویسوں نے ہندوستان میں اسلام کی آمد حجاج بن یوسف کے نوعمر کمانڈر محمد بن قاسم سے منسوب کی ہے اور یہ ایسی ذہنیت کا نتیجہ ہے جو اسلام کو تلوار کے زور پر پھلتا پھولتا مانتی ہے، یہاں بھی یہی ظاہر کیا گیا ہے کہ محمد بن قاسم نے ہندوستان پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں ہندوستان میں اسلام کی داغ بیل پڑ گئی، لیکن تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرکار رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معجزۂ شق القمر سے ہندوستان اسلام کی ضیا سے منور ہو گیا تھا۔ کتاب "بیان الحق و صدق المطلق" (مطبوعہ تہران ۱۳۲۲ ہجری) میں فخر الاسلام لکھتے ہیں کہ حافظ مزّی نے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ بعض مسافروں نے بتایا کہ ہم نے ہندوستان میں ایسے آثار دیکھے جو معجزۂ شق القمر سے متعلق تھے.....الخ، ان میں سے ایک درگاہ ضلع جے پی نگر کی تحصیل دھنورہ میں نوگانواں سادات سے تقریباً ۱۶ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے گنگا کے کنارے موجود ہے جہاں کنور سین اور ان کے وزیر حاجی رتن سین دفن ہیں۔ تحصیل دھنورہ کے مال خانے میں اس کا اندراج ''درگاہ شق القمر'' کے نام سے ہے۔ اس درگاہ پر ہولی کے بعد آنے والی جمعرات کو عرس و میلہ بھی لگتا ہے۔

۱۳ شعبان قبل ہجرت، پورن ماشی کے موقع پر ہندوستان میں جب راجوں مہا راجوں نے چاند کو دو حصوں میں تقسیم دیکھا تو اُنھیں بڑی حیرت ہوئی، نجومیوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ عربستان سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نام کے پیغمبر نے یہ معجزہ دکھایا ہے، راجاؤں

---

[۱] (www.tebyan.net, www.quran.tebyan.net, www.tebib.net)

نے اپنے نمائندے تصدیق کے لیے عربستان روانہ کیے جن میں شمالی ہندوستان کی چھوٹی سی ریاست کھابڑی کے راجا کنورسین نے بھی اپنے وزیر رتن سین کو روانہ کیا۔

کھابڑی ریاست موجودہ اتر پردیش کے ضلع جے پی نگر و بجنور کے دریائے گنگا سے متصل علاقوں پر محیط تھی، اس ریاست میں پراکرت زبان بولی جاتی تھی۔ رتن سین کے مدینہ[۱] جانے اور ساتھیوں سمیت ایمان لانے پر تو سب متفق ہیں مگر اُن سے متعلق جو داستانیں سنائی جاتی ہیں اُن سے علما نے اختلاف کیا ہے، شمس الدین بن محمد جزری کہتے ہیں کہ میں نے عبدالوہاب بن اسماعیل صوفی سے سنا کہ جب ہم ۶۷۵ ہجری میں وارِدِ شیراز ہوئے تو ہماری ملاقات شیخ معمر محمود بن رتن سین سے ہوئی اُنھوں نے ہمیں بتایا کہ میرے بابا رتن سین نے معجزۂ شق القمر دیکھا تھا اور یہی معجزہ اُن کی ہندوستان سے عرب ہجرت کا سبب بنا۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو مسلمان (جنگِ احزاب کے لیے) خندق کھود رہے تھے، اُنھوں نے وہاں جاتے ہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی صحبت اختیار کر لی۔[۲]

رتن سین کی عمر عرب وعجم کے محققین وعلما نے ۶۰۰ سال سے زائد بیان کی ہے جس کا مآخذ سنے سنائے قصّے ہیں "دائرۃ المعارف قاموس عام لکل فن و مطلب" کی آٹھویں جلد مطبوعہ لبنان میں ر، ت، ن کے ذیل میں رتن کا تذکرہ کرتے ہوئے معلم بطرس بستانی نے لکھا ہے کہ رتن ہندی نے دوبار رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی زیارت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اُنھیں طولانی عمر کی دُعا دی جس سے اُن کی عمر ۶۰۰ سال سے زائد ہوئی۔

علامہ ابن حجر مکی نے ''الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ''میں اور علامہ ذہبی نے ''میزان الاعتدال اور لسان العرب'' میں رتن سین کی طولانی عمر کے قصّے کو فرضی قرار دیا ہے۔ ہندوستان میں جو دستاویز رتن سین اور ان کے راجا کنورسین سے متعلق موجود ہیں اُن

---

[۱] رتن سین کے پہنچنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت کر چکے تھے اس لیے اُنھیں بھی مدینہ جانا پڑا۔

[۲] مؤلف محمد طاہر بن علی ہندی، (متوفی ۹۸۶ ہجری) تذکرۃ الموضوعات، ناشر امین، قج، بیروت، لبنان

سے رتن سین کی عمر ۶۰۰ سال ثابت نہیں۔ سنہ ۳ ہجری میں رتن سین مشرف بہ اسلام ہوئے، ۳ ہجری سے ۷ ہجری تک مدینہ میں قیام کیا اور ۱۱ ہجری میں وفات پائی لہٰذا رتن سین کی ۶۰۰ سال عمر والا قصّہ بے بنیاد ہے۔

ماسٹر سیّد اختر عباس نوگانوی ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج امروہہ کی تحقیق کے مطابق رتن سین سے متعلق معلومات کنور سین کی قبر پر لگے کالے قیمتی پتھر (سنگِ موسیٰ) سے ریلوے پولس انسپکٹر سیّد صادق حسین نانوتہ سہارنپور اور مولوی ارتضیٰ حسین امروہوی مقیم ریاست رامپور کو ۱۹۳۱ء میں حاصل ہوئی تھیں جس کا پتا سیّد صادق حسین نانوتوی کو سیّد احمد حسین رضوی حسن پوری نے دیا تھا۔ انسپکٹر صادق حسین اور مولوی ارتضیٰ حسین نے اس پتھر کی عبارت پڑھنے اور ترجمہ کرنے کے لیے مراد آباد کے محلہ کسرول سے پنڈت برہما نند کو تلاش کیا جن کی عمر اُس وقت ۹۵ سال تھی، پنڈت برہما نند نے اُس پتھر کو دیکھ کر بتایا کہ یہ پراکرت زبان میں ہے۔

بہر حال پنڈت برہما نند ترجمہ کرتے رہے اور یہ لوگ لکھتے رہے جس کی اُجرت پنڈت برہما نند نے اُس وقت (۱۹۳۱ء میں) تین سو روپے لی تھی۔ راجا کنور سین کی قبر کے اس پتھر پر یہ عبارت حاجی رتن سین نے ۲۵ ذیقعدہ ۸ ہجری کو راجا کے دفن کے بعد کندہ کرائی تھی، رتن سین نے اس پتھر پر دیگر اہم باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھوایا تھا کہ میں نے تین سال خدمتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں رہ کر بھوج پتر پر حالات تحریر کیے ہیں جو کتاب کی شکل میں مجاور کے پاس ہیں اور اُس کو ہدایت کر دی ہے کہ اس کو ضائع نہ کرے۔ جب صادق حسین کو اس بات کا علم ہُوا تو اُنھوں نے مجاور شیخ عبد الرزاق سے کہا کہ اگر آپ واقعی اس درگاہ کے مجاور ہیں تو ضرور آپ کے پاس بھوج پتر پر لکھی ہوئی کتاب ہوگی ورنہ اصل مجاور کوئی اور ہے۔ اس بات کو سُن کر شیخ عبد الرزاق گھر میں گئے اور ٹین کے ڈبے میں بند مطلوبہ بھوج پتر پر لکھی ہوئی کتاب نکال کر لائے اور دُور سے صادق حسین کو دکھا دی، صادق حسین نے کہا کہ یہ کتاب امانت کے طور پر ترجمہ کے

لیے دے دو، اس پر مجاور شیخ عبدالرزاق نے کہا کہ میں اسے چھونے بھی نہیں دوں گا۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں صدر العلما مولانا سیّد سلمان حیدر نوگانوی نجفی، مولانا روشن علی سلطان پوری نجفی، مولانا مشکور حسین نوگانوی اور مولانا نعیم عباس نوگانوی وغیرہ بھی درگاہ پہنچے اور مجاور سے کتاب کا ترجمہ کرانے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُس نے ایک نہ سنی۔

اگر مجاور باشعور مسلمان ہوتا تو از خود کوشش کر کے اس کتاب کا دُنیا کی تمام زندہ زبانوں میں ترجمہ کروا کے شائع کرا دیتا جس سے تاریخ نویسوں کو بہت مدد ملتی اور اثباتِ حق کے لیے یہ کتاب بہترین دستاویز شمار ہوتی۔ مجاور اور اُس کے گھر والوں نے وہ کتاب ترجمہ کے لیے نہ دی بلکہ پتھر کی عبارت کا ترجمہ سُن کر راتوں رات اُسے بھی قبر سے اُکھاڑ کر غائب کرا دیا۔ جب بے شعور مسلمانوں کی یہ حالت ہے تو ہم حکومت کے محکمہ آثارِ قدیمہ سے کیا شکایت کریں؟

اگر آثارِ قدیمہ نے اُس اہم دستاویز کو ضائع ہونے سے بچالیا ہوتا تو آج محققین کو اس میں شک نہ ہوتا کہ ہندوستان نورِ اسلام سے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ ہی میں منور ہو گیا تھا۔ مجاوروں نے وہ تمام پتھر بھی ہٹوا دیے جن پر تاریخیں کندہ تھیں، رتن سین کی قبر کا پتھر بھی غائب کرا دیا مگر ان کتبوں اور پتھروں کی نقول کاغذاتِ مال میں دھنورہ تحصیل میں موجود ہیں۔ راجا کنور سین کی قبر پر لگے پتھر کی عبارت کے ترجمے سے چند تاریخی حقائق اور واضح ہو جاتے ہیں، پتھر پر معجزۂ شق القمر کی تاریخ ''۱۳ شعبان قبل ہجرت پورن ماشی کے موقع پر'' لکھی ہے۔

آیت اللہ مکارم شیرازی تفسیر نمونہ کی جلد ۲۳ مطبوعہ قم میں صفحہ ۱۸ پر سورۃ القمر کی پہلی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ معجزہ ہجرت کے نزدیک مکی زندگی کے آخری ایام میں رونما ہُوا تھا اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ معجزہ اُن حقیقت کے متلاشی افراد کے کہنے پر انجام دیا تھا جو مدینہ سے خدمتِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں مکّہ آئے تھے اور عقبہ میں اُنھوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیعت کی تھی۔ اس روایت کو علامہ مجلسی نے بحارالانوار کی جلد

۱۷ کے صفحہ ۳۵ پر درج کیا ہے۔ بعض علما نے معجزۂ شق القمر کو ہجرت سے ۸ سال قبل بیان کیا ہے جس کو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ابوجہل وابولہب کے کہنے پر انجام دیا۔ بہرحال رتن سین کا تعلق اُسی معجزے سے ہے جو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے مکی زندگی کے آخری ایام میں انجام دیا۔ رتن سین کے مدینہ طیبہ پہنچنے کی تاریخ ۵ رمضان ۳ ہجری اور کھابڑی واپس آنے کی تاریخ ۱۲ صفر ۸ ہجری درج ہے اور رتن سین کی قبر پر لگے پتھر پر رتن سین کی تاریخ وفات ۱۱ ہجری درج ہے۔

رتن سین نے راجا کی قبر کے پتھر پر یہ بھی لکھوایا تھا کہ مدینہ پہنچنے پر رتن سین اور اُن کے ساتھیوں کو حضرت علی (علیہ السلام) کے ہاں مہمان رکھا گیا اور بہت شاندار ضیافت کی گئی۔ رتن سین کے مدینہ پہنچنے کے دس روز بعد ۱۵ رمضان ۳ ہجری کو رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پہلے نواسے حضرت امام حسن (علیہ السلام) کی ولادت ہوئی، رتن سین نے امام حسن (علیہ السلام) کو سچے موتیوں کی مالا پہنائی جو رنگ تبدیل کر کے سبز ہوگئی، اس پر رتن سین کو بڑی حیرت ہوئی اور اُنھوں نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا کہ میرا یہ فرزند زہرِ دغا سے شہید کیا جائے گا (جس سے بدن سبز ہوجائے گا)، سنہ ۴ ہجری میں رسولِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دوسرے نواسے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی ولادت ۳ شعبان المعظم کو ہوئی۔ بچّے کو دیکھ کر رتن سین بہت خوش ہوئے اور اُن کے گلے میں بھی سفید سچے موتیوں کی مالا پہنائی۔ رتن سین کے دیکھتے ہی دیکھتے اُس مالا کے موتی سرخ ہوگئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اس کا سبب یہ فرمایا کہ کربلا کے میدان میں میرا یہ فرزند تین دن کا بھوکا پیاسا مع عزیز و اقربا شہید کیا جائے گا، یہ فرما کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بے ساختہ رونے لگے۔

رتن سین نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے ۳۰۰ حدیثیں بھی روایت کی ہیں جن میں سے چند احادیث کو ''الاصابہ فی معرفۃ صحابہ'' میں ابن حجر مکی نے اور ''لسان العرب و میزان الاعتدال'' میں ذہبی نے، رتن سین کی موضوعہ حدیثوں کے طور پر بعنوان مثال نقل کیا ہے،

اُن میں سے چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

رتن سین کہتے ہیں کہ ہم خزاں کے موسم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھے اور ہوا چل رہی تھی جس سے پتے گر رہے تھے یہاں تک کہ اُس درخت پر ایک بھی پتا باقی نہ بچا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جب مومن فرض نماز کو جماعت سے پڑھتا ہے تو اس سے گناہ اسی طرح ختم ہوجاتے ہیں جیسے اِس درخت سے پتے۔

رتن سین سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جس نے کسی مالدار کی عزت اس کے مال کی وجہ سے کی اور محتاج کی بے عزتی اس کی ناداری کی وجہ سے کی تو اُس پر ہمیشہ اللہ کی لعنت ہوگی مگر یہ کہ (وہ) توبہ کرلے۔

رتن سین سے منقول ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جو شخص آلِ محمد (علیہم السلام) کی دشمنی پر مرے گا وہ کافر کی موت مرے گا۔

رتن سین سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ عالم کے لباس پر اُس کی دوات کی سیاہی کا نقطہ اللہ کو شہید کے پسینے کے سو قطروں سے زیادہ پسند ہے۔

رتن سین کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جو روزِ عاشورہ امام حسین (علیہ السلام) پر گریہ کرے گا وہ قیامت کے روز اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ محشور ہوگا۔

رتن سین سے منقول ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ روزِ عاشورہ کا گریہ قیامت میں نورِ تام (کا باعث) ہوگا۔

اگر ہم رتن سین کو سچا مان لیں تو پھر رتن سین محدث، صحابیٔ رسول، محبِ اہل بیت اور ہندوستان کے اوّلین مسلمان شمار ہوں گے اور اگر علمائے رِجال ابن حجر اور علامہ ذہبی کے مطابق رتن سین کو ثقہ نہ مانیں تو صحابیٔ رسول، محبِ اہل بیت اور ہندوستان کے اوّلین مسلمان تو تھے ہی حال آنکہ مذکورہ حدیثیں بھی کسی نہ کسی راوی کے ذریعے ہی ہم تک پہنچ چکی ہیں۔''

ریاست دھار کے راجا بھوج

مندرجہ بالا مضمون میں مصنف نے ایک اور راجا کا بھی ذِکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ رتن سین کے علاوہ موجودہ مدھیہ پردیش کے مالوہ میں ریاست دھار کے راجا بھوج بھی شق القمر کے معجزے کے بعد ایمان لے آئے تھے اور اُنھوں نے اپنے عہد میں تین مسجدیں ایسی بنوائیں جو آج تک صحیح حالت میں ہیں۔ ایک مسجد دھار میں ہے، دوسری بھوجپور میں اور تیسری مانڈوہ میں ہے جنھیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد محمد بن قاسم کے حملے سے نہیں بلکہ رسولِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معجزۂ شق القمر کی برکت سے ہوئی تھی۔ [1]

ریاست بھوپال کے راجا بھوجپال

معجزۂ شق القمر کے حوالے سے پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جہاں ہندوستان کی کیرالہ اسٹیٹ کے راجا کا ذِکر کیا ہے وہاں اُنھوں نے اپنے ایک مضمون میں بھوپال کے راجا بھوجپال کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ وہی راجا بھوج ہو جس کا ذِکر ہم نے اُوپر کیا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہ نہ ہو کیونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر کے بقول بہت سے راجے اس نام سے مشہور رہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے مضمون کی تلخیص:

''بھوپال کے راجا بھوجپال نے شق ُالقمر کا معجزہ دیکھ کر اپنے عالموں سے اس بارے میں دریافت کیا تھا۔ جب اُسے بتایا گیا کہ عرب میں ایک پیغمبر کا نزول ہُوا ہے جنہوں نے چاند کے دوٹکڑے کر کے معجزہ دکھایا ہے تو اُس نے ایک وفد تحائف کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔ اُن تحائف میں پان کے پتّے بھی تھے جنھیں اُس دور میں اہم اور قیمتی چیز تصور کیا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پان کے پتّے کو چکھ کر فرمایا تھا کہ یہ سبزی برص وجزام کے علاج کے لیے مفید ہے۔ یہ روایت سُن کر ہی امیر خسرو نے کہا تھا:

---

[1] (www.tebyan.net, www.quran.tebyan.net, www.tebib.net)

سبزی اوقات طع برص و جزام

بقول نبیٔ وقت علیہ السّلام

ڈاکٹر عبدالقدیر لکھتے ہیں، ''راجا بھوج کے بارے میں عجیب عجیب کہانیاں مشہور ہیں اور بہت سے راجے اس نام سے مشہور ہیں۔ راجا نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں کچھ تحائف غالباً اپنے بیٹے ماتا دین کے ہاتھ بھیجے تھے جو مع اپنے وفد کے مسلمان ہو گیا تھا اور اُس کا اسلامی نام محی الدین رکھا گیا تھا۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس کے ساتھ عبداللہؓ نامی صحابی کو راجا بھوج کے پاس بھیجا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مولانا عباس رفعت (غالبؔ کے شاگرد) ۱۲۶۵ء میں پیران دھار گئے تو اُنھوں نے راجا بھوج کی قبر حضرت عبداللہؓ صحابی کی پائینتی ملاحظہ کی۔ سب سے زیادہ مستند بیان نواب شاہجہان بیگم (بیگم بھوپال) کا ہے، اُنھوں نے بزرگ کا نام عبداللہ چنگال بتایا جو شاید عبداللہ جندال ہو گا کیونکہ عربی میں ''گ'' اور ''چ'' نہیں ہوتے۔ اُنھوں نے ۴۰ اشعار کا ایک قصیدہ بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے جو عبداللہؓ چنگال کے مقبرے کی دیوار پر کندہ ہے۔ اس قصیدے سے پتا چلتا ہے کہ یہاں کچھ مسلمان آئے جنہوں نے فجر کی اذان دی جو کافروں کو ناگوار گزری اور اُنھوں نے اُن سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ پھر حضرت عبداللہؓ چنگال آئے اور راجا بھوج اُن کی فراست دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ قبریں ٹوٹ پھوٹ کر ہموار ہو گئیں تو شہنشاہ خلیج محمود کے حکم سے ان کی مرمت کی گئی، قبہ دار مقبرہ، مسجد اور ساتھ لنگر خانہ بنایا گیا، یہ تعمیر ۱۸۵۹ء میں مکمل ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''شہادتین معجزات'' میں لکھا ہے کہ راجا بھوج اور راجا مالوہ ایک ہی شخص کے نام ہیں جو شقّ القمر دیکھ کر مسلمان ہو گئے''۔ [1]

---

[1] ڈاکٹر عبدالقدیر خان، روزنامہ جنگ (۱۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء اور ۳ مارچ ۲۰۱۰ء) بحوالہ:
محمد احمد سبزواری، رسالہ فکر و آگاہی بھوپال نمبر

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(اہلِ سُنّت کی نظر میں)

فرمانِ الٰہی ہے: [1]

’’ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○‘‘

(پاک ہے وہ جو اپنے بندۂ خاص کو رات کے تھوڑے عرصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ دکھائیں ہم اُنھیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔)

’’مدارجُ النبوّت‘‘ میں ہے کہ اسریٰ کے معنی ہیں ’’لے جانا‘‘، مطلب یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکّہ سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا اور پھر وہاں سے آسمان پر لے جانے کا نام معراج ہے۔ یہ احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے، اِس کا مُنکر فاسق، جاہل، محروم اور کافر ہے کیونکہ یہ اللہ کی کتاب سے ثابت ہے۔ مذہبِ صحیح یہی ہے کہ اسریٰ و معراج سب کچھ بحالتِ بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔ صحابہ، تابعین اور اتباع کے مشاہیر، علما اور اُن کے بعد محدثین، فقہا اور متکلمین، سب کا اِس پر ایمان ہے اور اِس پر احادیثِ صحیحہ اور اخبارِ صریحہ متواتر ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معراج خواب میں رُوح سے تھی۔ اِس کی جمع و تطبیق وہ اِس طرح کرتے ہیں کہ یہ واقعہ متعدد بار ہُوا۔ ایک مرتبہ بیداری میں اور دیگر اوقات خواب میں رُوح سے، کچھ بار مکّہ مکرمہ میں اور کچھ مرتبہ مدینہ طیّبہ میں۔ اِس کے باوجود اِس پر سب متفق ہیں کہ اَنبیا علیہم السلام کی رویا یعنی خواب وحی ہے جس میں کسی شک وشبہ کو دخل نہیں۔ خواب میں ان کے دِل بیدار اور آنکھیں پوشیدہ (یعنی بند) ہوتی ہیں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ معراج بحالتِ بیداری

---

[1] سورۃ الاسراء، آیت نمبر ۱

اور جسم کے ساتھ ہی تھا۔ ''اسریٰ'' کو خواب میں بیان کرنے والوں میں ایک تو حضرت اَنس ہیں جنھوں نے اُس حال کا مشاہدہ ہی نہیں کیا تھا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کیونکہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور حضرت اَنس رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اُس وقت وہ سات آٹھ سال کے بچّے تھے، جیسا کہ اہلِ علم تصریح کرتے ہیں۔ یہی حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ''مَا فَقَدَ جَسَدُ مُحَمَّدٍ'' (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم بستر سے گم نہ ہُوا تھا) کا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں تھیں اور نہ قبط وحفظ کی عمر ہی تھی بلکہ ممکن ہے پیدا بھی نہ ہوئی ہوں۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مزید لکھتے ہیں کہ معراجِ مبارک کی حدیث کو صحابۂ کرام کی جماعتِ کثیرہ نے تواترِ معنوی کے مرتبہ میں روایت کیا ہے، اگرچہ بعض خصوصیات میں روایات مختلف ہیں۔ اِن میں مشہور وہ طویل حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت قتادہ، حضرت اَنس اور مالک بن صعصہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک سفید چوپایہ لائے جس کا نام براق ہے، وہ خچر سے پست اور گدھے سے اُونچا تھا اور منتہائے نظر پر اُس کا قدم پڑتا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ براق کے دو بازو (پر) تھے جن سے وہ اُڑتا تھا۔ براق کی رکاب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں اور لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکاب میں پائے اقدس رکھنے لگے تو براق نے شوخی کی، اُس وقت جبرائیل علیہ السلام نے اُس سے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے کیوں شوخی کرتا ہے؟ تجھ پر تمام مخلوق سے زیادہ بزرگ و مکرم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہُوا چاہتے ہیں۔ پھر اُس نے شوق کا اظہار کیا اور زمین پر بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی پشت پر سواری فرمائی۔ کچھ روایات کے مطابق، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسِ پشت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے تھے۔ ممکن ہے اُنھوں نے پہلے رکاب تھامی

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱، باب ذِکر معراج

ہو اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے از راہِ محبت و عنایت اُنھیں اپنا ردیف بنا لیا ہو، یا یہ کہ پہلے وہ ردیف بنے ہوں اور اُس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم و تکریم کے لیے اُتر کر رکاب تھام لی ہو۔ براق ایک نخلستان میں پہنچا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! یہاں دوگانہ ادا فرمائیں، یہ یثرب کی زمین ہے جسے بعد میں مدینہ منوّرہ کہا جائے گا۔ جب مدین اور عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ جناب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! یہاں پر بھی دوگانہ ادا فرمائیں۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ یہ بڑھیا کون ہے؟ عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بڑھے چلیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک جانب ایک شخص کھڑا ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بُلا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ حضور بڑھے چلیے۔ ایک جماعت پر گزر ہُوا تو اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا، وہ کہہ رہی تھی، ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَوَّلُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا آخِرُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَاشِرُ'' اس پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اِن کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام کا جواب عنایت فرمایا۔ اُس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ بوڑھی عورت جسے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ملاحظہ فرمایا، دُنیا تھی۔ دُنیا کی عمر اتنی باقی ہے جتنی اُس بڑھیا کی عمر باقی ہے اور وہ شخص جس نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مخاطب کیا تھا، ابلیس تھا۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اُس کی طرف التفات فرماتے اور اُسے جواب دیتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اُمت دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور شیطان اُسے گمراہ کرتا اور وہ جماعت جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر سلام عرض کر رہی تھی وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گذر موسیٰ علیہ السلام کی قبرِ انور پر ہُوا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، اُنھوں نے کہا ''اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ'' یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ

یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایسے نیک و بدلوگوں کے گروہوں اور قوموں پر ہُوا جو عالم برزخ ومثال میں اپنے احوال وافعال کے ثمرات ونتائج میں مشغول وگرفتار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیتُ المقدس پہنچے اور براق کو مسجد کے دروازے (اُس دروازے کو اب بابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے) پر باندھ کر اندر تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کی۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیا کی ارواحِ مقدسہ بھی متمثل ہو کر حاضر ہوئیں، خدا کی حمد وثنا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کی۔ سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کا اعتراف کیا، اذان کہی گئی، نماز کے لیے اقامت ہوئی اور سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت فرمائی اور تمام انبیا و ملائکہ علیہم السلام نے اقتدا کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لائے تو جبرائیل علیہ السلام نے ایک پیالہ شراب کا اور ایک دُودھ کا پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اختیار ہے کہ جو پیالہ چاہیں نوش فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُودھ کے پیالے کو پسند فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ کہا، ''اَصَبْتَ فَاَصَابَ اللّٰہُ بِکَ''، یعنی آپ نے راہِ صواب (نیکی اور راستی کی راہ) کو اختیار فرمایا۔ ایک اور روایت کے مطابق جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شراب کو اختیار فرماتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت گمراہ ہو جاتی اور اس کی طرف راغب ہو جاتی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ دو پیالے آئے تھے، ایک دُودھ کا اور ایک شہد کا۔ ایک روایت میں ہے کہ تین پیالے آئے، ایک دُودھ کا دوسرا پانی کا اور تیسرا شراب کا، اس میں شہد کا ذِکر نہیں ہے۔ لیکن یہ طے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر روایت کے مطابق بہرحال دُودھ کو ہی پسند فرمایا۔ یہ پیالے ''سدرۃُ المنتہیٰ'' کے قریب پیش کیے گئے پھر جنتُ الفردوس سے ایک سیڑھی لائی گئی جس کے دائیں اور بائیں

فرشتے تھے اور آپ ﷺ اُس کے ذریعے آسمانوں پر پہنچے۔ وہاں آپ ﷺ نے اُن انبیائے کرام کو دیکھا جنھیں آپ ﷺ کے استقبال اور ملاقات پر مامور فرمایا گیا تھا۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس سفرِ معراج میں جو حالات و حکایات روایتوں میں مذکور ہیں وہ یوں ہیں کہ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے گذرے اور اُوپر تشریف لے جانے لگے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ایک شخص جسے میرے بعد بھیجا گیا اُسے اللہ تعالیٰ نے ایسا برگزیدہ فرمایا کہ اُس کی اُمت میری اُمت سے پہلے جنّت میں جائے گی۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کو سدرۃُ المنتہیٰ کی جانب لے جایا گیا۔ اس جگہ مخلوق کے اعمال اور علوم ختم ہو جاتے ہیں، امرِ الٰہی نزول فرماتا ہے، احکام حاصل کیے جاتے ہیں اور فرشتے یہیں ٹھہرتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھنے اور وہاں سے تجاوز کرنے کی کسی میں تاب و تواں نہیں سوائے سیّدُ المرسلین ﷺ کے۔ پس، حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اسی جگہ رُک گئے اور آپ سے جُدا ہو گئے۔ حضور ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور جُدا ہونے کا یہ کون سا مقام ہے؟ یہ جگہ ایسی تو نہیں کہ دوست دوست کو چھوڑ کر جُدا ہو جائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر میں ایک انگلی کے برابر بھی آگے جاؤں گا تو جل جاؤں گا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃُ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ساتویں میں ہے اور ان دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کی جڑ تو چھٹے آسمان میں ہے اور شاخیں ساتویں آسمان میں۔ سدرۃُ المنتہیٰ سے چار نہریں نکلتی ہیں، دو ظاہر ہیں اور دو باطن ہیں۔ باطن وہ ہیں جو جنّت میں جاتی ہیں اور ظاہر وہ ہیں جو نیل و فرات کہلاتی ہیں۔ سدرۃُ المنتہیٰ کو انوار ڈھانپے ہوئے ہیں سونے کے پرندوں اور پتنگوں کی مانند اور ہر ایک پتے پر ایک فرشتہ مامور ہے اور اس مقام کی تعریف و توصیف حدِ قیاس و عقل سے باہر ہے۔ اس کے بعد بیت

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱، باب ذِکر معراج

المعمور نمودار ہوا اور اُس سے پردہ اُٹھایا گیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں، ''ثُمَّ رُفِعَ اِلَی الْبَیْتُ الْمَعْمُوْر (پھر بیتِ معمور کی طرف لایا گیا)۔'' بیتِ معمور وہ مسجد ہے جو خانہ کعبہ کے بالکل اُوپر واقع ہے، (یعنی اگر خانہ کعبہ سے ایک عمودی خط ۹۰ ڈگری کے زاویے سے کھینچا جائے تو وہ سیدھا بیتِ معمور تک پہنچے گا۔مؤلف)۔ یہ وہ گھر ہے جسے آدم علیہ السلام کے لیے زمین پر اُترنے کے بعد بھیجا گیا اور اُن کے بعد اُٹھا لیا گیا۔ آسمان پر اِس کی قدر و منزلت ایسی ہے جیسے زمین پر خانہ کعبہ کی۔ فرشتے اِس کا طواف کرتے ہیں اور اِس کی طرف (رُخ کر کے) نماز پڑھتے ہیں۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کو بیتُ المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپ کے پاس ایک بہت خوش رو جماعت حاضر تھی، میں نے اُنھیں سلام کیا تو اُنھوں نے بھی مجھ پر سلام بھیجا۔ میں نے وہاں اپنی اُمت کو دو جماعتوں میں منقسم پایا، ایک جماعت سفید لباس میں تھی اور دوسری ملگجے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ سفید لباس والی جماعت میرے ہمراہ بیتُ المعمور آئی اور ملگجے لباس والی جماعت پیچھے رہ گئی۔ میں نے اُن سفید لباس والوں کے ساتھ بیتُ المعمور میں نماز پڑھی، (یہاں لباس کی سفیدی حُسنِ اعمال سے کنایہ ہے)۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک جماعت ایسی دیکھی جو سفید اور خوش رنگ قراطیس (کورا کاغذ) کی مانند تھی، ایک جماعت اور تھی جن کی رنگت تیرگی و تاریکی مائل تھی وہ جماعت ایک نہر پر آئی اور غسل کیا تو اُن کی رنگتیں کچھ صاف ہو گئیں پھر وہ دوسری نہر پر آئی اور غسل کیا تو اُن کی رنگتیں مکمل طور پر اُس جماعت کی مانند ہو گئیں جو سفید اور خوشرنگ تھی۔ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفید و خوش رنگ چہرے والوں کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں اور وہ تیرہ رنگت والی جماعت کون ہے اور ٹیک لگائے ہوئے کون صاحب بیٹھے ہیں اور یہ نہریں کون سی ہیں جن میں آ کر اُنھوں نے غسل کیا؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ٹیک لگائے ہوئے

صاحب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سفید لباس والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کی آمیزش سے محفوظ رکھا اور تیرہ رنگ والے وہ ہیں جنھوں نے اعمالِ صالحہ کو اعمالِ بد سے ملا دیا پھر اُنھوں نے توبہ کی اور حق تعالیٰ نے اُن پر رحمت فرمائی اور نہروں میں یہ پہلی نہر نہرِ رحمت ہے اور دوسری نہرِ نعمت ہے۔ اس کے بعد حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری اور بُلند ہوئی یہاں تک کہ اُن فرشتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو حق تعالیٰ کی تقدیر کی کتابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جنّت اور دوزخ کو لایا گیا، اُن صفات وخوبیوں کے ساتھ جو کتاب وسُنّت میں مذکور ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنّت کو رحمتِ الٰہی کا مظہر اور دوزخ کو حق تعالیٰ کے عذاب وغضب کی جگہ ملاحظہ فرمایا۔ جنّت کھلی ہوئی تھی اور دوزخ بند تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چشمۂ سلسبیل میں غسل فرمایا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنّت کے درختوں میں سے ایک احسن وطیّب درخت (طوبیٰ) کا پھل کھلایا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پشتِ مطہر میں نطفۂ اقدس بن گیا۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمین پر تشریف لائے اور اُمّ المومنین سیّدہ خدیجہ طاہرہ علیہا السلام کے حقوقِ زوجیت ادا فرمائے تو صدفِ مادر میں گوہرِ خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام قرار پایا۔ جب سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرما چکے تو قربِ الٰہی میں باریابی اور حضوری کا وقت آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس مقام پر پہنچے تو سب سے تعلق منقطع ہوگیا، کوئی فرشتہ اور انسان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نہیں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تنہا رہ گئے تھے۔ ابھی ستر نورانی حجاب ایسے تھے کہ ایک حجاب دوسرے کے ہم مثل نہیں تھا۔ روایت ہے کہ ہر حجاب کی تہہ موٹائی میں پانچ سو سال کی مسافت کے برابر تھی اور ابھی اُن کا طے کرنا باقی تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سب کو حق تعالیٰ کی مدد اور اعانت سے قطع فرمایا۔ پھر حق جل مجدہٗ سے ندا آئی، ''اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ'' یعنی اے ساری مخلوق سے افضل! قریب ہو جائیں، اے احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! قریب ہو جائیں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! قریب ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پھر میرے رب نے مجھے اپنے قریب کیا اور میں اتنا نزدیک

ہو گیا کہ دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پھر میرے رَب نے مجھ سے کچھ دریافت فرمایا تو مجھ میں اتنی تاب نہیں تھی کہ جواب دے سکتا۔ اُس وقت (اللہ تعالیٰ نے) اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان بے کیف وحد بڑھایا تو میں نے اُس کی ٹھنڈک کو اپنے سینۂ گنجینہ میں محسوس کیا۔ اُس وقت مجھے تمام اوّلین و آخرین کا عِلم عطا فرمایا اور طرح طرح کے علوم تعلیم فرمائے جن میں سے ایک عِلم ایسا تھا جس کے ظاہر نہ کرنے کا عہد مجھ سے لیا گیا کہ اسے کسی سے نہ کہوں اور کوئی اس کو برداشت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا بجز میرے، ایک عِلم ایسا تھا جس کے ظاہر کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا اور ایک علم ایسا تھا جس کو اپنی اُمت کے ہر خاص و عام میں تبلیغ کا حکم فرمایا۔ پھر میرے لیے سبز رنگ کا رفرف (دیبا وغیرہ سے بنایا گیا نرم بچھونا) بچھایا گیا جس کا نُور آفتاب کے نُور پر غالب تھا، اُس سے میری آنکھوں کا نُور چمکنے لگا۔ مجھے اُس رفرف پر بٹھایا گیا، وہ مجھے لے کر روانہ ہُوا یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا۔ پھر ایک ایسا عظیم امر دیکھنے میں آیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر ہیں۔ تب عرش سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور میری زبان پر گرا۔ میں نے اُس کو چکھا، اس سے زیادہ شیریں چیز کبھی کسی نے نہ چکھی ہوگی۔ اُس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دِل سے دیکھا اور اپنے پسِ پشت بھی ایسے ہی دیکھنے لگا جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔[۱]

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ میں اختلاف ہے جس کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا۔[۲] مختلف مؤرّخین نے اس کی مختلف تواریخ بیان کی ہیں، ایک روایت کے مطابق معراج کا واقعہ ۲۷ رجب ۱۰ نبوّت کو پیش آیا۔[۳] دوسری کے مطابق ۲۷ رجب کو اعلانِ نبوّت کے بارہویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا جب کہ واقدی کہتے ہیں کہ

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱، باب ذِکر معراج

[۲] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۹۶

[۳] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۱

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج مکّہ میں، ہجرت سے چھ ماہ قبل ۱۷ رمضان کی شب دارِ اُمّ ہانی بنتِ ابی طالب سے، بعض کے نزدیک خانۂ حضرت خدیجہ کبریٰ علیہا السلام سے اور کچھ کے مطابق شعبِ ابو طالب سے تھی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج ۲ ربیع الاوّل کو اعلانِ نبوّت کے دوسال بعد ہوئی۔ [۱]

''الرحیق المختوم''میں مندرجہ ذیل اقوال درج ہیں: [۲]

۱) بحوالہ طبری جس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کونبوّت دی گئی اُسی سال معراج بھی واقع ہوئی۔

۲) نبوّت کے پانچ سال بعد معراج ہوئی۔

۳) نبوّت کے دسویں سال ۲۷ رجب کومعراج ہوئی۔

۴) ہجرت سے ۱۶ ماہ قبل، نبوّت کے بارہویں سال ماہِ رمضان میں معراج ہوئی۔

۵) ہجرت سے ۱۴ ماہ پہلے، نبوّت کے تیرہویں سال ماہِ محرم الحرام میں معراج ہوئی۔

۶) ہجرت سے ۱۲ ماہ قبل، نبوّت کے تیرہویں سال ماہِ ربیع الاوّل میں معراج ہوئی۔

(نوٹ:'' الرحیق المختوم'' کے مندرجہ بلا اقوال میں ''نبوّت'' سے مراد میرے نزدیک ''اعلانِ نبوّت''یعنی بعثت ہے۔مؤلف)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[۱] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج۱ص ۸۴

[۲] مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم ،ص ۱۹۷، بحوالہ طبری

معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(اہلِ تشیُّع کی نظر میں)

مولانا سیّد ظفر حسن تفسیر القرآن میں سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ مفسرین کا اس پر تو اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ معراج خانہ کعبہ کے حجرے سے ہوئی یا حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا خواہرِ حضرت علی علیہ السلام کے گھر سے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج روحانی تھی یا جسمانی۔ جو لوگ روحانی معراج کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ خواب میں ایسی عجیب چیزیں تو ایک کافر کو بھی نظر آ سکتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ذِکر؟ دوسرے اگر روحانی معراج ہوتی تو اس اہتمام سے اس کا ذِکر نہ کیا جاتا کہ شروع میں اللہ تعالیٰ ''سُبْحَانَ الَّذِیْ'' کہہ کر اپنی عظمت و جلالت کا اظہار کرتا ہے پھر لفظ ''عَبْدُہٗ'' بیان فرماتا ہے۔ ''عبد'' کا اطلاق جسم و رُوح دونوں پر ہوتا ہے نہ کہ صرف رُوح پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسمانوں پر جانے سے متعلق روایت یہ ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام براق لے کر آئے جس کی شکل گھوڑے کی سی تھی اور اُس کے دو پر بھی تھے۔

سورج کی کرنیں دریاؤں سے لاکھوں من پانی اُٹھا کر آسمان پر لے جاتی ہیں کیا اسی طرح اللہ کی بھیجی ہوئی برقی قوت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر نہیں جا سکتے تھے؟ اسی برقی قوت کا نام اگر براق رکھا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے؟

مسجد اقصیٰ کیا ہے؟ مسلمانوں کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ اس سے مُراد وہی مسجد اقصیٰ ہے جو رُوئے زمین پر موجود ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں تک پہنچانے میں کیا اعجازی شان پیدا ہوئی اور کیا عجائباتِ قدرت دکھانے کو خدا نے وہاں تک پہنچایا؟ اس مسجد اقصیٰ میں تو آئے دن لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے گئے تو کیا کمال دکھایا؟

دراصل مسجد اقصیٰ سے مُراد وہ مسجد ہے جو انتہائی سجدے کی جگہ ہے یعنی عالمِ امکان کی آخری حد جس سے اُوپر کوئی نہیں جا سکتا کیونکہ اُس سے بالاتر لامکاں ہے۔ یہی خدا کی سب سے بڑی آیت (نشانی) ہو سکتی ہے کہ خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالمِ امکاں کی آخری حد تک پہنچا دیا جہاں مقرب فرشتہ جبرائیل بھی نہ جا سکا کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے سدرۃ المنتہیٰ تک جا کر ساتھ چھوڑ دیا تھا اور یہ کہہ کر علاحدہ ہو گئے تھے:

اگر یک سرِ مُوئے برتر پرم　　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

(اگر میں ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھوں تو میرے پر جل جائیں گے)

جبرائیل علیہ السلام کو سدرہ پر چھوڑ کر آپ قابَ قوسین (دو کمانوں کا فاصلہ یعنی نہایت قریب) کے مقام تک پہنچے.... سدرہ سے آگے بڑھنے میں راویوں نے کسی براق کا ذِکر نہیں کیا اور نہ واپسی کے وقت یہ بتایا کہ وہ بھی براق ہی کے ذریعے ہوئی تھی یا کوئی اور صورت تھی۔

کیا یہ خدا سے ملاقات تھی؟ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کیا خدا وہاں بیٹھا تھا جس سے ملنے کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں پہنچے؟ کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا سے ملاقات کی تھی اور اُس سے ہاتھ ملایا تھا؟ استغفر اللہ! ایسا خیال اُنھیں کے دِل و دماغ میں گردش کر سکتا ہے جو خدا کے مجسّم ہونے کے قائل ہیں اور قیامت میں خدا کے دیدار کی آرزو رکھتے ہیں۔ خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اِس لیے نہیں بلایا تھا کہ وہ اُن سے ملاقات کرے۔ جو ذاتِ پاک رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے اُس کو ملاقات کے لیے وہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ ایسی ملاقاتیں تو ہمارے مادی وجود میں ہی ہوتی ہیں جب کہ خدا تو جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے مبّرا و منزّہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالمِ امکاں ہے اور ایک عالمِ نُور ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عالمِ نُور کی مخلوق تھے جہاں وقت جگہ اور جہات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا نے چاہا کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام عالمِ امکان کی سیر کرائے اور اس کی حدِ آخر دکھائے جو عالمِ نُور سے ملی ہوئی

ہے اور جہاں قدرتِ الٰہی کے کرشمے عالمِ امکاں سے کہیں زیادہ ہیں۔ وہ خود فرماتا ہے،'' تاکہ ہم اُس کو اپنی آیات (نشانیاں) دکھادیں'' نہ کہ اپنے (آپ) کو دکھادیں۔ اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم نے اُس مسجدِ اقصیٰ کو اپنی برکات سے پرنُور بنا رکھا ہے۔

''سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ [1]''

(پاک ہے وہ جو اپنے بندۂ خاص کو رات کے قلیل عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ دکھائیں ہم اُنھیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔)

ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنّت و دوزخ کی سیر کرائی اور ملائکہ کے مقامات دکھائے تو گویا کسی کو دوزخ میں جلتے اور کسی کو جنّت میں آرام کرتے دکھایا تو یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ میں جا کر لوگوں کے عذاب کی صورت دیکھی تھی؟ یہ تو بعید از عقل ہے۔ اسی طرح جنّت میں جا کر پھر باہر کیسے آئے؟ حال آنکہ اُس کی صفت یہ ہے کہ جو جائے گا وہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔ نیز یہ کہ جنّت اور دوزخ میں لوگوں کی حالت کیسے دکھائی؟ جب کہ قیامت کے سوال و جواب سے پہلے نہ کوئی جنّت میں جا سکتا ہے نہ دوزخ ہی میں۔ یہ سیر دُور سے بھی ہوسکتی ہے جنّت و دوزخ کوئی بند مقام نہ تھے کہ اُن کے اندر ہی جا کر دیکھا جائے۔ اُن سے متعلق بوقتِ سیر یہ بھی اشارے سے بتایا جاسکتا تھا کہ یہ جنّت ہے یہ دوزخ ہے، اندرونی حالات سے فرشتہ آگاہ کرسکتا تھا، اب رہا جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات کا مشاہدہ تو یہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ جنتیوں اور دوزخیوں پر بعدِ قیامت جو کچھ گزرے گی وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سے معلوم ہوچکا تھا پس اس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی جلد جا کر واپس آجائیں کہ بسترِ خواب گرم ہی

---

[1] سورۃ الاسراء، آیت ا

رہے؟ مشکل یہ ہے کہ لوگ قدرتِ الٰہی کا اندازہ اپنی اپنی صلاحیت سے کرتے ہیں۔ جس خدائے قادرو قیوم نے انسان کی آنکھ میں یہ قوت دی ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں سارے آسمان کا مشاہدہ کرکے پلٹ آتی ہے اور اسی قلیل مدت میں چاند ستارے سب کچھ دیکھ لیتی ہے، اُس خدا نے اگر اپنی ایک خاص مخلوق کو اتنی جلد سیر کروا کر واپس کر دیا تو تعجب کی کیا بات ہے؟ جس خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین پر ملکوت سماوات والارض کو فوراً دکھا دیا تھا، جس خدا نے آصف کو یہ قوت دی تھی کہ وہ پلک جھپکتے سینکڑوں میل دُور سے بلقیس کا تخت اٹھا لائے، اُس کے لیے کیا دشوار تھا کہ تھوڑی سی مدت میں اپنے محبوب کو تمام عالمِ امکان کی سیر کرا دے؟ اب تو یہ بات سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہوگئی ہے، انسان کا بنایا ہُوا راکٹ ایک منٹ میں ہزاروں میل سفر طے کر جاتا ہے تو خدا اپنے بندے کو عالمِ امکاں کی سیر کرا کے اتنی جلدی کیوں نہیں واپس لا سکتا؟ فرشتے کی طاقت کو دیکھو جب جناب ابراہیم علیہ السلام منجنیق سے جُدا ہو کر آتشِ نمرود کی طرف چلے تو جبرائیل علیہ السلام نے آدھی راہ میں ہی آسمان سے نزول کرکے اُنھیں آلیا۔ کیا یہ سُرعت سمجھ میں آسکتی ہے؟ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرائیل علیہ السلام سے برتر و افضل ہیں، اگر اُن کے لیے ایسا ہُوا تو کیا تعجب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ قدرت کے راز ہیں ان کو انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔[۱]

معراجِ جسمانی یا معراجِ روحانی؟

اِس حد تک تو تمام اہلِ اسلام بلا تفریقِ عقائد متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے، لیکن کیسے تشریف لے گئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک معراج کا عقیدہ ضروریاتِ مذہب سے ہے اور اِس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ جو معراج کا انکار کرے وہ میری اُمت سے خارج ہے۔[۲]

---

[۱] مولانا سیّد ظفر حسن، تفسیرِ قرآن (سورۃ الاسراء/ بنی اسرائیل) ج ۳، ص ۱۳۷ تا ۱۴۰

[۲] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۶

اہلِ اسلام میں معراج سے متعلق تین خیالات پائے جاتے ہیں:[1]

۱) معراجِ رویا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اسلام کی قدروں سے آشنا لوگ دشمنانِ اسلام کی تنقیدات سے مرعوب ہوکر معراج کو خواب کہتے رہے۔

۲) معراجِ روحانی: جنہوں نے اس کو خواب کی حقیقت سے آگے بڑھایا وہ اسے معراجِ روحانی کہہ کر آگے نہ بڑھ سکے۔

۳) معراجِ جسمانی: مذہبِ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراجِ جسمانی نصیب ہُوا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

علامہ طبرسی ''مجمع البیان'' میں بیان فرماتے ہیں کہ جو لوگ اِس کو نیند کا واقعہ بتاتے ہیں سراسر غلط کہتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں یہ معجزہ نہیں رہتا اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ناطق ہے۔[2]

علامہ حسین بخش جاڑا ''تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف'' میں لکھتے ہیں، معراج سے متعلق ہمارے ہاں متعدد روایات موجود ہیں اور بہت سے صحابہ کرامؓ ان کے راوی ہیں مثلاً حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت اَنس، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت حذیفہ، حضرت اُمّ ہانی اور حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ البتہ ان روایات میں الفاظ کی کمی بیشی ضرور ہے، پس ہم ان روایات کو چار حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) وہ احادیث جن کی صحت کا ہمیں علم ہے کیونکہ وہ تواتر سے منقول ہیں اور اُن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (جسمانی طور پر) معراج پر جانا بیان کیا گیا ہے۔ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں معراج پر تشریف لے گئے۔

(۲) وہ احادیث جن کا مضمون عقلاً ممکن ہے اور اُصول بھی اُن کو قبول کرتے ہیں، مثلاً آپ

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۶ تا ۲۵۷

[2] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۶ بحوالہ علامہ طبرسی، مجمع البیان

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمانوں کی سیر کرنا، انبیا و ملائکہ کے ساتھ ملاقاتیں کرنا، عرش، سدرۃُ المنتہیٰ اور جنّت و دوزخ وغیرہ کا مشاہدہ کرنا۔

(۳) وہ احادیث جو ظاہراً اُصول سے ٹکراتی ہیں لیکن اُن کی تاویل کی جا سکتی ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنتیوں کو جنّت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھنا (اِن میں اُصولی مخالفت یہ ہے کہ روزِ جزا سے پہلے لوگ اپنے اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لیے جنّت یا دوزخ میں کیسے پہنچ گئے؟) پس اِس کی تاویل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی مثالیں دکھائی گئیں۔

(۴) وہ حدیثیں جو ظاہراً صحیح نہیں ہیں اور نہ ہی اُن کی تاویل کی جا سکتی ہے۔ پس ہم اُنھیں قبول نہیں کرتے مثلاً یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو دیکھا یا اُس کے ساتھ تخت پر بیٹھے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اقدس کو شق کیا گیا اور دِلِ اطہر کو دھویا گیا وغیرہ۔ خداوند کریم جسم و جسمانیات اور مخلوق کی تشبیہ سے بُلند و بالا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر عیب و کثافت سے طاہر و مطہر پیدا ہوئے نیز دِل کی کثافتوں کو پانی کے ساتھ دھونا غیر معقول بات ہے۔

براق

براق، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، اُس کا چہرہ انسان نما، دُم بیل جیسی، گردن کے بال گھوڑے کی طرح اور پاؤں اُونٹ کی مانند تھے، وہ جنّت کی زین سے مزیّن تھا، دونوں پُٹھوں کے اُوپر دو پَر تھے اور اُس کے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ حدِ نگاہ تک تھا۔[1]

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند کریم نے براق کو میرے لیے مسخر فرمایا۔ وہ جنّت کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے، نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا، اگر خدا اُس کو اِذن دے تو وہ ایک ہی دوڑ میں دُنیا و آخرت کا احاطہ کرے۔

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۷ بحوالہ تفسیر مجمع البیان

براق جنّت کے تمام حیوانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ [1]

بروایتِ روضۃ الواعظین، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منقول ہے کہ اُس کا چہرہ انسان نما، رخسار گھوڑے جیسے، گردن کے بال موتیوں کی لڑیوں کی طرح، کان سبز زبرجد جیسے، آنکھیں چمکدار تاروں کی مانند، مضبوط جسم، ہاتھ پاؤں دراز، آدمیوں کی طرح سانس لیتا ہے، بات سنتا اور سمجھتا ہے اور گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ہے (یعنی اُس کا قدوقامت درمیانہ، مناسب اور موزوں ہے)۔ [2]

واقعہ معراج پر اہلِ مکّہ کا ردِّ عمل

تفسیر برہان میں بروایتِ قمی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں مکّہ میں محوِخواب تھا، علی (علیہ السلام) دائیں طرف، جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) بائیں جانب اور حمزہ (رضی اللہ عنہ) میرے سامنے موجود تھے۔ میں نے فرشتوں کے پروں کی آواز سُنی۔ ایک نے (جبرائیلؑ سے) پوچھا کہ اے جبرائیل! تجھے کس کے پاس جانا ہے؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ ان کے پاس اور یہی تمام بنی آدم کے سردار ہیں، ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دِل بیدار رہتا ہے اور کان سنتے ہیں، یہ علی (علیہ السلام) ان کے وصی، وزیر، داماد اور خلیفہ ہیں اور وہ ان کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) ہیں اور وہ ان کے چچازاد بھائی جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) ہیں جن کو دو تر وتازہ پر عطا ہوں گے اور وہ ملائکہ کے ساتھ جنّت میں پرواز کریں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ ایک بادشاہ ہے جس نے گھر بنوایا، دسترخوان لگایا اور دعوت کے لیے قاصد بھیجا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ بادشاہ اللہ ہے، دُنیا

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۷ بحوالہ تفسیر برہان

[2] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۷ بحوالہ روضۃ الواعظین

گھر ہے، جنّت دسترخوان ہے اور دعوت کے لیے بھیجا گیا قاصد میں ہوں۔

پس، جبرائیل علیہ السلام نے بڑھ کر براق حاضر کیا، بیت المقدس تک سیر کرائی اور انبیائے کرام کے محراب اور نشانیاں دکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معراج کی اور راتوں رات واپس بھی پہنچے۔ واپسی پر قریش کے ایک قافلے کے پاس سے گذر ہُوا۔ اُس وقت قافلے والے اپنے ایک گمشدہ اُونٹ کو تلاش کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہاں رکھے ہوئے ایک برتن سے کچھ پانی پیا اور باقی (مصلحتاً) گرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس پہنچے اور صبح ہوتے ہی قریش کو اپنے سفرِ معراج کا واقعہ سنایا۔ ابوجہل نے لوگوں سے کہا کہ اب موقع ہے اس (واقعے) سے متعلق سوال کرو۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ ایسے پیچیدہ سوالات کیے جائیں جن کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ دے سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جھوٹا ثابت کیا جائے (نعوذ باللہ)۔ پس، اُنھوں نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! ہم میں سے بعض لوگ بیت المقدس دیکھ چکے ہیں، ذرا بتائیں اُس کے محراب کتنے ہیں، ستونوں کی تعداد کیا ہے اور وہاں قندیلیں کتنی آویزاں ہیں؟ اِدھر یہ سوال کیا گیا اور اُدھر جبرائیل علیہ السلام نے چشمِ زدن میں بیت المقدس کا نقشہ اور بروایتے ماڈل، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیش کر دیا جو دوسروں کو دکھائی نہیں دیتا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو جواب بالصواب دیا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو راستے میں ملنے والے قافلے کی رُوداد سنائی تو کہنے لگے کہ جب وہ قافلہ آئے گا تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ وہ قافلہ فلاں تاریخ کو طلوعِ آفتاب کے وقت پہنچے گا اور سب سے آگے سُرخ رنگ کا ایک اُونٹ ہوگا۔ چنانچہ اُس دن طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی قریش شہر کے باہر جا کھڑے ہُوئے اور قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ اِدھر سورج نے آنکھ کھولی اُدھر قافلہ بھی آ پہنچا، اُس کے آگے آگے سُرخ رنگ کا ایک اُونٹ بھی تھا۔ قریش نے قافلے والوں سے باز پُرس کی تو اُنھوں نے بتایا کہ واقعی فلاں شب کو ہمارا ایک اُونٹ گم ہُوا تھا اور فلاں مقام پر ہم نے پانی کا برتن رکھا تھا اور صبح کو دیکھا تو اُس

میں سے پانی گرایا جا چکا تھا۔ یہ سب کچھ سننے اور یقین کر لینے کے باوجود، ایمان لانے کی بجائے قریش کی سرکشی میں اضافہ ہو گیا۔

ایک روایت ہے کہ معراج پر جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گذر ابوسفیان کے قافلے کے پاس سے ہُوا۔ رات تاریک تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مال سے لدے ہوئے اُونٹوں کے قریب سے گزرے تو براق کی صرصراحٹ (صرصر، تیز ہوا یا آندھی وغیرہ چلنے کی آواز) سے اُونٹ ڈر گئے اور ایک شخص نے دوسرے کو آواز دے کر بلایا کہ او فلاں! دیکھ تو سہی اُونٹ ڈر گئے ہیں، فلاں کا بار گر چکا ہے اور فلاں کا اگلا پاؤں ٹوٹ گیا ہے۔ ابوسفیان نے اس خبر کی تصدیق تو کی لیکن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہا۔[۱]

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے (معراج سے) واپسی پر جبرائیل (علیہ السلام) سے کہا کہ تمھاری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ اُنھوں نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے اور میری جانب سے خدیجہ کبریٰ کو سلام کہیے گا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام پہنچایا تو جناب خدیجہ علیہا السلام نے کہا:

''اِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَاِلَيْهِ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرَائِيْلَ السَّلَامُ''

(بیشک اللہ ہی سلامتی ہے اور اُسی سے سلامتی ہے اور اُسی کی طرف سلامتی ہے اور جبرائیل پر سلامتی ہے)

علامہ حسین بخش جاڑا بحوالہ تفسیر مجمع البیان لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اہلِ مکّہ کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا تو مطعم بن عدی نامی ایک شخص کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دو ماہ کا سفر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ایک گھنٹے میں طے کر لیا؟ پھر کہنے لگا کہ اپنے سفر کے حالات میں سے کچھ بیان کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے راستے میں ملنے والے ایک قافلے کا ذِکر کیا، قافلے والوں کے اُونٹ کا گم ہونا اور اُن کے پیالے سے پانی پینا بیان فرمایا۔ اُس نے کہا کہ یہ ایک نشانی ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسرے قافلے کا ڈرنا، اُونٹ سے بوجھ کا گرنا اور ایک اُونٹ

---

[۱] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۸، ۲۵۹

کی ٹانگ ٹوٹنا بیان فرمایا تو کہنے لگا کہ یہ دوسری نشانی ہے۔ پھر پوچھا کہ وہ اُونٹ کہاں تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مقامِ تنعیم پر اُن کے پاس سے گزرا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُونٹوں کی تعداد تیئیس (۲۳) بتائی، اُن پر لدے ہوئے مال کی تفصیل سے آگاہ کیا، اُن کے ہمراہ غلاموں کے نام اور حُلیے بیان کیے اور فرمایا کہ طلوعِ شمس کے وقت وہ آ پہنچیں گے اور سب سے آگے گھنے بالوں والا اُونٹ ہوگا۔ اُس نے کہا کہ یہ تیسری نشانی ہے۔ پس لوگ تصدیق کے لیے شہر سے باہر پہنچے اور قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ اِدھر ایک نے کہا کہ وہ دیکھو! سورج طلوع ہو رہا ہے تو دوسرا بولا کہ لو! وہ قافلہ بھی آ پہنچا ہے۔ سب مبہوت و حیران رہ گئے۔ سب نشانیوں کی تصدیق ہو گئی تھی لیکن وہ ایمان نہیں لائے۔ [1]

معراج کا سفرنامہ

علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار مصحف میں لکھتے ہیں کہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ مکرمہ میں اپنی بہن (چچازاد بہن، حضرت اُمّ ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا) کے گھر پر آرام فرما رہے تھے جب معراج کا واقعہ پیش آیا، بعضوں نے اس ضمن میں مسجد الحرام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محوِ خواب ہونا بھی بیان کیا ہے تو واضح رہے کہ حدودِ حرم کے اندر ساری جگہ پر مسجد الحرام کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بروایتِ قمی، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تین فرشتے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام) براق کے ساتھ نازل ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں براق کی لگام تھی، دوسرے رکاب تھامے ہوئے تھے اور تیسرے براق کی زین کو درست کر رہے تھے۔ بروایتِ عیاشی، جبرائیل علیہ السلام جنّت سے پانی بھی لائے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا۔ ''کافی'' میں ہے کہ ذاتِ ربُ العزت نے نُور کی ایک عماری (ڈولی، ہودا جو ہاتھی کی سواری کے لیے استعمال ہوتا ہے وغیرہ) کا انتظام فرمایا تھا جو انوارِ عرش میں سے چالیس اقسام

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۸

کے انوار پر مشتمل تھی اور اُن انوار کو دیکھنے کی انسان میں تاب وسکت نہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس عماری پر سوار ہو کر آسمان کی جانب روانہ ہوئے تو نُور کی کرنیں آسمانِ اوّل تک پہنچیں۔ فرشتے ایک جگہ جمع ہو کر سجدۂ ربانی میں گر گئے اور جبرائیل علیہ السلام نے نعرۂ تکبیر بُلند کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ اوّل پر:

بروایتِ قمی، آسمانِ اوّل پر ایک فرشتہ موٴکل ہے جس کا نام اسماعیل ہے، اُس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار فرشتوں کا سردار ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی آواز سُن کر اُنھوں نے آسمان کا دروازہ کھولا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاندار استقبال کیا اور پھر آسمانِ اوّل کی سیر کرائی۔

بروایتِ ابن بابویہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس میں تشریف لائے اور یہاں ستر انبیا علیہم السلام کو نماز پڑھائی پھر جبرائیل علیہ السلام نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کیں اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہے کہ چاہیں تو نبوّت کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت بھی لے لیں اور چاہیں تو نبوّت کے ساتھ ساتھ عبدیّت کی زندگی گزاریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہت کو ٹھکرا کر نبوّت اور عبدیّت کو قبول فرمایا۔

روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ کوفہ میں بھی دو رکعت نماز ادا کی نیز مدینہ طیّبہ اور طورِ سینا پر بھی تشریف لے گئے اور علی الترتیب دو دو رکعت نماز پڑھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی، اُس وقت اُن کے اردگرد چھوٹے چھوٹے بچّے تھے جن کی وہ تربیت فرما رہے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ بچّے مومنوں کے ہیں جن کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام کرتے ہیں۔ (قمی کی روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آسمانِ ہفتم پر ہونا مذکور ہے اور اُسی آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات وگفتگو بیان کی گئی ہے) پھر ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمام مرنے والوں کی ارواح کو تُو ہی قبض کرتا ہے؟ اُنھوں نے کہا

جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تُو سب کو دیکھتا ہے؟ عزرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ساری دُنیا میرے قبضہ میں اس طرح ہے جس طرح انسان کے ہاتھ میں ایک سکہ ہوتو وہ جس طرح چاہے اُس کو اُلٹ پلٹ کرتا رہے۔ میں دُنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ جھانکتا ہوں اور جب کسی مرنے والے کے غم میں اُس کے گھر والے رو رہے ہوتے ہیں تو میں اُن سے کہتا ہوں کہ مت روئیں مجھے تو تمھارے پاس بار بار آنا ہے حتیٰ کہ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ موت بہت سخت چیز ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک موت سخت ہے لیکن موت کے بعد کا عالم اس سے بھی سخت ہے۔

بروایتِ قمی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانِ اوّل کی سیر کے دوران میں ایک ڈراؤنی شکل والے فرشتے کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ جہنم کا داروغہ ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کرایا تو اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایانِ شان فرائضِ استقبال و آداب بجالایا اور جنّت کی بشارت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ جہنم کے مُنہ سے ڈھکن اُٹھاؤ۔ تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے اُس نے ڈھکنا کھولا تو جہنم کے دیو پیکر شعلے بُلند ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اِسے بند کر دو، چنانچہ اُس نے جہنم کا منہ بند کر دیا۔

بروایتِ عیاشی منقول ہے کہ اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا (میرا خیال ہے جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُمت کے اُن گنہگاروں کا خیال رنجیدہ کرتا ہوگا جن کی بداعمالیوں کے سبب اُن کا ٹھکانا وہ جہنم ہوسکتا تھا۔ مؤلف)، اسی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دھماکے کی آواز سنی تو جبرائیل علیہ السلام سے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ اُنھوں نے بتایا کہ آج سے ستّر برس پہلے میں نے جہنم کے کنارے کھڑے ہوکر ایک پتھر اس میں ڈالا تھا اب وہ اس کی تہہ میں پہنچا ہے اور یہ اُسی کی آواز ہے۔ (یعنی جہنم کی گہرائی اتنی زیادہ ہے کہ اُس میں پھینکا گیا پتھر ستّر سال کی مسافت طے کرنے کے بعد اُس کی گہرائی میں پہنچتا

ہے اور وہ ستّر سال بھی اِس جہان کے نہیں بلکہ اُس جہان کے ہوں گے۔ مؤلف)

بروایتِ ابن بابویہ، آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ایک گروہ کو اس حالت میں گرفتارِ عذاب دیکھا کہ جہنم کے زنجیر اُن کی ہنسلیوں میں پڑے ہوئے تھے اور وہ اُن زنجیروں سے لٹک رہے تھے۔ جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے بتایا کہ اِن لوگوں کو خدا نے حلال (رزق) عطا فرمایا تھا لیکن یہ حلال کو چھوڑ کر حرام کے پیچھے بھاگتے تھے۔

پھر ایک قوم کو دیکھا جن کی کھالوں کو جہنم کی سلاخوں سے سیا جا رہا تھا۔ جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عورتوں کی عصمت دری کرتے تھے۔

پھر دیکھا کہ ایک شخص پر بوجھ لادا جا رہا ہے جسے اُٹھانے کی اُس میں سکت نہیں تھی، لیکن بجائے بوجھ میں کمی کرنے کے اُس میں مزید اضافہ کیا جا رہا تھا۔ جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے بتایا کہ یہ شخص دُنیا میں قرض اُٹھایا کرتا تھا مگر ادا نہیں کرتا تھا حتیٰ کہ خود اُٹھا لیا گیا۔

بروایتِ قمی، حضور صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ خدا نے آسمان پر دو فرشتے مقرر کیے ہیں جن میں سے ایک ہر وقت باآوازِ بُلند دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو سخی کو زیادہ عطا فرما اور دوسرا ہر وقت یہ بددُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو بخیل کو برباد کر۔

پھر آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ایک جماعت کو ملاحظہ کیا جن کے ہونٹ اُونٹ کے ہونٹوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور اُن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر اُنھیں کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا۔ جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے بتایا کہ یہ چغل خور لوگ ہیں۔

آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا جن کے سروں پر جہنمی ہتھوڑے برسائے جا رہے تھے، جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جاتے تھے۔

پھر کچھ اور لوگوں کو گرفتارِ عذاب دیکھا، اُن کے منہ میں آگ ڈالی جا رہی تھی، جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال کھا جاتے تھے۔

آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پیٹ بہت بڑے تھے اور وہ آلِ فرعون کی

طرح جہنم کی بھٹی میں دھکیلے جا رہے تھے، جبرائیلؑ نے بتایا کہ یہ سُود کھانے والے لوگ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کی ایک جماعت کو یوں عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیر اُن کی چھاتیوں سے بندھے ہوئے تھے اور وہ اُن زنجیروں سے لٹک رہی تھیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ بدکار عورتیں ہیں جو ناجائز بچّوں کو اپنے شوہروں کا وارث بنایا کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کا غضب ہے اُس عورت پر جو کسی قوم کے نسب میں ایسے افراد کو داخل کر دے جو در حقیقت اُس نسب کے نہ ہوں (یعنی ناجائز اولاد پیدا کرے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فرشتے کو دیکھا جس کا آدھا جسم آگ کا اور آدھا برف کا تھا، برف آگ پر غالب تھی نہ آگ برف پر اور وہ پروردگار کی تسبیح میں مصروف تھا۔ پھر کافی تعداد میں ایسے ملائکہ دیکھے جن کی خلقت عجیب وغریب تھی۔ اُن کے جسم کے ہر حصّے سے الگ الگ لب ولہجہ میں تسبیح وتقدیسِ پروردگار کی صدائیں بُلند تھیں اور خوفِ خدا سے وہ سب گریہ کناں تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے بیان کیا کہ ان کی پیدائش اسی طرح کی گئی ہے اور جب سے یہ پیدا ہوئے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اپنے ساتھی فرشتے کو نظر اٹھا کر دیکھا نہ اُس سے بات کی، یہ اُوپر کو دیکھتے ہیں نہ نظر جھکا کر نیچے کی طرف دیکھتے ہیں اور اِن کے خشوع وخضوع کا ہمیشہ یہی عالم رہتا ہے۔ میں نے اُنھیں سلام کیا تو اُنھوں نے اشاروں میں سلام کا جواب دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب جبرائیل (علیہ السلام) نے اُن سے میرا تعارف کرایا تو اُنھوں نے تعظیم و تکریم کا فریضہ ادا کیا اور پھر حسبِ معمول عبادت میں مشغول ہو گئے۔

بروایتِ کافی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آسمانِ اوّل کے تمام فرشتے آداب بجالائے تو احوال پُرسی کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بھائی (علی علیہ السلام) کا کیا حال ہے؟ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واپس تشریف لے جائیں تو (برائے مہربانی) اُن کو ہمارا سلام کہیے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (اُس وقت) پروردگارِ عالم نے مجھ پر چالیس اقسام کے انوار کا اضافہ کیا جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ دوم پر:

اس کے بعد دوسرے آسمان کی طرف روانگی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُن (چالیس اقسام کے) انوار کی شعاعیں جب اُس (دوسرے) آسمان پر پڑیں تو فرشتوں میں تحیّر واضطراب کی لہر پیدا ہوئی پس وہ سب سجدۂ پروردگار میں جھک گئے اور اُس کی تسبیح وتقدیس کرنے لگے۔ جبرائیل نے میرا تعارف کرایا تو وہ آداب وسلام بجالائے اور عرض کی کہ زمین پر پلٹ کر علی (علیہ السلام) کو ہمارا سلام کہیے گا۔

بروایتِ قمی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور بے شمار ملائکہ کو الگ الگ انداز میں، جُدا جُدا زبانوں کے ساتھ محوِ تسبیح وتقدیس دیکھا۔ چالیس اقسام کے انوار کا اور اضافہ ہُوا جن میں سے ہر ایک کی نوعیت وشکل دوسرے سے الگ تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ سوم پر:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ نور کی خیرہ کن شعاعوں کی تاب نہ لا کر فرشتے بحرِ تحیّر میں غوطہ زن ہو کر سجدہ ریز ہوئے اور تسبیح وتقدیسِ پروردگار بجا لائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کرایا تو سب ملائکہ تعظیم کے لیے جھکے، سلام عرض کیا اور احوال پُرسی کرتے ہوئے عرض گذار ہوئے کہ علی (علیہ السلام) کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زمین پر ہیں۔ اِس آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی اور اَن گنت فرشتوں کو جُداگانہ انداز میں محوِ عبادتِ ربِ جلیل دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ چہارم پر:

بروایتِ کافی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھر چالیس انواع کے انوار کا اضافہ ہُوا جو پہلے انوار

سے مختلف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ چہارم پر پہنچے۔ حسبِ سابق ملائکہ نے رسمی کلام کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں پوچھا۔ حکمِ الٰہی ہُوا کہ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! سر اُٹھا کر دیکھیے، پس تمام حجابات دُور ہُوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمِ بالا کے تمام ممکنات کو ملاحظہ فرمایا۔ تب ارشاد ہُوا کہ حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! نیچے دیکھیے۔ تمام پردے ہٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین تک ہر شے کا نظارہ فرمایا، زیرِ عرش چشمہ صاد سے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

بروایتِ قمی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانِ چہارم پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی۔ ایک روایت میں چرخِ چہارم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہونا بھی مِلتا ہے نیز بیتُ المعمور کا بھی اسی آسمان پر ہونا بیان کیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھانے اور سوال و جواب کرنے کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

تفسیرِ برہان میں سورۃ یونس کی تفسیر میں بروایتِ عیاشی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو مناجاتِ پروردگار سے فارغ ہو کر بیتُ المعمور پر پہنچے جو چوتھے آسمان پر واقع ہے، وہاں پروردگار نے تمام انبیاو مُرسلین اور ملائکہ و مقربین کو جمع فرمایا، جبرائیل علیہ السلام نے اذان و اقامت کہی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

بروایتِ ابن شہر آشوب، امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات جب میں چرخِ چہارم پر پہنچا تو جبرائیل (علیہ السلام) نے اذان و اقامت کہی، تمام نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور فرشتوں کو جمع کیا گیا اور میں نے اُن کو نماز پڑھائی۔

تفسیر ثعلبی اور خطیب کی اربعین سے بروایتِ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ)، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ شبِ معراج جب جبرائیل (علیہ السلام) کے ہمراہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے سُرخ یاقوت کا ایک مکان دیکھا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ یہ بیت المعمور ہے جس کو آسمان و زمین کی خلقت سے پچاس ہزار برس پہلے خالقِ کائنات نے پیدا کیا۔ پھر مجھے حکمِ پروردگار ہُوا کہ نماز پڑھاؤ چنانچہ میں نے تمام انبیا (علیہم السلام) کو نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد ایک

فرشتے نے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچایا اور پیغام دیا کہ اِن (انبیا علیہم السلام) سے دریافت کریں کہ اِن کی بعثت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پہلے کیوں ہوئی؟ میں نے اُن سے پوچھا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نبوّت اور علی (علیہ السلام) کی ولایت پر مبعوث ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمانِ پنجم پر:

قمی کی روایت کے مطابق، چوتھے آسمان کی سیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پانچویں آسمان پر پہنچے جہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں فرشتوں کو دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمانِ ششم پر:

چھٹے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور لاتعداد ملائکہ کو ملاحظہ فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمانِ ہفتم پر:

اس کے بعد ساتویں آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملے، بروایتے بیتُ المعمور اِسی آسمان پر ہے جو فرشتوں کے لیے مقامِ حج ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ آسمانِ ہفتم پر میں نے نُور کے ایسے سمندر دیکھے جن کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی، ظلمات کے سمندر دیکھے اور برف کے بھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا بے شک اللہ کی یہ مخلوق عظیم ہے لیکن وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابھی تک ملاحظہ نہیں فرمائی اِس سے بھی عظیم ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خوشنود ہو کر پروردگار کا شکرادا فرمائیں کہ جب مخلوق اِس قدر عظیم ہے تو خالق کتنا عظیم ہوگا۔ خالق و مخلوق کے درمیان نوے ہزار حجابات ہیں، اللہ کی طرف (فرشتوں میں) سب سے قریب میرا اور اسرافیل (علیہ السلام) کا مقام ہے لیکن ہمارے آگے بھی چار حجابات ہیں، حجابِ نُور، حجابِ ظلمت، حجابِ غمام اور حجابِ ماء۔

پس آسمان کے عجائبات کا نظارہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیتُ المعمور میں نماز

ادا کی، حوضِ کوثر سے پانی پیا اور چشمۂ رَحمت میں غسل فرمایا پھر جنّت کی سیر کی۔ وہاں کے پرندوں کا مشاہدہ فرمایا اور انار دیکھے جو جسم میں بہت بڑے تھے۔ پھر ایک درخت ملاحظہ فرمایا جس کا تنا اتنا بڑا تھا کہ تیز پرواز پرندہ اس کے اردگرد سات سو برس پرواز کرتا رہے تو بھی اُس کا ایک چکر پورا نہ کر سکے۔ جنّت کے ہر مکان میں اُس کی شاخیں موجود تھیں، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ شجرۂ طوبیٰ ہے۔[1]

شجرۂ طوبیٰ

شجرۂ طوبیٰ کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے:[2]

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ○

(وہ لوگ جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تو اُن کے لیے طوبیٰ ہے اور اچھا انجام)

طوبیٰ کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں اور سب کا مآل یہ ہے کہ یہ مومنین و صالحین کے لیے جنّت کا ایک انعام ہے۔ علامہ حسین بخش جاڑا، ''تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف'' میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو اُن کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں، جب وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں تو فرشتے اُن کو خیر کی دُعا دیتے ہیں اور جب وہ ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں تو اُن کو منادی ندا دیتا ہے کہ تمھارے لیے طوبیٰ ہے اور جب وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں تو دو فرشتے اُنھیں بشارت دیتے ہیں کہ اے اللہ کے دوستو! تمھارے لیے جنّت ہے۔

بروایتِ کافی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دِین والوں کی کئی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں اور وہ علامتیں ہیں، سچ

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۹ تا ۲۶۳

[2] سورۃ الرعد، آیت ۲۹

بولنا، امانت کا ادا کرنا، عہد کو وفا کرنا، صلہ رحمی کرنا، کمزوروں پر رحم کرنا، عورتوں کی بات کم ماننا، لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا، خوش خلقی سے پیش آنا، حلم وحوصلہ سے کام لینا، علم کا اتباع کرنا اور ہر وہ کام کرنا جو اللہ کے قرب کا باعث ہو پس اُن دیندار لوگوں کے لیے طوبیٰ ہوگا۔

علامہ حسین بخش جاڑا مزید لکھتے ہیں کہ طوبیٰ جنّت کا ایک درخت ہے اور اس کی اصل (جڑ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہے، ہر مومن کے گھر میں اُس کی شاخ ہے اور مومن جس چیز کی خواہش کرے گا وہ اُس شاخ پر پیدا ہو جائے گی۔ طوبیٰ کا حجم اتنا ہے کہ اگر تیز رفتار سوار اُس کے سائے میں ایک سو سال تک دوڑے تو بھی اُسے پار نہ کر سکے اور اگر کوئی بُلند پرواز طائر اُس کے نیچے سے اُوپر کی طرف پرواز کرے تو اُس کی بُلندی تک عمر بھر نہ پہنچ سکے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ طوبیٰ اُس شخص کے لیے ہے جس نے ہمارے غائب (امام مہدی علیہ السلام) کے زمانے میں ہماری ولاء سے تمسُّك پکڑا اور اُس پر ثابت قدم رہا۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین مومنوں کو کھانا کھلائے گا خداوند کریم اُس کو تین جنتوں سے کھانا کھلائے گا، ایک فردوس سے، دوسرے جنّتِ عدن سے اور تیسرے طوبیٰ سے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اِس درخت کا پھل جہاں سے توڑا جائے گا اُس کی جگہ فوراً دوسرا پھل اُگ آئے گا اور وہ جگہ خالی نہ رہے گی۔ روایاتِ اہل بیت علیہم السلام میں ہے کہ طُوبیٰ جنّت کا ایک درخت ہے جس کی اصل امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں ہے۔ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طوبیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی اصل میرے گھر میں اور شاخیں جنتیوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پھر جب دوبارہ سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اس کی اصل علی (علیہ السلام) کے گھر میں اور شاخیں مومنوں کے گھروں میں ہوں گی۔ کسی نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ (تضادِ بیان) کیوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تعجب نہ کرو کیونکہ جنّت میں میرا اور علی (علیہ السلام) کا گھر ایک ہی جگہ ہوگا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج جب میں جنّت میں داخل ہُوا تو جبرائیل مجھے طوبیٰ کے پاس لے گیا اور اُس کا پھل کھلایا جو میری پشت میں جوہرِ تخلیق بنا۔ پس،

جب میں زمین پر پہنچا تو وہ جوہر خدیجہ (علیہاالسلام) کے بطن میں منتقل ہُوا اور فاطمہ (علیہاالسلام) کی ولادت ہوئی لہٰذا جب میں فاطمہ (علیہاالسلام) کو پیار کرتا ہوں تو (اُن کے وجود پاک سے) شجرِ طوبیٰ کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں بحوالہ تفسیر برہان ، بروایتِ موفق بن احمد بلال منقول ہے کہ ایک روز حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چودھویں کے چاند کی طرح منّور تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے چچازاد بھائی علی (علیہ السلام) سے متعلق خوشخبری دی ہے کہ اُس نے علی (علیہ السلام) کی شادی میرے جگر کے ٹکڑے فاطمہ (علیہاالسلام) کے ساتھ کردی ہے اور (اس موقع پر) رضوانِ جنّت نے بحکمِ پروردگار طوبیٰ کو ہلایا تو اُس پر اتنے رقعے پیدا ہوئے جتنے تا قیامت میری اہل بیت (علیہم السلام) کے چاہنے والے ہوں گے اور خداوند کریم نے طوبیٰ کے نیچے نورانی فرشتے پیدا کیے جن کے سپرد وہ رقعے کیے گئے۔ جب قیامت کے روز تمام انسان محشور ہوں گے تو وہ فرشتے ہر محبِ اہل بیت (علیہم السلام) کو ایک ایک رقعہ دیں گے جو جہنم سے برأت نامہ اور جنّت کا پروانہ (ٹکٹ) ہوگا۔ پس میرے بھائی علی (علیہ السلام) اور میری جگر گوشہ فاطمہ (علیہاالسلام) کے طفیل میری اُمت کے بہت سے لوگ جہنم سے نجات پائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانِ ہفتم پر میں نے شجرۂ طوبیٰ کو ملاحظہ کیا پھر جبرائیل سے نُور کے سمندروں کی بابت دریافت کیا تو اُنھوں نے بتایا کہ وہ سرِ اوقاتِ عرش ہیں، اگر درمیان یہ حائل نہ ہوتے تو عرش کا نور باقی مخلوق کو ختم کر دیتا۔ غرضیکہ، میں سدرۃُ المنتہیٰ پر پہنچا جس کا ایک ایک پتّا ایک بڑی جماعت کو سایہ دے سکتا تھا۔ [۱]

---

[۱] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۱۳۳

سِدرَۃُ المنتہیٰ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سِدرَۃُ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اہلِ زمین کے بندوں کے اعمال کو لے کر نگہبان فرشتے مقام سِدرہ تک پرواز کرتے ہیں (یعنی یہ آخری حد ہے) اور سِدرہ کے نیچے کچھ بزرگ اور نگہبان فرشتے اُن اعمال کو تحریر کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام سِدرہ تک پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام رُک گئے اور عرض کیا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری پرواز یہیں تک ہے، میں آگے نہیں جا سکتا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے سِدرہ ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہاں سے آگے خود تشریف لے جائیں۔"

یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے گئے اور جبرائیل علیہ السلام کو پیچھے چھوڑ دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ سِدرہ کی شاخیں عرش کے نیچے اطراف میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نُور نے تجلّی کی اور جب وہ نُور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دِل کو توانائی بخشی اور نگاہ کو قوّت دی تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رَب کی نشانیاں دیکھیں، پس سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[1]

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿١٣﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿١٥﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾

(اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بار اور بھی، اُترتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ جہاں جنّت الماویٰ ہے۔ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا (وہ نُور) جو چھا رہا تھا، نہ آنکھ چندھیائی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ سدرۃ المنتہیٰ کا پھیلاؤ دُنیا کے سالوں کے اعتبار سے ایک سو سال کی مسافت کے برابر ہے اور اس کا ایک پتّا ساری دُنیا کے لوگوں کو ڈھانپ سکتا ہے۔[2]

---

[1] سورۃ النجم، آیت ۱۳ تا ۱۸

[2] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع، ص ۲۱۱

نمازوں میں تخفیف کی درخواست

محمد بن عصامؒ نے بیان کیا کہ مجھ سے کہا محمد بن یعقوب نے، اُن کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن محمد بن سلیمان نے روایت کرتے ہوئے اسماعیل بن ابراہیم سے، اُنھوں نے جعفر بن محمد تمیمی سے، اُنھوں نے حسین بن علوان سے، اُنھوں نے عمرو بن خالد سے اور اُنھوں نے زید بن علی سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے پدرِ بزرگوار سیّد العابدین علیہ السلام سے عرض کیا، بابا یہ بتائیں کہ جب ہمارے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان کی طرف تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُنھیں پچاس نمازوں کا حکم دیا تو اُنھوں نے اُس وقت تک تخفیف کی درخواست کیوں نہیں کی جب تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن میں تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرزند! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے جو بھی حکم ملتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس پر کوئی عذر اور استفسار نہیں فرماتے تھے مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کی شفاعت وسفارش فرما رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اپنے برادر موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت کو رَد کر دیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف دوبارہ رجوع فرمایا، تخفیف کی درخواست کی اور پچاس کے بدلے پانچ نمازیں کرالیں۔ زید بن علی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ بابا! پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنی اُمت کے لیے پانچ نمازوں میں سے کچھ اور تخفیف کیوں نہ کرالی؟ فرمایا کہ اے فرزند! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اُمت کے لیے تخفیف کے ساتھ ساتھ پچاس نمازوں کا ثواب بھی حاصل ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے[۱] ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ج'' یعنی جو کوئی خدا کے حضور نیکی لے کر آئے گا اُسے ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔

---

[۱] سورۃ الانعام، آیت، ۱۶۰

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے واپس آئے تو جبرائیل امین (علیہ السلام) نازل ہوئے اور کہا، ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سلام کہتا ہے اور یہ بھی فرماتا ہے کہ اِن پانچ (نمازوں) کو ہم پچاس ہی شمار کریں گے پس ہم نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا، ہمارا قول بدلا نہیں کرتا اور ہم اپنے بندوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتے۔[۱]

مقصدِ معراج

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں کچھ عمومی اور بعض خصوصی۔ مختلف ثِقہ روایات کے تناظر میں پائے جانے والے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

۱) معراج کے بارے میں عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کے لیے معراج پر بلایا۔ یہ خیال کچھ نامناسب سا معلوم ہوتا ہے جس کی مثال یہ ہے کہ ہمارا کوئی دوست ہمیں سیر کی دعوت دے اور پھر ہمیں ہمارے ہی علاقے اور گھر میں گھما پھرا کر اور مختلف اشیا دکھا کر کہے کہ لو سیر ہو گئی تو کیا ہم اُسے سیر کہیں گے؟ ظاہر ہے کہ اُسے سیر تو نہیں کہا جاسکتا۔ پس متعدد روایات اِس پر دلالت کرتی ہیں (جن کا تفصیلی ذِکر ابتدائی ابواب میں ہو چکا ہے) کہ ہفت آسمان و سدرۃ المنتہیٰ وطوبیٰ و جنّت معلیٰ وغیرہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بنائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر بنائے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور نے انسانی جسم میں ظہور فرما ہونے سے پہلے وہیں قیام فرمایا۔ چنانچہ وہ مقامات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاقہ اور گھر ہی کی مثل ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے علاقے اور گھر کی سیر کرانے کا فلسفہ عجیب سا لگتا ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ معراج کا شرف کیونکہ کسی اور انسان کو حاصل نہیں ہُوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے تو اللہ ربُ العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس مقامِ ارفع پر بُلا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص مقام و مرتبہ کو اپنی مخلوق پر واضح فرمایا۔

۲) اللہ ربِ ذوالجلال نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محض ملاقات کرنے کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

[۱] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع ص ۱۰۰

کو آسمانوں پر نہیں بُلایا تھا کیونکہ وہ خود ہر جگہ موجود ہے حتیٰ کہ رگِ جاں سے بھی قریب تر ہے، اس لیے اُسے ملاقات کے لیے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو افلاک پر بُلانے کی ضرورت نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ وہ اپنے مقرب فرشتوں کو اپنا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دِکھانا چاہتا ہوگا یا اُن سے ملانا چاہتا ہوگا جیسا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک روایت سے ظاہر ہے۔ بروایتِ ابن بابویہ، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے معراج کا مقصد دریافت کیا گیا کہ خدا نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آسمان پر کیوں بلایا؟ پھر وہاں سے سدرۃُ المنتہیٰ تک اور وہاں سے حجاب ہائے نُور تک؟ اور وہاں کیا کیا باتیں ہوئیں؟ حال آنکہ وہ کسی مکان کا پابند نہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ واقعی خدا کسی مکان وزماں کا پابند نہیں لیکن اُس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشنے کے لیے اور آسمانی مخلوق کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدار سے فیضیاب کرنے کے لیے ایسا کیا۔ نیز اپنی عظمت کے عجائبات ظاہر کرنے کے لیے تاکہ زمین پر پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کو سمجھائیں۔ [1]

۳) تیسرا مقصد بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مندرجہ بالا روایت سے ظاہر ہے کہ خالقِ دوجہاں نے اپنی عظمت کے عجائبات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس لیے دِکھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمین پر پہنچ کر لوگوں کو اُن کے بارے میں بتائیں۔

۴) معراج کا ایک مقصد حضرت علی علیہ السلام اور خاتونِ جنّت حضرت فاطمہ علیہا السلام کی مناکحت بھی تھا۔ شجرۂ طوبیٰ کے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو طوبیٰ کا پھل کھلایا گیا جو سیّدۃُ النساء حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ولادت کا ذریعہ بنا جب کہ اِس شق میں مقصدِ معراج خاتونِ جنّت علیہا السلام کی مناکحت بیان کیا گیا ہے جو بظاہر ایک تضاد معلوم ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ معراج ایک بار نہیں متعدد بار ہُوا، [2] اس لیے ہوسکتا ہے کہ مختلف مواقع پر اس کے مقاصد بھی مختلف رہے ہوں۔

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۵

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱ ص ۲۰۹، باب ذِکر معراج
علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ تفسیر برہان

احادیثِ مبارکہ اور مختلف فریقینِ اسلام کی روایات میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور خاتونِ جنّت علیہا السلام کی شادی جنّت میں قرار پائی۔ شیخ صدوق متعدد اسناد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک منوّر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک کی چمک مجھے نظر آئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''علی! تمھیں مبارک ہو، تمھاری شادی کے لیے اللہ نے میری کفالت فرمائی۔'' میں نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کیسے؟'' فرمایا، ''میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) آئے تھے، اُن کے پاس جنّت کا ایک خوشہ اور لونگ تھا، اُنھوں نے دونوں چیزیں مجھے دیں، میں نے اُنھیں لے کر سونگھا اور پوچھا، ''جبرائیل! یہ خوشہ اور لونگ کیسا ہے؟'' اُنھوں نے کہا، ''اللہ تعالیٰ نے بہشت کے ملائکہ اور ساکنینِ جنّت کو حکم دیا کہ وہ جنّت کی نہروں، پھلوں، اشجار اور محلات کو مزیّن کریں اور ہوا کو حکم دیا کہ وہ عطر و خوشبو کی لپٹیں نثار کرے اور حورُ العین کو حکم دیا کہ وہ سورۃ طٰهٰ، طٰسٓ (سورۃ نمل) اور حٰمٓ عٓسٓقٓ (سورۃ شوریٰ) کی تلاوت کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے اذنِ خدا سے یہ منادی کی کہ اے میرے ملائکہ اور میری جنّت میں رہائش پذیر مخلوق! گواہ رہو کہ میں نے فاطمہ (علیہا السلام) بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تزویج علی بن ابی طالب (علیہ السلام) سے کر دی ہے اور یہ تزویج اُن دونوں کی اور میری رضامندی سے ہوئی ہے۔'' بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے جنّت کے ایک فرشتے کو جس کا نام ''راحیل'' ہے اور جو تمام ملائکہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے، خطبۂ نکاح پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ اُس نے حکمِ الٰہی سے ایسا فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جیسا آج تک زمین و آسمان میں نہیں پڑھا گیا۔ تب منادی نے حق تعالیٰ کی طرف سے ندا دی، ''اے میرے ملائکہ اور میری جنّت کے باسیو! تم علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) اور میرے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور فاطمہ (علیہا السلام) بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر برکت بھیجو، اور میں بھی اُن پر برکت بھیجتا ہوں۔''[1]

---

[1] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا، ج ۱ ص ۲۹۳

کتاب مجمع النورین کے مؤلف شیخ ابوالحسن نجفی نے بھی ذِکر کیا ہے کہ معراج کا مقصد دو باتیں تھیں، ایک خلافتِ علی علیہ السلام اور دوسری علی و بتول علیہم السلام کی شادی اور کہا ہے کہ احادیثِ مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ [1]

۵) معراج کا ایک مقصد ولایتِ علی علیہ السلام اور ولایتِ ائمہ اہل بیت علیہم السلام تھا۔ شیخ ابوالحسن نجفی کی مندرجہ بالا روایت اور متعدد دیگر روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ پروردگارِ عالم نے ایک اہم ترین فریضہ یعنی ولایتِ علی علیہ السلام کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلقین فرمائی۔

تفسیر برہان میں بروایتِ صفّار، امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سو بیس مرتبہ معراج نصیب ہوئی اور ہر دفعہ دوسرے فرائض سے بڑھ کر خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ولایتِ علی علیہ السلام اور ولایتِ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی تلقین فرمائی۔ [2] عیاشی سے بھی اِسی مضمون کی حدیث مروی ہے اور معراج کے سفرنامے میں ملائکہ کے سوال و جواب میں بھی اِس اَمر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ [3]

مزید برآں بروایتِ ابنِ بابویہ، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا اور پھر وہاں سے سدرۃُ المنتہیٰ پر اور وہاں سے حجاب ہائے نُور کی طرف بڑھا تو خدا کی جانب سے ندا پہنچی کہ میں تیرا پروردگار ہوں پس میرے لیے خشوع کر، صرف میری عبادت کر، مجھ پر توّکل رکھ اور میری ہی ذات پر اعتماد کر۔ میں تیری عبدیّت، محبت، رسالت، نبوّت اور تیرے بھائی کی خلافت میں راضی ہوں جو میرے بندوں پر میری حُجّت اور میری مخلوق کا امام ہے اور اُسی کے ذریعے میرے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان ہوگی اور اُسی کی بدولت شیطان کے لشکر اور میرے لشکر میں تمیز ہوگی، اُسی کے ذریعے میرا دِین قائم،

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ مجمع النورین

[2] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ تفسیر برہان

[3] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ عیاشی

حدیں محفوظ اور احکام جاری ہوں گے۔ تیری اور اُس کی نسل کے ائمہ (علیہم السلام) کی برکت سے میری مخلوق پر میرا رحم و کرم ہوگا، تمھارا ''قائم'' (امامِ زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام) میری زمین کو میری تسبیح و تہلیل، تقدیس و تحمید اور تکبیر سے آباد کرے گا، میں اُس کے ذریعے اپنی زمین کو دشمنوں سے پاک کروں گا اور اپنے دوستوں کو اُس کا وارث بناؤں گا اور اُس کی بدولت کفر کا کلمہ پست اور حق کا کلمہ بُلند کروں گا۔ اُس کے وسیلے سے میں اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ کروں گا، اُس کے لیے میں زمین کے خزانوں اور ذخیروں کو ظاہر کروں گا اور اُس کو اپنے ارادے سے خفیہ اسرار کی خبر دوں گا اور اپنے دِین کی سربُلندی کے لیے ملائکہ سے اُس کی تائید کروں گا۔ وہ میرا برحق ولی ہے اور سچ مچ میرے بندوں کے لیے میرا مہدی (علیہ السلام) ہے۔[۱]

''تفسیر برہان'' میں ''کافی'' سے منقول ہے کہ ابوبصیر سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشادِ الٰہی ہُوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اُمت کا والی کون ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ یا اللہ! تُو ہی جانتا ہے۔ ارشادِ ربُّ العزت ہُوا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد) علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہی ہے جو مومنوں کا امیر، مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد و راہبر ہے۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوبصیر! خدا کی قسم علی علیہ السلام کی ولایت زمینی نہیں بلکہ یہ آسمان سے اُتری ہے۔[۲]

''تفسیر صافی'' میں ''کشفُ الغمہ'' سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ خدا نے شبِ معراج آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کس لہجے میں گفتگو فرمائی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ علی (علیہ السلام) کے لہجے میں۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ معراج پر جب خداوند متعال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اے پروردگار! میرے ساتھ تُو ہم کلام ہے یا علی؟ تو ارشاد ہُوا کہ اے احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں وہ ہوں

---

[۱] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴

[۲] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۵ بحوالہ تفسیر برہان

کہ میری مثل کوئی شے نہیں، نہ مجھے کسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ چیزوں سے میری صفت ہی کی جاسکتی ہے۔ میں نے تجھے اپنے نُور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے نُور سے پیدا کیا۔ میں تیرے دِل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تیرے دِل میں علی ابن ابی طالب سے زیادہ کسی کی محبت نہیں ہے پس میں نے اُسی کے لہجے میں تجھ سے گفتگو کی ہے تاکہ تیرا دِل مطمئن رہے۔ اِسی طرح کی حدیث ''ینابیع المودّۃ'' میں بھی منقول ہے۔[1]

تفسیر برہان میں حضرت ابو بریدہ سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے علی (علیہ السلام)! تجھے خدا نے سات مقامات پر میرے ساتھ حاضر کیا ہے۔

پہلا مقام: شبِ معراج جب میں آسمان پر پہنچا تو جبرائیل نے مجھ سے پوچھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ آیا ہوں تو اُس نے کہا کہ اللہ سے دُعا مانگیں کہ وہ اُس کو یہاں حاضر کردے۔ چنانچہ میں نے دُعا مانگی اور اچانک تیری مثال میرے ساتھ موجود تھی۔

دوسرا مقام: جب میں دوبارہ معراج پر گیا تو جبرائیل نے پوچھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں تو اُس نے کہا کہ اللہ سے دُعا مانگیں کہ وہ اُس کو لے آئے چنانچہ میں نے دُعا مانگی تو تیری مثال میرے ہمراہ تھی۔ پس آسمانوں کے پردے اُٹھا دیے گئے اور میں نے اُس کی ساکن آبادیوں کا اور ہر فرشتے کی قیام گاہ کا مشاہدہ کیا۔

تیسرا مقام: جب میں جِنّات کی قوم کی طرف بھیجا گیا تو جبرائیل نے اِستفسار کیا کہ آپ کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ پھر جبرائیل کے کہنے پر میں نے دُعا کی اور دیکھا تو میرے ہمراہ تُو تھا، پھر اُن (قومِ جنات) کے ساتھ جس قدر گفتگو ہوتی رہی تُو سنتا رہا۔

چوتھا مقام: شبِ قدر میں تُو میرا شریک ہے اور کوئی نہیں۔

پانچواں مقام: نبوّت کے سوا ہر بات میں تُو میرا شریک ہے۔

چھٹا مقام: جب میں نے آسمانوں پر نبیوں کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۶ بحوالہ تفسیر صافی و ینابیع المودۃ

ساتواں مقام: احزاب کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں ہوئی۔[1]

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، ''شبِ معراج ہر آسمان پر فرشتے مجھے مبارکباد دیتے رہے اور جبرائیل نے ملائکہ کے ایک جم غفیر کے ہمراہ یہ کہا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت علی (علیہ السلام) کی محبت پر جمع ہو جاتی تو خدا دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اے علی! خدا نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا چنانچہ میں مانوس ہو گیا۔'' پھر حدیثِ سابق کی طرح مقامات گنوائے جن میں پانچویں مقام پر یہ بیان فرمایا، ''جب میں اللہ سے مناجات کر رہا تھا تو اُس وقت بھی تیری مثال میرے ساتھ تھی اور میں نے تیرے لیے کچھ چیزیں پروردگار سے طلب کیں اور سوائے نبوّت کے اُس نے سب قبول کیں اور فرمایا کہ نبوّت تیرا ہی خاصہ ہے اور تُو اس کا خاتم ہے اور چھٹا مقام یہ ہے کہ جب میں نے بیت المعمور کا طواف کیا تو تیری مثال میرے ساتھ تھی۔'' ساتواں مقام حسبِ سابق بیان کیا اور اُس کے بعد ارشاد فرمایا، ''خُدا نے دُنیا کی طرف نظر کی تو مجھے عالمین کے مَردوں پر منتخب فرمایا پھر تجھے چُنا پھر فاطمہ (علیہا السلام) کو تمام عالمین کی عورتوں سے برگزیدہ کیا پھر حسن و حسین (علیہم السلام) کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا۔'' پھر فرمایا کہ اے علی! میں نے دیکھا ہے کہ چار مقامات پر تیرا نام میرے نام کے ساتھ مسطور و مذکور ہے اور میں اُسے پڑھ کر مانوس ہُوا ہوں اور وہ مقامات یہ ہیں:

اوّل: شبِ معراج جب میں بیتُ المقدس میں پہنچا تو پتھر پر لکھا ہُوا دیکھا:

''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَیَّدْتُہٗ بِوَزِیْرِہٖ وَنَصَرْتُہٗ بِہٖ○''

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں

جن کی تائید اُن کے وزیر کے ساتھ کی اور اُس (وزیر) کو اُن کا مددگار بنایا ہے۔)

میں نے پوچھا کہ اے جبرائیل میرا وزیر کون ہوگا تو وہ کہنے لگا کہ علی ابن ابی طالب (علیہ السلام)۔

دوم: سِدرۃُ المنتہیٰ پر یہی کلمات تحریر ہیں۔[2]

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۶، ۲۶۷ بحوالہ تفسیر برہان

[2] شیخ ابوالحسن نجفی، مجمع النورین

سوم: جب سدرۃ المنتہیٰ سے چل کر عرش کے قریب پہنچا تو ساقِ عرش پر لکھا ہُوا پایا:

''لَآاِلٰہَ اِلاَّ اَنَا اللّٰہُ وَحۡدِیۡ مُحَمَّدٌ حَبِیۡبِیۡ وَ صَفۡوَتِیۡ مِنۡ خَلۡقِیۡ اَیَّدۡتُہٗ بِوَزِیۡرِہٖ وَاَخِیۡہِ وَنَصَرۡتُہٗ بِہٖ○''

(میرے سوا کوئی معبود نہیں میں اللہ اَحد ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا حبیب اور تمام مخلوق سے برگزیدہ ہے میں نے اس کی تائید اس کے وزیر اور بھائی کے ساتھ کی اور میں نے اُسے اس کا مددگار بنایا)

چہارم: میں نے جنّت میں شجرۂ طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل اے علی تمھارے گھر میں ہے اور جنّت کے ہر محل میں اُس کی شاخیں ہیں اور اُس کی اصل سے پانی، دُودھ، شراب اور شہد کی چار نہریں جاری ہیں۔[1]

مجالسِ شیخ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تیرے لیے مجھے سات چیزیں عطا ہوئیں:

۱) میں پہلا شخص ہوں جو لحد سے باہر آؤں گا اور تُو میرے ہمراہ ہوگا۔

۲) تُو پہلا شخص ہے جسے میرے ساتھ (جنّت کا) لباس پہنایا جائے گا اور جو میرے ساتھ زندہ ہوگا۔

۳) تُو پہلا شخص ہے جو عرش کے دائیں جانب میرے ساتھ کھڑا ہوگا۔

۴) تُو پہلا شخص ہے جو پُل صراط پر میرے ہمراہ کھڑا ہوگا اور دوزخ سے کہے گا کہ اُس کو لے لے کہ وہ تیرا ہے اور اِس کو چھوڑ دے کہ یہ تیرا نہیں۔ (یعنی دوزخیوں اور جنتیوں کا انتخاب علی علیہ السلام کے حکم سے ہوگا)۔

۵) تُو پہلا شخص ہے جو جنّت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

۶) تُو پہلا شخص ہے جو جنّت میں جا کر علیین (جنت کے گھر) میں میرے ساتھ سکونت پذیر ہوگا۔

۷) اور تُو پہلا شخص ہے جو رحیق مختوم سے پیئے گا جس پر کستوری کی مُہر ہوگی۔

امالی شیخ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں ''قَابَ قَوۡسَیۡنِ'' کے مقام پر پہنچا

---

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۷

تو ارشادِ الٰہی ہُوا کہ تُو سب سے زیادہ دوست کس کو رکھتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ علی (عَلَیْہِ السَّلَام) کو تو ارشاد ہُوا کہ مڑ کر دیکھو چنانچہ میں نے مڑ کر دیکھا تو میرے بائیں جانب علی (عَلَیْہِ السَّلَام) موجود تھے۔ [۱]

کیا حضرت علی عَلَیْہِ السَّلَام شریکِ معراج تھے؟

اِس کا مختصر اور آسان فہم جواب ہے کہ نہیں۔ معراج پر جانا حضرت رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا خاصہ ہے، اُن کے مختصات میں سے ہے اور یہ شرف سوائے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اور کسی کو حاصل نہیں۔

بلاشُبہ اللہ عزوجل نے معراج کے موقع پر جو کلام اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے کیا وہ علی عَلَیْہِ السَّلَام ہی کے لہجے میں تھا جیسا کہ کتب میں مسطور ہے البتہ مقامِ اشتباہ وہ احادیث ہیں جن میں حضرت علی عَلَیْہِ السَّلَام کا وہاں موجود ہونا حضرت رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے خود بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اِس کا حل یہ ہے کہ اکثر روایات میں ''مثال'' کا لفظ موجود ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات پر بیان کی گئی روایات میں بارہ ائمۂ طاہرین عَلَیْہِمُ السَّلَام کے مثالی اجسام کا عرش پر موجود ہونا بیان کیا گیا ہے کہ وہ فضائے نُور میں مشغولِ عباداتِ پروردگار تھے، پس حضرت علی عَلَیْہِ السَّلَام بنفسِ نفیس وہاں موجود نہیں تھے بلکہ آپ کی مثال موجود تھی۔ تفسیر برہان میں مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ شبِ معراج جب مجھ سے خطابِ پروردگار ہُوا، ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ'' [۲] (رسول اُن تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر اتاری گئی ہیں) تو میں نے جواب میں کہا، ''وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۚ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا

---

[۱] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ امالی

[۲] سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۵

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ''[1]

(اور مؤمنین بھی خدا پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم خدا کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے فرمانِ الٰہی سُنا اور اُس کی اطاعت کی! پروردگار ہمیں تیری مغفرت درکار ہے اور تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے)۔ پھر ارشاد ہُوا، ''اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ)! میں نے زمین پر نگاہِ قدرت کی اور تجھے چُن لیا اور تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا، جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں تیرا ذکر بھی (ساتھ ساتھ) ہوگا پس میں محمود ہوں اور تُو محمد ہے، پھر میں نے دوبارہ زمین پر نظرِ انتخاب کی تو علی (عَلَیْہِ السَّلَامْ) کو چُنا اور اُس کا نام بھی اپنے نام سے مشتق کیا، میں اعلیٰ ہوں اور وہ علی ہے۔ اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ)! میں نے تم کو اور علی، فاطمہ، حسن، حسین اور باقی ائمہ (عَلَیْہِمُ السَّلَامْ) جو حسین (عَلَیْہِ السَّلَامْ) کی نسل سے ہونے والے ہیں، ان سب کو اپنے نُور سے خلق کیا اور تمھاری ولایت کو میں نے تمام اہلِ ارض وسما پر پیش کیا، جس نے اِس کو قبول کیا وہ میرے نزدیک مومن ہے اور جس نے اِس کا انکار کیا وہ میرے نزدیک کافر ہے۔ اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ)! اگر میرے بندوں میں سے کوئی میری عبادت کرتے کرتے نڈھال اور بوسیدہ ہو جائے لیکن وہ تمھاری ولایت کا اقرار نہ کرے تو میں اُس کو نہیں بخشوں گا جب تک کہ وہ تمھاری ولایت کا اقرار نہ کرے۔'' پھر ارشاد ہُوا، ''اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ)! کیا تُو اُن (معصومین) کو دیکھنا چاہتا ہے؟'' میں نے عرض کیا، ''ہاں پروردگار!'' پس خطاب ہُوا، ''عرش کی دائیں جانب نگاہ کرو۔'' میں نے دائیں طرف دیکھا تو علی، فاطمہ، حسن، حسین، علی بن حسین، محمد باقر بن علی، جعفر صادق بن محمد باقر، موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، علی رضا بن موسیٰ کاظم، محمد تقی بن علی رضا، علی نقی بن محمد تقی، حسن عسکری بن علی نقی، اور محمد مہدی بن حسن عسکری (عَلَیْہِمُ السَّلَامْ) کو ایک فضائے نُور میں مصروفِ عبادت پایا اور حضرت محمد مہدی (عَلَیْہِ السَّلَامْ) ایک درخشاں ستارے کی طرح اُن سب کے وسط میں جلوہ افروز تھے۔ پس ارشادِ باری تعالیٰ ہُوا، ''اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ)! یہ سب میری طرف

---

[1] سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۵

سے حجّت ہوں گے اور ''وہ'' (حضرت امام محمد مہدی آخر الزمان علیہ السلام) تیری (مظلوم) عترت کا بدلہ لینے والا ہوگا۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم کہ وہ میرے دوستوں کے لیے حجّتِ واجبہ اور میرے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہوگا۔'' تفسیرِ مذکور میں ہے کہ اس روایت کو بعض مخالفین نے بھی نقل کیا ہے۔ اسی تفسیر میں مروی ہے کہ ایک یہودی نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے دریافت کیا:

''شبِ معراج آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پہلا کلام کون سا ہُوا تھا؟''

آپ نے فرمایا، ''اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ''[1]

(رسول اُن تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر اتاری گئی ہیں)

یہودی نے کہا، ''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔''

آپ نے فرمایا، ''اس کے بعد یہ جو کہ قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہے،

''وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ ۟ وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ٭۫ غُفۡرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ''[2]

(اور مؤمنین بھی خدا پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم خدا کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے فرمانِ الٰہی سنا اور اُس کی اطاعت کی، پروردگار! ہمیں تیری مغفرت درکار ہے اور تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے)

یہودی کہنے لگا، ''میری مراد اِس سے بھی نہیں۔''

آپ نے فرمایا، ''پوشیدہ باتوں کو رہنے ہی دو۔''

یہودی بولا، ''اگر آپ نہیں بتا سکتے تو (اِس کا مطلب ہے کہ) آپ ''وہ'' نہیں۔''

آپ نے فرمایا، ''اگر تجھے بہرصورت پوچھنا ہی ہے تو سُن! جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معراج

---

[1] سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۵

[2] سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۵

سے واپس تشریف لا رہے تھے اور ابھی حجابوں کی منازل میں تھے اور مقامِ جبرائیل تک نہیں پہنچے تھے کہ پیچھے سے ایک فرشتے نے صدا دی، ''یا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)!'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے کہا، ''لبیک'' فرشتے نے عرض کی، ''اللہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ سیّد وَلی کو (میرا) سلام کہیے گا۔'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے (اتمام حجّت کے لیے) پوچھا، ''سیّد وَلی کون ہے؟'' اُس نے کہا، ''وہ علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہیں۔''

یہ سُن کر یہودی بولا، ''بے شک! خدا کی قسم! میں نے اپنے والد کی کتاب میں ایسا ہی پڑھا ہے۔''

وہ یہودی حضرت داوٗد علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔[1]

امکانِ معراج

علامہ حسین بخش جاڑا تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں بیان فرماتے ہیں، ''ایک وقت تھا جب علمائے ہیئت نے خرق والتیام (پھاڑنا اور جوڑنا، یعنی معجزہ) کے مسئلہ کو آسمان پر چڑھایا ہُوا تھا۔ خدا معلوم یہ مسئلہ کب سے چلا اور اِس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کس نے اِس مفروضہ کو گھڑا اور کیوں گھڑا؟ بہر کیف بڑے زور وشور سے اِس مسئلہ نے کتبِ علمِ ہیئت میں اپنا مقام پیدا کیا اور علم وحکمت اور فلکیات کی ابحاث میں یہ مسئلہ اتنا سنگین ہوگیا کہ متاخرین آنکھیں بند کرکے متقدمین کے اس مفروضہ کو اُصولِ مسلّمہ کی طرح مانتے چلے آئے۔ کسی نے اس دعویٰ کے خلاف احتجاج کیا نہ کسی کو اس کی مروّجہ ادلّہ میں قدغن کی جرأت ہوئی، پس حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امکانِ معراج کے راستے میں یہ مسئلہ کوہِ گراں بن کر ہر دَور کے علمائے اسلام کے افکار وانظار کو چیلنج کرتا رہا، چنانچہ بہت سوں کے ہاتھ سے دامنِ حق چھوٹ گیا اور وہ معراج کا انکار کر بیٹھے اور جو اقرار پر ڈٹے رہے وہ معراجِ روحانی کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے، البتہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی تھے جنھوں نے باطل کی غوغا آرائیوں پر کان دھرے بغیر آوازِ

[1] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ،ج ۸ ص ۲۶۸ بحوالہ تفسیر برہان

قدرت پر لبیک کہا اور ہر قسم کی موشگافیوں سے بے نیاز ہو کر صدائے وحدت کو من وعن تسلیم کرتے ہوئے عرفان و ایقان کی منازل کی طرف آگے بڑھے، کیونکہ جب اللہ ہر شے پر قادر ہے تو وہ جب چاہے، جس طرح چاہے، جہاں جہاں چاہے اپنے بندے کو سیر کرا سکتا ہے۔ مخلوق و مصنوع کا کوئی فرد کسی وقت اُس کی قدرت و مشیّت کے آگے حائل نہیں ہو سکتا اور قرآن مجید میں ''اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ''[1] کا فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ از خود نہیں گئے بلکہ اللہ آپ ﷺ کو لے گیا۔ پس جب وہ لے گیا تو اُس کے لیے سب کچھ ممکن ہے۔

سائنس کے اس دَور میں جو علمِ ہیئت کے سابقہ مفروضے کے جھوٹ کی قلعی کھلی تو آسمانوں میں خرق والتیام کو محال جاننے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ایسا تب ہُوا جب اُنھوں نے دیکھا کہ ترقی یافتہ ممالک نے سائنسی آلات کے ذریعے ارضی مواد سے طاقت حاصل کر کے آسمانوں کی بُلندیوں کو سر کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا ہے اور آئے دن چاند اور دیگر سیارات پر ڈیرہ ڈالنے اور قبضہ جمانے کی خاطر راکٹوں کا بے پناہ سلسلہ قائم ہونے کی خبریں شائع ہونے لگی ہیں جن کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ حتیٰ کہ چاند کی سطح کی تصویریں اتاری جا رہی ہیں، اُس پر آبادی کے امکانات پر رائے زنی ہو رہی ہے، طاقتور حکومتیں اُس پر اپنا پرچم لہرانے کے لیے بے تاب ہیں اور وہاں تک پہنچنے کے لیے خلائی اڈوں کی تجاویز بھی زیر غور ہیں۔ (یہ حوالہ پرانی کتاب سے ہے، اب تو انسان نہ صرف چاند کو تسخیر کر چکا ہے بلکہ مریخ پر بھی کمند ڈال چکا ہے۔ مؤلف) ان پیش آمدہ حالات کے تحت جب کہ مسئلہ خرق والتیام ایک فرسودہ خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور مادی قوتوں سے استفادہ کرنے والوں نے جب آسمان کی تسخیر کو حرفِ ممکن ہی نہیں بلکہ قریب الوقوع قرار دیا ہے تو وہ ذات جو مقصودِ کائنات ہو، جس نے زمین پر بیٹھے ہوئے چاند سے اپنی نبوّت کی گواہی طلب کر لی ہو اور اُس نے دو ٹکڑے ہو

---

[1] سورۃ اسریٰ، آیت ا

کر اپنے مسخر ہونے پر مُہرِ تصدیق ثبت کی ہو اور وہ ذات جو قوتِ رُوحانیہ میں تمام رُوحانیوں سے اشرف و اعلیٰ حیثیت کی حامل ہو حتیٰ کہ سیّد الملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جس کے ادنیٰ غلام ہوں، اُس کے لیے آسمانی بُلندیوں کو سر کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے؟ اور پھر جب بُلانے والا اور لے جانے والا اللہ ہو تو کس کی مجال ہے کہ اس کو ناممکن کہہ سکے؟"[۱]

قرآن کی گواہی

غیر مسلم اگر امکانِ معراج پر یقین نہیں رکھتے تو نہ سہی، اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن لمحہ فکر یہ اُن لوگوں کا انکار ہے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں کیونکہ یہ انکار اُنھیں اُمتِ مسلمہ سے خارج کر کے غیر مسلموں کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اہلِ اسلام کے مختلف مسالک میں فروعی مسائل میں تو اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن بنیادی مسائل میں قطعی نہیں، مثلاً اُن احادیث پر ایمان لانے میں اختلاف ہو سکتا ہے جو ہم تک مختلف راویوں، وسیلوں اور واسطوں سے پہنچی ہیں لیکن قرآن پر اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، یہ فرمانِ الٰہی ہے اور اِس پر ایمان واجب ہے۔ معراج سے متعلق قرآن کریم میں واضح فرمودات موجود ہیں جن کی روشنی میں کسی قسم کا انکار ممکن ہی نہیں۔

جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمانِ الٰہی ہوتا ہے:[۲]

"سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○"

(پاک ہے وہ جو اپنے بندۂ خاص کو رات کے تھوڑے عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں تا کہ دکھائیں ہم اُنھیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا

---

[۱] علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۵

[۲] سورۃ الاسراء، آیت ۱

دیکھتا ہے)، اور سورۃ النجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:[1]

''وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۭ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۭ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۭ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۭ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾''

(قسم ہے ستارے کی جب وہ ڈوبنے لگے، کہ تمھارے یہ ساتھی (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ گمراہ ہوئے ہیں اور نہ ہی بہکے ہیں۔ اور وہ (اپنی) خواہشِ نفس سے بات نہیں کرتے۔ وہ تو بس وحی ہے جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔ اُن کو ایک زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔ جو بڑا صاحبِ قدرت (یا بڑا دانا وحکیم) ہے پھر (وہ اپنی اصلی شکل میں) کھڑا ہوا۔ جب کہ وہ آسمان کے بُلند ترین کنارے پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور زیادہ قریب ہوا۔ یہاں تک دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس اُس (اللہ) نے اپنے (خاص) بندے (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف وحی کی جو وحی چاہی۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دِل نے جھوٹ نہیں کہا جو کچھ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) آنکھ نے دیکھا۔ کیا تم لوگ اُن سے اِس بات پر جھگڑتے ہو جو کچھ اُنھوں نے دیکھا؟ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بار اور بھی اُترتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ جہاں جنّت الماویٰ (آرام سے رہنے کا بہشت) ہے۔ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا (وہ نور) جو چھا رہا تھا۔ نہ آنکھ چندھیائی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)

---

[1] سورۃ النجم، آیت ۱ تا ۱۸

اِس سورۃ مبارکہ میں بڑے واضح الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ معراج کوئی خواب و خیال پر مشتمل قصّہ نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو کچھ بنفسِ نفیس دیکھا وہی بیان فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (معاذ اللہ) کوئی جھوٹ نہیں کہتے، ہاں! تم ہی خواہ مخواہ اِس بات پر جھگڑتے ہو۔

واقعۂ معراج پر چند اور دلائل

تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں بیان کیا گیا تھا کہ لوگوں نے واقعۂ معراج کو اپنی اپنی ذہنی استعداد کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی اور جب ذہنِ نارسا نے اِسے بظاہر ناممکن قرار دیا تو اِس کا انکار کر بیٹھے اور دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہو گئے۔ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ بھی اُن ہی میں سے ہوں گے جن کے دلوں، سماعتوں اور بصارتوں پر اللہ نے مُہر لگا رکھی ہے جو اُنھیں وہ عام سی نشانیاں بھی نظر نہیں آسکیں جن کی روشنی میں واقعۂ معراج کوئی ایسا واقعہ نہیں جو اللہ کے لیے اور اُس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے (معاذ اللہ) ناممکن ہو۔ اُن عام سی نشانیوں میں سے چند ایک کا ذِکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

ا) سورج و چاند کا طلوع ہونا اور اُن کی روشنی کا فوراً زمین پر پہنچ جانا:

ہر آنکھ مشاہدہ کرتی ہے کہ سورج اور چاند روزانہ طلوع ہوتے ہیں اور زمین سے کروڑوں میل دُور ہونے کے باوجود طلوع ہوتے ہی اُن کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے۔ سورج کا زمین سے اوسط فاصلہ تقریباً ایک سو پچاس ملین کلومیٹر یعنی پندرہ کروڑ کلومیٹر ہے اور اُس کی روشنی صرف آٹھ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے۔[۱] روشنی کا یہ تیز رفتار سفر جو یقیناً خالقِ کائنات کے حکم سے ہوتا ہے اگر ممکن ہے تو پھر وجہِ تخلیقِ کائنات یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سفرِ معراج کیونکر ناممکن ہے؟

---

[۱] مائکروسافٹ انکارٹا انسائیکلوپیڈیا

۲) دُنیا بھر میں بے شمار اموات کا ہونا، حضرت عزرائیلؑ کا فوراً ہر جگہ پہنچ جانا اور مرنے والوں کی ارواح کا عالم برزخ میں چلے جانا:

دُنیا بھر میں روزانہ اَن گنت افراد لقمۂ اَجل بنتے ہیں۔ تقریباً تمام مذاہب خصوصاً اہلِ کتاب کا ایمان ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام، اللہ کے حکم سے یہ فرض انجام دیتے ہیں جس کی خاطر وہ آسمانوں سے زمین پر آتے ہیں، بیک وقت دُنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچتے ہیں اور بے شمار نفوس کی جان قبض کر کے واپس آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔ مرنے والوں کی رُوحیں بھی اِس جہان سے اگلے جہان یعنی عالم برزخ میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ مرنے والوں کی ارواح اور اللہ کے ایک فرشتے کے لیے اِس جہان سے اُس جہان تک کا یہ سفر اتنی سرعت کے ساتھ اگر ممکن ہے تو بحکم الٰہی اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شب بھر میں زمین سے آسمان تک کا سفر کیسے ممکن نہیں؟

۳) حضرت جبرائیل علیہ السلام کا وحی لے کر آسمانوں سے زمین پر پہنچنا اور واپس جانا اور دیگر ملائکہ کا روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری کے لیے آنا جانا:

تمام اہلِ کتاب متفق ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر انبیا علیہم السلام کے پاس زمین پر آتے رہے اور تمام اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت روزانہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دینے کے لیے آسمانوں سے زمین پر اُترتی ہے اور پھر عصر کے بعد واپس پلٹ جاتی ہے۔[۱] پس آسمانوں سے زمین تک کا سفر ملائکہ کا معمول ہے تو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ملائکہ سے بھی عظیم ترین ہیں، کے سفرِ معراج پر اظہارِ تعجب کرنا بذاتِ خود باعثِ تعجب ہے۔

۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کا ظہور:

اہلِ اسلام کے تمام مکاتبِ فکر کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام وہ ہستیاں ہیں جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیا اور

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء) جذبُ القلوب

دوسری کو پردۂ غائب میں منتقل کر دیا اور قیامت سے پہلے ان کا دوبارہ ظہور ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ان میں سے ایک ہستی آسمان پر اور دوسری پردۂ غائب میں کیسے چلی گئی؟ وہ اِس وقت کہاں یا کس حال میں ہیں اور واپس کس طرح آئیں گی؟ سیدھا سادھا جواب تو یہی ہے کہ غائب بھی اللہ نے کیا، ہیں بھی اُسی کی مہمان اور اُنھیں واپس بھی اللہ تعالیٰ ہی بھیجے گا، جس طرح وہ چاہے، کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے اور جو چاہے کرسکتا ہے۔ پس اگر وہ اپنے ایک نبی اور ایک امام کے لیے ایسا کرسکتا ہے تو وہ جو سرورِ انبیا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں اور جدِّ امام آخرالزمان (علیہ السلام) ہیں، اُن کے لیے اگر اُس نے آسمانوں کی سیر کا اہتمام فرمایا تو اِس میں پریشانی کیوں ہے؟

۵) سیٹلائٹ، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن کی نشریات اور انٹرنیٹ وغیرہ:

انسان کے بنائے ہوئے جدید خلائی مواصلاتی نظام (Satellite System) کے ذریعے ہم روزانہ اپنے فون پر گفتگو کرتے ہیں اور دُنیا کے کسی دُور دراز گوشے میں ہونے والی کاروائی کو اپنے کمرۂ خواب میں بذریعہ ٹیلی ویژن یا انٹرنیٹ براہِ راست دیکھتے ہیں۔ سات سمندر پار کسی اسٹیڈیم میں کھیل ہو رہا ہوتا ہے اور ہم اپنے ٹی وی پر براہِ راست اُس سے محظوظ ہو رہے ہوتے ہیں۔ ایک مُلک میں فوجی کاروائی ہو رہی ہوتی ہے اور اُس کا براہِ راست نظارہ کاروائی کرنے والوں کے حکمران اپنے دفاتر میں بیٹھے کر رہے ہوتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مریخ پر ناسا کی خلائی گاڑی اُتر رہی ہوتی ہے اور پوری دُنیا میں لوگ اپنے اپنے ٹی وی پر اُس گاڑی کو مریخ پر اُترتا ہُوا براہِ راست دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مریخ پر اُترنے والی خلائی گاڑی کا ''منظر'' کیا کوئی وجود نہیں رکھتا؟ جی ہاں ''منظر'' وجود رکھتا ہے تو نظر آتا ہے، وہ وجود چاہے کسی بھی شکل میں ہو یا کسی بھی مادے سے بنا ہو۔ پس وہ منظر مریخ سے زمین تک کا کروڑوں میل [1] کا سفر لمحوں میں طے کر کے زمین پر بسنے والے اربوں لوگوں میں سے ہر ایک کے گھر میں پہنچتا ہے۔

---

[1] زمین اور مریخ کا درمیانی فاصلہ کم از کم 5 کروڑ 46 لاکھ کلومیٹر ہے۔ سورج کے مدار میں گردش کے دوران میں ایک مقام پر یہ فاصلہ بڑھ کر تقریباً 40 کروڑ 10 لاکھ کلومیٹر تک پہنچ جاتا ہے۔ بحوالہ: www.space.com

یعنی مریخ پر پہنچنے والی خلائی گاڑی زمین سے وہاں تک کروڑوں میل سفر طے کر کے پہنچنے کے بعد وہاں کا جائزہ لیتی ہے اور اُس کا منظر بھی اُتنا ہی سفر طے کرتا ہوا براہِ راست وہاں سے زمین پر موجود ہر گھر میں دکھائی دیتا ہے۔ پس اگر بنی نوع انسان کی بنائی ہوئی ایک مشین کے لیے مریخ پر پہنچنا اور اتنی سرعت سے اُس کے مناظر کا زمین پر نظر آنا ممکن ہے تو اللہ کے رسول اور سرورِ انبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سفرِ معراج پر کوئی تردّد نہیں ہونا چاہیے کہ جنھیں خالقِ کائنات نے اپنا مہمان بنانے کے لیے خود سب انتظام کیا ہو۔

معراج اور صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

روایت ہے کہ شبِ معراج نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوتھے آسمان پر ایک فرشتے سے ملاقات ہوئی۔ فرشتے نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے دو رکعت نماز ادا کی ہے جس میں بیس ہزار سال کا عرصہ لگا ہے۔ خدا کے حکم سے پانچ ہزار سال قیام، پانچ ہزار سال رکوع، پانچ ہزار سال تشہد اور پانچ ہزار سال سجود کی حالت میں رہا ہوں۔ میں اِس نماز کا ثواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کرتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں تیری اطاعت اور نماز کا محتاج نہیں ہوں۔'' فرشتے نے کہا، ''پھر میں اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو ہدیہ کرتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میری اُمت کو بھی تیری نماز کی ضرورت نہیں، خدا کی قسم! میری اُمت کا کوئی گنہگار بھی ایک مرتبہ دُرود پڑھے گا تو اُس کا ثواب تیری بیس ہزار سالہ عبادت سے بڑھ کر ہے۔''[۱]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے پانچویں آسمان پر سنہری بالوں والا ایک فرشتہ دیکھا جو تہلیل و تقدیس میں مصروف تھا۔ میں نے سلام کیا تو اُس نے جواب دیا اور کہا کہ میں اُن خوش بخت فرشتوں میں سے ہوں جو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰات بھیجتے رہتے ہیں۔[۲]

---

[۱] عدۃ الداعی، ص ۱۲۰

[۲] عرجۃ الاحمدیۃ، ص ۱۴۳

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج آسمان پر ایک فرشتے کو دیکھا جس کے ہزار ہاتھ تھے اور ہر ہاتھ کی ہزار اُنگلیاں تھیں جن سے وہ بارش کے قطرات کا حساب کرتا تھا۔ وہ فرشتہ روزِ ازل سے برسنے والے بارش کے تمام قطرات کا وقت اور مقامِ نزول کے ساتھ مکمل حساب رکھتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا، ''وہ ذات کتنی علیم و خبیر ہوگی جس نے تم جیسے فرشتے کو خلق کیا ہے جو قطراتِ باراں کو وقت کے ساتھ شمار کرتا ہے۔'' فرشتے نے جواب دیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حساب کتاب کے لیے ایسے ہاتھوں اور انگلیوں کے باوجود میں ابھی تک ایک چیز کا حساب کرنے سے قاصر ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا، ''کس چیز کا؟'' فرشتے نے عرض کیا، ''جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کا ایک گروہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ مبارک سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درُود بھیجتا ہے تو میں اُس درُود کے ثواب کا حساب نہیں کرسکتا۔''[1]

روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانوں کی سیر کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کا ارادہ فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام کو ارشادِ الٰہی ہُوا کہ جنّت میں جاؤ اور پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے حوضِ کوثر سے پانی لے آؤ۔ رضوانِ جنّت دو ایسے برتنوں میں آبِ کوثر لے کر حاضر ہوئے جو یاقوت سے بنے ہوئے تھے اور جنھیں زمرد کے ایسے طشت میں رکھا گیا تھا جس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ ایک ایک گوہر سے مزیّن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا، نُور سے بنا ہُوا الباس زیبِ تن کیا اور نُور کا وہ عمامہ سر پر رکھا جسے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے سات ہزار سال پہلے بنایا گیا تھا۔ چالیس ہزار فرشتے اُس عمامے کے اردگرد تعظیماً کھڑے ہوتے اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔ وہ ہر تسبیح کے بعد محمد و آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درُود بھیجتے تھے۔ جب جبرائیل علیہ السلام وہ عمامہ لے کر آئے تو وہ چالیس ہزار فرشتے بھی اُن کے ہمراہ آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، اُس عمامے پر چالیس ہزار نقش و نگار تھے اور ہر نقش پر یہ چار کلمات لکھے ہوئے

---

[1] میرزا حسین نوری، (متوفی ۱۳۲۰ ھجری) مستدرك الوسائل، منازل الآخرہ، ص ۷۴

تھے، ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ○ مُحَمَّدٌ نَبِیُّ اللهِ ○ مُحَمَّدٌ خَلِیْلُ اللهِ ○ مُحَمَّدٌ حَبِیْبُ اللهِ ○ ''[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو جنّت میں چند فرشتوں کو فارغ بیٹھے دیکھ کر اُن سے فراغت کا سبب دریافت فرمایا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم منتظر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی اُمتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰات بھیجے تو ہم اُس کے لیے محل تعمیر کریں۔[2]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے جبرائیل (علیہ السلام) کو میرے سامنے جنّت کے محل پیش کرنے کا حکم دیا تو میں نے ایسے محل دیکھے جو سونے چاندی اور مُشک وعنبر سے بنے ہوئے تھے، اُن میں سے کچھ تو بڑے عالیشان تھے جب کہ کچھ ایسے نہ تھے۔ میں نے جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ کچھ محل عالیشان کیوں نہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ وہ محل اُن نمازیوں کے ہیں جو نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل علیہم السلام پر دُرود نہیں بھیجتے۔ جو لوگ دُرود بھیجتے ہیں اُن کے لیے عالیشان محل تعمیر کیے جاتے ہیں اور جو دُرود نہیں بھیجتے اُن کے قصر بغیر شان وشوکت کے اِسی شکل میں ہوتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اِن محلات والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (نماز کے بعد) صلوٰات نہیں بھیجی تھی۔''[3]

روایت ہے کہ ایک دن حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آسمان سے زمین پر آ رہا تھا کہ جلے ہوئے پروں والے ایک فرشتے کو زمین پر آہ وزاری کرتے دیکھا۔ اس سے قبل اُس فرشتے کو آسمان پر ایسا مقام حاصل تھا کہ وہ نُور کے ایک تخت پر بیٹھتا تھا اور ستر ہزار فرشتے اُس کی خدمت میں صف بستہ کھڑے رہتے تھے۔ میں نے اُس کی اِس حالت کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگا کہ شبِ معراج جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] عرجۃ الاحمدیۃ، ص ۹۲

[2] خواجہ عابد رضا محسنی، دُرود وسلام کی برکتیں، ص ۵۲

[3] تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام ص ۳۶۵۔ میرزا حسین نوری، (متوفی ۱۳۲۰ھ) مستدرک الوسائل، ج ۵ ص ۱۹

تشریف لائے تو میں اپنے تخت پر بیٹھا ہُوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم و تکریم اُس طرح نہ کرسکا جیسا کہ کرنے کا حق تھا، لہٰذا میں اِس سزا کا مستوجب ٹھہرا اور عرش سے فرش پر آ رہا۔ پھر مجھ سے کہنے لگا کہ اے جبرائیل! تُو پروردگار کے حضور میری شفاعت کرتا کہ مجھے معافی مل سکے۔ میں نے بارگاہِ ربُ العزت میں فریاد کی تو اِرشاد ہُوا کہ اِسے کہہ دو کہ اگر بخشش چاہتے ہو تو میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر درُود بھیجو، چنانچہ جب اُس نے درُود بھیجا تو اپنی پہلی حالت پر لوٹا دیا گیا۔[۱]

ایک روایت کے مطابق شبِ معراج حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا تھا کہ اپنی اُمت کو میرا سلام کہیے گا۔ اُس سلام کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اُن پر سلام بھیجا۔[۲]

درُودِ ابراہیمی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

(اے اللہ درُود بھیج محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی آل (علیہم السلام) پر جس طرح تُو نے درُود بھیجا ابراہیم (علیہ السلام) پر اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل (علیہم السلام) پر بے شک تُو تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے۔ اے اللہ برکت دے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی آل (علیہم السلام) کو جس طرح تُو نے برکت دی ابراہیم (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل (علیہم السلام) کو بے شک تُو تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے)

---

[۱] انوار المواہب، ص ۳۰۔ معارج النبوۃ، ص ۳۱۷۔ مفتی محمد امین، آبِ کوثر، ص ۱۸۱

[۲] ڈاکٹر منصور اسلم ڈار، کتاب: صلوا علیہ والہٖ، ص ۱۶۱

ولادتِ حضرت فاطمۃُ الزہراء علیہا السلام

(۵ بعثت، سنہ ۴۶ عام الفیل/ ۶۱۴ء)

معصومہ، مظلومہ، طیّبہ، طاہرہ، صدیقہ، عابدہ، زاہدہ، اُمّ الائمہ، سیّدۃُ نساء العالمین حضرت فاطمۃُ الزہراء علیہا السلام کی ولادتِ با سعادت معراجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سنہ ۵ بعثت میں ۲۰ جمادی الثانی بروز جمعہ مکّہ معظّمہ میں ہوئی۔ آپ علیہا السلام کا سالِ ولادت عامُ الفیل کے حساب سے سنہ ۴۶ اور عیسوی سال کے حساب سے سنہ ۶۱۴ء یا ۶۱۵ء تھا۔ آپ علیہا السلام کی ولادت کے وقت جنّت سے حضرت آسیہ بنتِ مزاحم، حضرت مریم بنتِ عمران، حضرت صفورا بنتِ شعیب، حضرت کلثوم ہمشیرۂ موسیٰ علیہ السلام اور حوروں کا آنا کتابوں سے ثابت ہے۔ جناب خدیجہ کبریٰ علیہا السلام کا بیان ہے کہ میں نے اپنے قبیلے کی مرضی کے خلاف سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کی تھی اس لیے میری قوم نے مجھ سے مُقاطَعہ کر رکھا تھا۔ میں نے ولادت کے وقت حسبِ دستور اُنھیں اطلاع دی، اُن میں سے کوئی نہ آیا مگر اللہ کی رَحمت شاملِ حال ہُوئی، حوروں اور پاک بیبیوں نے قابلہ اور دایہ کا کام انجام دیا، بچی پیدا ہوئی اور جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر بقعہ نُور بن گیا۔[۱] حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ جب سیّدۃُ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام دُنیا میں تشریف لائیں تو اُن کے نُور سے بیابانوں، صحراؤں، پہاڑوں اور زمینوں کی ہر شے روشن ہوگئی۔ فرشتے زمین پر نازل ہوئے، اُنھوں نے مشرق سے مغرب تک اپنے پر پھیلا دیے، خیمے اور قیمتی پردے لگا دیے اور آسمانی سائبانوں سے اُن پر سایہ کر دیا جب کہ اہلِ مکّہ کو اُن کے نُور نے مدہوش کر دیا۔ اُس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کے کمرے میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ اے خدیجہ! اِس بات کا بالکل غم نہ کرو کہ اہلِ مکّہ کی عورتوں

---

[۱] حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۴۸۷ء) تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۳۱۳
شیخ ابی جعفر الصدوقؒ (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام دمعہ ساکبہ ص ۵۳
نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۹۱

نے آپ سے قطع تعلّق کرلیا اور اس مشکل وقت میں آپ کی مدد کے لیے نہیں آئیں کیونکہ آج خوبصورت بہشتی عورتیں آپ کے پاس آئیں گی، اُن کی آنکھیں بلوریں ہوں گی، چہرے شاد ہوں گے، اُنھوں نے دِل نشیں عطر لگا یا ہوگا، اُن کے آگے آگے ایسا نُور چمکے گا اور ایسی معطر نسیم چلے گی جو تمام اہلِ مکّہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ پس اِسی دوران میں وہ خواتین نازل ہوئیں اور اُنھوں نے حضرت خدیجہ (علیہا السلام) پر دُرود و سلام بھیجا اور ولادت کے وقت اُن کی بہترین طریقے سے مدد کی۔ اُنھوں نے مولود کو اُس طشت میں غسل دیا جو وہ بہشت سے اپنے ہمراہ لائی تھیں، بہشتی تولیے سے خشک کیا اور خوشبو سے معطر کیا پھر کپڑے میں لپیٹ کر اُن کی مہربان ماں کی گود میں دے دیا۔ ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ اُنھوں نے آبِ کوثر سے مولود کو غسل دیا پھر دو سفید کپڑے نکالے جو دُودھ سے زیادہ سفید اور مُشک و عنبر سے زیادہ معطر تھے۔ ایک کپڑے میں سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کو لپیٹا اور دوسرے کو آپ کے سر پر اسکارف کی طرح باندھا پھر آپ علیہا السلام سے گفتگو کرنے کی خواہش کی تو آپ علیہا السلام نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی اور فرمایا: ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ اَبِیْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہِ وَ اَنَّ بَعْلِیْ سَیِّدُ الْاَوْصِیَاءِ وَ وَلَدَیَّ سَادَۃُ الْاَسْبَاطِ'' (میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میرے بابا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور میرے شوہر نامدار علی (علیہ السلام) اوصیا کے سردار اور میرے دونوں بیٹے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نواسے ہیں) پھر اپنا رُخِ انور اُن خواتین کی طرف کیا، اُن پر سلام بھیجا اور ہر ایک کو اُس کے نام سے بُلایا۔ اُن بہشتی خواتین نے مسکراتے ہوئے آپ (علیہا السلام) کی طرف دیکھا اور آپ (علیہا السلام) کو اُٹھا کر حضرت خدیجہ (علیہا السلام) کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہا، ''اے خدیجہ (علیہا السلام)! اِس مولود کو لیجیے کہ یہ پاک و پاکیزہ اور مبارک ہے اور اِس کی نسل آپ کے لیے مبارک اور بابرکت ہے۔'' حضرت خدیجہ علیہا السلام نے آپ کو گود میں لیا اور شیرِ مطہر سے سیراب کیا۔ سیّدۂ دو عالم (علیہا السلام) کی ولادت باسعادت کے وقت حورُالعین اور اہلِ آسمان نے ایک دوسرے کو خوشخبری سنائی اور مبارک باد دی، آسمان میں ایسا نُور چمکا کہ فرشتوں نے اس سے

پہلے نہ دیکھا تھا۔[۱]

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی وفات

(۳ قبل ہجرت/ ۶۱۹ء)

شعبِ ابی طالب سے نکلنے کے ۸ ماہ اور گیارہ دن کے بعد ماہِ شوال کے وسط میں حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔[۲] اُس وقت حضرت ابو طالب کی عمر ۸۶ سال تھی۔[۳] ''مدارجُ النبوّت'' کے مطابق نبوّت (بعثت) کے دسویں سال حضرت ابو طالب نے وفات پائی۔ ''المواھبُ اللدنیة'' میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے اُنچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن گذرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب نے وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ سنہ ۱۰ نبوی کے نصف ماہِ شوال میں اور کچھ کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے اور اُس وقت حضرت ابو طالب کی عمر ستاسی سال تھی۔[۴] بعض شیعہ منابع میں آپ کی تاریخ وفات ۲۶ رجب بھی ہے۔ آپ کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت رنج پہنچا اور اُسی درد والم کی وجہ سے اُس سال کو ''عامُ الحزن'' یعنی غم کا سال قرار دیا۔

مروی ہے کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام نے بنی عبد المطلب کو اپنی وفات کے وقت بلایا اور وصیّت کی کہ تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قائم رہنا، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات ماننا اور ان کی نصرت واعانت کرتے رہنا تا کہ تم رشد وفلاح پاؤ۔

''المواھبُ اللدنیة'' میں ہشام بن سائب سے منقول ہے کہ جب حضرت

---

[۱] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط، الثاقب فی المناقب، ترجمہ: القطرة من بحار مناقب النبی والعترة، ج ۴ ص ۲۴

[۲] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۹ بحوالہ حیواة الحیوان دمیری

[۳] ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۸

[۴] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۲ ص ۷۱

ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُنھوں نے قریش کے جوانوں اور اُن کے بڑوں کو اپنے پاس بلایا اور اُنھیں وصیّت کرتے ہوئے کہا، ''اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنی مخلوق میں بزرگی دی ہے، میں تمھیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے بھلائی کرنے کی وصیّت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق (سچّے) ہیں اور اُن میں ہر حُسن وخوبی موجود ہے، بلاشبہ وہ ایسی بات لائے ہیں جس کو ہر دِل تو مانتا ہے مگر (بعض) زبانیں ملامت کے خوف سے انکار کرتی ہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں عرب کے فقیروں، درویشوں، بادیہ نشینوں (جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے والے) اور کمزور وناتواں لوگوں کو کہ وہ سب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی دعوت کو قبول کرتے، اِن کے کلمے کی تصدیق کرتے اور اِن کو اپنا بزرگ وراہنما مانتے ہیں، قریش اور اُن کے بڑوں کے سر جھک گئے ہیں، اُن کے مکانات ویران ہو گئے ہیں، کمزور لوگ صاحبِ ثروت اور عظیم بن گئے ہیں اور نصیبہ ور اور بہرہ مند ہو گئے ہیں۔ بلاشبہ اِنھوں نے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے) عرب کو خالص بنا دیا ہے اور اپنی محبت لوگوں کے دلوں میں خوب رچا بسا دی ہے اور وہ سب اِن کی اطاعت وفرمانبرداری کر رہے ہیں۔ یہ تمام واقعات آئندہ رونما ہونے والے ہیں گویا میں انھیں ابھی سے دیکھ رہا ہوں۔ تو اے گروہِ قریش! تم اِن سے محبت کرنے والے اور اِن کی نصرت وحمایت کرنے والے بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو بھی اِن کی پیروی اور متابعت کرے گا یقیناً ہدایت یافتہ اور کامیاب ہو گا اور کوئی نیک بخت اِن کی سیرت وخصلت کا انکار نہیں کرے گا۔ اگر میں کچھ عرصہ اور زندہ رہا اور میری اَجل میں کچھ تاخیر ہے تو یقیناً میں اِن کی حفاظت وحمایت ہی کرتا رہوں گا اور ہر حادثہ وبُرائی کو اِن سے دُور رکھوں گا۔'' حضرت ابوطالب نے یہ وصیّت کی اور اِس جہان سے رخصت ہو گئے۔[1] اس وصیّت کا ایک ایک لفظ اُن لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے جنھیں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان میں کوئی شک ہے۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۲

ابنِ اسحٰق سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوطالب کا آخری وقت قریب آیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُن کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے لبوں کو جنبش دے رہے تھے، اُنھوں نے اپنے کان اُن کے قریب کیے (غور سے سُننے کی کوشش کی) پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا، ''اے بھتیجے! خدا کی قسم، بلاشُبہ میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا جسے پڑھنے کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) انھیں فرمارہے تھے۔'' ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''میں نے سُنا ہے۔''[۱]

حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وثنا میں بہت سے اشعار کہے ہیں، مثلاً:

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

(اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام اپنے نام سے مشتق کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عزت وبزرگی عطا کرے پس وہ صاحبِ عرش محمود ہے اور آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں)

''روضۃ الاحباب'' میں ہے کہ حضرت ابوطالب کے عہدِ کفالت میں مکّہ مکرمہ میں قحط پڑا تھا اور لوگ جمع ہوکر استسقا کے لیے اُن کے گھر گئے۔ وہ گھر سے باہر تشریف لائے تو اُن کے ساتھ ایک بچّہ آفتابِ تاباں کی مانند نکلا۔ حضرت ابوطالب نے اُس فرزندِ جلیل کو پکڑ کر خانہ کعبہ کے ساتھ اُس کی پشت ملادی۔ اُس فرزندِ جلیل نے آسمان کی جانب انگشتِ مبارک سے اشارہ کیا تو ہر طرف سے بادل اُمنڈ آئے اور اِتنا برسے کہ ندی نالے بھر گئے حال آنکہ اس سے پہلے آسمان پر بدلی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ اُس وقت حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح میں یہ شعر کہا:

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ○ ثِمَالُ الْیَتَامٰی وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ ○

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس قدر گورے چہرۂ مبارک والے ہیں کہ جس سے بارش طلب کی جاتی ہے،

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۷

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں وفقیروں کے محافظ ہیں۔)

بروایتے، یہ شعر اُس قصیدے میں سے ہے جسے اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وثنا میں اُس وقت لکھا جب قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف اکٹھے ہوئے تھے اور اسلام لانے والوں سے نفرت کرتے تھے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ قصیدہ ۸۰ اَسّی سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔ حضرت ابو طالب نے اِس قصیدے میں کفّارِ قریش کی عداوت پر ملامت ومذمت کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کی ترغیب دی ہے۔ ابن الیقین کہتے ہیں، ''اُن کا یہ قصیدہ اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت کو بعثت سے پہلے ہی بحیریٰ راہب وغیرہ کے خبر دینے کی بنا پر خوب جانتے تھے۔'' شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، ''حضرت ابو طالب نے اِس قصیدے کو بعثت کے بعد لکھا، میں نے علی بن حمزہ نصری کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں اُنھوں نے حضرت ابو طالب کے اشعار جمع کر کے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر ہی اِس جہان سے گئے۔'' نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے پھر اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر دی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اظہارِ مسرت فرمایا۔[۱]

حضرت ابو طالب علیہ السلام کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت و اعانت، حمایت و حفاظت، ایثار ومحبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توصیف و مدحت کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اور مقام ومرتبے کو کفّار کے سامنے برملا بیان کرنا اور بکثرت نعتیہ اشعار کہنا کثیر روایات میں موجود ہے۔ مزید برآں آپ کے خطبات و تقاریر اور دُعاؤں میں اللہ وحدہٗ لاشریک کے نام کا بکثرت استعمال بھی روایات میں تواتر کے ساتھ ملتا ہے۔ اِس کے باوجود کچھ نام نہاد ''علما'' کا یہ کہنا کہ حضرت ابو طالب ایمان نہیں لائے تھے اور حالتِ کفر میں اِس جہان سے گئے تھے یا وہ دِل سے

[۱] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۲ اور ۴۳

تصدیق کرتے تھے مگر زبان سے اقرار نہیں کیا، یا ''رعایت دیتے ہوئے'' بعض کا یہ کہنا کہ صرف وقتِ رحلت کلمہ پڑھا وغیرہ ہمارے نزدیک سراسر غلط اور بغض وعناد پر مبنی بیانات ہیں اور محض تعصب اور عداوت کا شاخسانہ ہیں۔ نہایت سادہ اور سیدھی سی بات ہے جس پر ہم مختلف زاویوں سے روشنی ڈالتے ہیں:

(۱) اگر حضرت ابو طالب علیہ السلام ایمان نہیں رکھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمایت میں کیوں پیش پیش رہے؟ محض ایک بھتیجے کی محبت میں تو ایسا کیا نہیں جا سکتا۔

(۲) حضرت ابو طالب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر کفّار کے ساتھ اتنی بڑی ٹکر لینا کہ ایک طرف تمام مشرکین ہیں اور دوسری طرف تنہا آپ، اور کفر واسلام کی اس لڑائی میں جس کا دورانیہ دعوتِ ذوالعشیرہ سے شروع ہو کر آپ کی وفات تک پھیلا ہُوا ہے، آپ کوہِ گراں کی طرح کھڑے رہے اور ڈٹے رہے، کہیں بھی آپ کے عزمِ صمیم میں ذرا سی لچک بھی پیدا نہیں ہوئی تو پھر کس بات کا خوف تھا کہ دِل سے تو ایمان لے آئے مگر زبانی اقرار نہیں کیا؟ میں تو یہ عرض کروں گا کہ ایسے نام نہاد علما ''زبانی اقرار'' کا رونا روتے ہیں جب کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام نے تو قدم قدم پر ''عملی اقرار''... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ''عملی اظہار'' کیا ہے اپنے ایمانِ کامل کا۔

(۳) اگر آپ کفر پر تھے تو اپنے کلمات وخطبات اور دُعاؤں میں جا بجا اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارکہ کیوں استعمال کیا، کسی بُت یا غیر اللہ کا نام اپنی زبان پر کیوں نہیں لائے؟

(۴) نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ طاہرہ علیہا السلام سے حضرت ابو طالب نے ہی پڑھایا [1] جس کے ابتدائی الفاظ ہیں، '' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ زَرْعِ اِبْرَاهِیْمَ وَ ذُرِّیَّةِ اِسْمَاعِیْلَ... الخ ''[2] یعنی تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں نسلِ ابراہیم (علیہ السلام)

---

[1] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۱۸

[2] علامہ نجم الحسن کراروی، چودہ ستارے، ص ۵۱۔ ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۱۶

اور ذریتِ اسماعیل (علیہ السلام) سے قرار دیا۔ نکاح کے اِس خطبے میں بھی حضرت ابو طالب علیہ السلام سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا کررہے ہیں پھر اللہ کے انبیا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی نسل اور ذریت میں سے ہونے پر فخر کررہے ہیں اور آخر میں اللہ کے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح پڑھارہے ہیں۔ کیا کسی کافر سے ان کلمات کی توقع کی جاسکتی ہے؟ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ میرا، آپ کا یا کسی بھی عام مسلمان کا نکاح کوئی کافر نہیں پڑھا سکتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح کوئی غیر مسلم یا مشرک کیسے پڑھا سکتا ہے؟

(۵) بعض کہتے ہیں کہ قریش نے آپ سے کہا کہ کیا آپ اپنے باپ دادا کے دِین سے منحرف ہو گئے ہیں؟ تو آپ نے کہا، "نہیں، میں عبد المطلب کے دِین پر قائم ہوں۔" دینِ عبد المطلب کیا تھا؟ کیا حضرت عبد المطلب (معاذ اللہ) دینِ حق پر نہیں تھے؟ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد اور جدّات یعنی دادیاں، نانیاں، آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین تک سب کے سب مسلمان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور کبھی کسی مشرک مردوزن کے صلب ورحم میں قرار نہیں پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد وجدّات کے دِین میں کسی قسم کا شُبہ نہیں۔ خاصہ وعامہ کے طریق سے متواتر احادیث اِس پر دلالت کرتی ہیں اور اِن احادیثِ متواترہ سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد تمام کے تمام انبیا، اوصیا اور حاملانِ دِینِ خُدا رہے ہیں۔[۱]

علمائے کرام کا بیان ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر شرک کی تہمت لگانے کا سبب محض بغضِ علی علیہ السلام تھا اور علی علیہ السلام سے بغض کی وجہ تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے، یعنی حضرت ابوطالب علیہ السلام کا قصور یہ تھا کہ وہ علی علیہ السلام کے والد تھے۔

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونے کی تہمت بھی اسی طرح تھی۔ اُن کا قصور یہ تھا کہ وہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی والدہ تھیں۔

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۲۶

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بعد قریش کی دست درازیاں

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے انتقال کے بعد قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی مضبوط حامی اور مددگار نہیں رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دستِ ظلم وتعدی دراز کر دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساحر ومجنوں کہہ کر پکارتے، گالیاں بکتے، مذاق اُڑاتے، جسمِ اطہر پر غلاظت پھینکتے، راہ میں کانٹے بچھاتے اور ہر طرح کی ذہنی وجسمانی کوفت پہنچاتے۔ اُن کی ایذارسانی اس قدر بڑھ گئی کہ بروایتِ تاریخ خمیس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔

ایک دفعہ ایک بدبخت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس پر کیچڑ پھینک دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی حالت میں گھر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی جناب سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک دھویا، سراقدس دھوتے ہوئے سیّدہ علیہا السلام زاروقطار رونے لگیں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''پیاری بیٹی! تم کیوں روتی ہو، تیرے باپ کی حفاظت اللہ خود فرمائے گا۔''

اُمّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات

(۳ قبل ہجرت/ ۶۱۹ء)

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے صرف تین دن بعد اُمّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام بھی انتقال فرما گئیں، آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔[۱] حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رفاقت پچیس سال تک رہی۔[۲] آپ مکّہ میں مدفون ہیں۔

تین دنوں میں شفیق چچا اور غمگسار شریکِ حیات کی یکے بعد دیگرے اموات نے

---

[۱] ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۵۸

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۷

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنجیدہ اور ملول کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پیاری ہستیوں کی وفات کے سال کو ''عام الحزن''، یعنی غم کا سال قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس واقعے کے بعد اپنے ''رحمت کدہ'' سے، جسے کتاب مدارجُ النبوّت کے مولف نے ''بیتُ الحزن'' لکھا ہے، بہت کم نکلتے تھے۔ [1]

شفیق وجاں نثار چچا اور پیکرِ مہر و وفا شریکِ حیات کی جدائی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گوشہ نشین ہو جانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گہرے حزن وملال کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ تو بعید از قیاس ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ماحول اور مقصد سے کوئی دلچسپی نہ رہی ہو لیکن گمانِ غالب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رحمت کدے پر رہ کر بچھڑنے والی اُن گراں قدر ہستیوں کا غم مناتے ہوں گے۔ یہ انتہائے غم ہی تو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سال کو غم کا سال قرار دیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ غم چندروزہ نہیں تھا بلکہ ایک عرصۂ طویل پر محیط تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ یہ غم پورا سال منایا جائے۔

حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکر (رضی اللہ عنہما) سے عقد
(سنہ ۱۰ بعثت، رمضان المبارک ۳ قبل ہجرت/فروری ۶۱۹ء)

اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات کے بعد ۱۰ بعثت، ۳ قبل ہجرت/ فروری ۶۱۹ء میں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جو کہ بیوہ تھیں اور اُن کی عمر اس وقت پچاس سال کے قریب تھی اور شوال ۳ قبل ہجرت/ مارچ ۶۱۹ء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا لیکن اُن کی رخصتی چار برس بعد شوال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء میں ہوئی۔ [2]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۳

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۲۳۲ بحوالہ مشکوٰۃ، اکمال فی اسماء الرجال

طائف

(سنہ ۱۰ بعثت، ۲۷ شوال ۳ قبل ہجرت/فروری، مارچ ۶۱۹ء)

جب مکّہ کے ظالموں کا ظلم حد سے تجاوز کر گیا تو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے وادی طائف کا قصد فرمایا۔ یہ وادی مکّہ سے ستّر میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اُس وقت قبیلہ بنی ثقیف وہاں آباد تھا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زمین بھی وہیں پر تھی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے خدمتگار حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو ہمراہ لے کر عازمِ سفر ہوئے۔ راستے میں بنی بکر اور بنی قحطان میں ٹھہرنا چاہا مگر کوئی صورت نہ بن آئی اور بالآخر طائف چلے گئے۔ خلافِ توقع وہاں پر سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا۔ دس یوم اور بروایتے ایک ماہ بمشکل گذرا تھا کہ غلاموں، اوباشوں اور درندہ صفت غنڈوں نے آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر پتھراؤ کیا اور شدید زخمی کر کے شہر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سر اقدس پر اتنے پتھر لگے کہ جسم اطہر ایڑیوں تک لہولہان ہو گیا چنانچہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم واپس مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکّہ سے پہلے ایک شب کی مسافت پر واقع بطن نخلہ پہنچ کر آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مکّہ روانہ کیا کہ کسی حامی کو تلاش کریں مگر کوئی ہمدرد و غمگسار نہ ملا۔ پھر مطعم بن عدی نے ہامی بھر لی اور آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مکّہ واپس تشریف لائے۔[۱]

مؤرّخین لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پیدل طائف پہنچے تھے۔ طائف میں بنوثقیف آباد تھے۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پہلے اُن سے ملے اور اُنھیں اسلام کی دعوت دی۔ اُن میں سے ایک بولا، ''میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا دوں اگر آپ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کو خدا نے رسول بنایا ہو۔'' دوسرے نے بدزبانی کی، ''کیا خدا کو آپ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کے سوا کہ جنھیں سواری بھی میسر نہیں، رسول بنانے کو اور کوئی نہ ملا تھا؟ اُس نے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا۔'' تیسرے نے بدکلامی کرتے ہوئے کہا، ''میں

---

[۱] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۰ بحوالہ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کبھی بات ہی نہیں کروں گا کیونکہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کے رسول ہیں جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں تب تو یہ بہت خطرناک بات ہے کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کلام کو رد کروں اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جھوٹ بولتے ہیں تو مجھے شایان نہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات کروں۔" نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو ایسا نہ ہو کہ یہ دوسروں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ شروع فرماتے تو اُن بدبختوں کے سکھلائے ہوئے غلام اور آوارہ لڑکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برساتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لہولہان ہو جاتے۔ خون بہہ بہہ کر پاپوشِ مبارک میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں نکالنا مشکل ہو جاتا۔ ایک دفعہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخ و پکار کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک احاطے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ وہ جگہ عتبہ و شیبہ فرزندانِ ربیعہ کی تھی۔ اُنھوں نے دُور سے دیکھا تو صلۂ رحمی کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنے غلام عداس کے ہاتھ انگور بھیجے۔ عداس نے وہ انگور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا اور "بسم اللہ" پڑھ کر تناول فرمانے لگے تو عداس نے حیرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہا، "یہ ایسا کلام ہے جو یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے دریافت فرمایا، "تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمھارا مذہب کیا ہے؟" عداس نے جواب دیا، "میں نینویٰ کا باشندہ ہوں اور عیسائی ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "کیا تم مردِ صالح یونس بن متی (علیہ السلام) کے شہر کے باسی ہو؟" عداس نے کہا، "کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جانتے ہیں کہ یونس بن متی (علیہ السلام) کون تھے اور کیسے تھے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "وہ میرے بھائی تھے، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔" عداس یہ سنتے ہی جھکا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس، دستِ مبارک اور پائے اطہر کا بوسہ لیا۔ عتبہ و شیبہ نے دُور سے اپنے غلام کو ایسا کرتے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو ہاتھ سے نکل گیا۔ پس جب عداس واپس آیا تو وہ کہنے لگے کہ کم بخت

تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اُس شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا؟ عداس نے کہا کہ جناب! آج اُس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں اور اُس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جو صرف نبی ہی جان سکتا ہے۔ اُنھوں نے عداس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار کہیں اپنا دِین نہ چھوڑ دینا کیونکہ تیرا دِین اُس کے دِین سے بہتر ہے۔ (۱)

طائف میں ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اتنے زخم آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نڈھال ہو کر زمین پر آرہے۔ حضرت زیدؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی پشت پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے۔ اُس سفر میں اتنی تکالیف اور ایذارسانیوں کے باوجود ایک شخص بھی ایمان نہ لایا مگر اتنے رنج و غم اور مصائب کے باوجود پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دِلِ اطہر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی عظمت اور محبت سے لبریز تھا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُعا فرمائی، ''الٰہی! میں اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں کہ تُو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ عاجزوں کا مالک تُو ہی ہے اور میرا مالک بھی تُو ہی ہے۔ الٰہی! مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کیا بیگانہ ترش رُو دشمن کے؟ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اِس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نُور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں منور ہو جاتی ہیں اور دِین و دُنیا کے کام سنور جاتے ہیں۔ تیرا غضب مجھ پر اُترے یا تیری رضا مجھ پر وارد ہو، مجھے تو بس تیری ہی رِضا اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے عطا ہوتی ہے۔'' (۲)

جناب رَحمۃً لِلّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صبرِ جمیل ملاحظہ ہو کہ ایسے اذیت ناک موقع پر بھی ظالموں کو بُرا بھلا نہیں کہہ رہے اور نہ ہی اُن کے لیے بددُعا کر رہے ہیں بلکہ اللہ کریم کی حمد و ثنا

---

(۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ا ص ۹۲
ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ا ص ۷۵

(۲) ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، زاد المعاد

کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اِس ظلم کی کوئی پروا نہیں، میرے لیے تیری عافیت کا وسیع دامن موجود ہے اور مجھے ہر حال میں تیری رضا اور خوشنودی ہی درکار ہے۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں اِن لوگوں کی تباہی و بربادی کے لیے کیوں بددُعا کروں؟ اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو (نہ سہی) اُمید ہے کہ اِن کی آئندہ نسلیں ضرور خدائے اَحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔[۱]

مدارج النبوّت میں ہے کہ مکّہ میں رہنا دشوار ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوتِ اسلام کی خاطر قبیلہ بنی بکر بن وائل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پہنچ کر دعوتِ اسلام دی مگر اُنھوں نے قبول نہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے قبیلہ قحطان تشریف لے گئے۔ اُنھوں نے چند دن مہمان نوازی کی پھر نگاہیں پھیر لیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف اور ثقیف کی جانب متوجہ ہوئے۔ حضرت زیدؓ بن حارث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ماہ ثقیف میں رہے، اُنھیں دعوتِ اسلام دی مگر اُنھوں نے بھی قبول نہ کی بلکہ غلاموں اور بچّوں کو ایذا رسانی کے لیے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب کرتے، شوروغوغا کرتے، گالیاں بکتے اور پتھر مارتے۔ ظالموں کے پتھراؤ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے زخمی ہو جاتے کہ جسمِ مطہر سے بہتا ہُوا خون پاؤں تک جا پہنچتا اور پائے اقدس لہو سے تربتر ہو جاتے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہ بدبخت پتھر برساتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر آرہتے اور دستِ مبارک سے اپنے پائے نازک سہلاتے، پھر کھڑے ہوتے اور جب چلتے تو وہ بدکردار پھر پتھر مارتے اور قہقہے لگاتے۔ حضرت زیدؓ خود کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بنائے رکھتے تھے، ایک سنگ باری میں اُن کا بھی سر پھٹ گیا۔[۲]

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۹۴
بحوالہ صحیح بخاری، حدیث ۷۳۸۹، ۳۲۲۱، صحیح مسلم، حدیث ۴۶۵۳

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۴

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر روزِ اُحد (جنگِ اُحد کے دن) سے زیادہ سخت وشدید دن کوئی اور بھی آیا؟

فرمایا کہ بلاشبہ تمھاری قوم کی جانب سے مجھ پر سخت ترین مصائب وآلام کے پہاڑ توڑے گئے مگر روزِ عقبہ (سفر طائف کے دوران میں) جب میں عبد یالیل بن کلال کے سامنے آیا اور منصبِ جلیل ظاہر کر کے اُسے دعوتِ اسلام دی تو اُس نے قبول نہ کی اور میں مغموم ومحزون وہاں سے چل دیا درآنحالیکہ ''قرن الثعالب'' پہنچا تو میں نڈھال تھا۔ (مدارج النبوّت میں لکھا ہے کہ...... ''مجھے ہوش نہ تھا۔'' ''ہوش میں نہ تھا'' جیسے الفاظ کا استعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے لیے مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ''ہوش میں نہ ہونا'' ایک محاورہ ہے جس کے کئی مطالب نکلتے ہیں۔ میں نے اس محاورہ کو نڈھال ہوجانے کے معنی میں لیتے ہوئے اسی لفظ کو استعمال کیا ہے۔ مؤلف) اس کے بعد میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے، میں نے غور سے دیکھا تو اُس میں جبرائیل (علیہ السلام) کو پایا۔ اُنھوں نے مجھے مخاطب کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قوم کی بدزبانی اور بدسلوکی ملاحظہ کی ہے۔ اُس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا ہے اور اُسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تابع فرمان کر دیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو چاہیں اُسے حکم فرمائیں۔ اِس کے بعد ملک الجبال نے مجھے سلام عرض کیا اور کہا کہ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور دُنیا جہان کے پہاڑ میرے قبضہ واختیار میں ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قوم کی بدزبانی اور بدسلوکی کی وجہ سے مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو چاہیں مجھے حکم فرمائیں۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حکم فرمائیں تو میں پہاڑوں کو ان (گستاخ) لوگوں پر گرا کر انھیں کچل دوں اور ہلاک کر دوں؟ میں نے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ انھیں ہلاک کیا جائے بلکہ میں

اُمید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ اِن کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اُس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنائیں گے۔

شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ بحوالہ مواہب، طائف میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقامت دس روز رہی اور بحوالہ روضۃ الاحباب، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں ایک ماہ تک رہے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جِنّات کی حاضری

طائف سے مکّہ جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وادی نخلہ میں قیام فرمایا۔ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تلاوتِ قرآن فرما رہے تھے کہ نصیبین سے یمن جانے والے چند جِنّات، جن کی تعداد بروایتے سات یا نو تھی، کلامِ خدا سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنھیں دعوتِ اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے اپنی قوم کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر کہا کہ ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے، ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں بنائیں گے۔[۲]

یہ واقعہ قرآن پاک میں یوں آیا ہے:[۳]

اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ﴿۲﴾

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۴

بحوالہ مسلم، صحیح بخاری حدیث ۳۲۳۱، جمال الدین، روضۃ الاحباب، مواہب اللدنیۃ

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۵۔ جمال الدین، روضۃ الاحباب

[۳] سورۃ الجن، آیت ۱ تا ۲

(جنات کے ایک گروہ نے (قرآن کو) توجہ کے ساتھ سنا پھر (جا کر اپنی قوم سے) کہا کہ ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اب ہم کسی کو بھی اپنے پروردگار کا شریک نہیں بنائیں گے۔)

اس واقعے کا ذِکر سورۃ الاحقاف میں بھی ہے۔ ارشادِ ربّی ہوتا ہے:[1]

''وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾''

(اور (اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے جِنّات کے کچھ افراد کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف متوجہ کیا تا کہ وہ غور سے قرآن سنیں۔ پس وہ اُس جگہ پہنچے (جہاں قرآن پڑھا جا رہا تھا) تو (آپس میں کہنے لگے) خاموش ہو کر سنو لہٰذا جب (قرآن) پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔ اُنھوں نے کہا اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور جو) حق اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔)

''المواھبُ اللدنیۃ'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ کچھ جِنّات نے قرآن سنا لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ظاہر نہ ہوئے اور محض تلاوتِ قرآن سُن کر ہی اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔ پھر وہ جوق در جوق آتے رہے، قرآنِ کریم سنتے اور ایمان لاتے رہے مگر ظاہر ہو کر سامنے نہیں آئے۔[2]

منقول ہے کہ حرم کے نزدیکی درختوں میں سے ایک درخت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

---

[1] سورۃ الاحقاف، آیت نمبر ۲۹ تا ۳۰

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۲ بحوالہ المواھبُ اللدنیۃ

کلام کیا اور خبر دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جنّات کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئی ہے جو مقامِ حجون پر ٹھہری ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لیا اور اُن سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ حجون پر پہنچے تو ایک کھائی میں اُترے، اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تاکہ کوئی آفت تم تک نہ پہنچ سکے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے اور سورۃ طٰہٰ کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار اور دوسری کے مطابق چھ ہزار جنّات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں دعوتِ اسلام دی اور وہ سب مسلمان ہوگئے۔ مروی ہے کہ جنّات کی قوم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوّت پر گواہی مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کو اپنے پاس بلایا۔ وہ سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ روایت ہے کہ جنّات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے اور اپنے جانوروں کے لیے توشہ (زادِراہ / وہ کھانا جو مسافر ساتھ لے جائے) مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنّات کے لیے استخوان (ہڈی) اور اُن کے چوپایوں کے لیے سرگین (گوبر) کو مقرر کیا اور فرمایا کہ جب تم ہڈیوں پر خدا کا نام لوگے تو حق تعالیٰ اُن پر اتنا گوشت پیدا فرمادے گا کہ تم سیر ہوجاؤ گے اور جب تم اپنے چوپایوں کے لیے سرگین لوگے تو حق تعالیٰ اُس میں دانہ اور غلہ پیدا فرمادے گا۔ بقولے، اِسی بنا پر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔[١]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

[١] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۶ تا ۷۷

قبیلہ خزرج کی ایک جماعت کا قبولِ اسلام

(سنہ ۱۱ بعثت)

مدینہ میں اوس اور خزرج دو قبیلے رہتے تھے جو ایک ہی باپ کی اولاد تھے۔ اُن کے مسکن کو یثرب کہا جاتا تھا۔ سنہ ۱۱ بِعثت ماہِ رجب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عقبہ کے قریب منیٰ میں تشریف فرما تھے کہ اہلِ یثرب کے قبیلہ خزرج کی ایک جماعت جو چھ افراد پر مشتمل تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے سامنے تلاوتِ قرآن کی اور اسلام کے محاسن بیان فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے منصبِ رسالت عطا فرمایا ہے اور اگر تم میری اطاعت کرو گے تو دُنیا و آخرت میں نیک بخت و سعادت مند قرار پاؤ گے۔

خزرجیوں نے مدینہ منوّرہ کے یہودیوں سے پہلے ہی سُن رکھا تھا کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ظہور و بِعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات سنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمال و کردار اور سیرت و اوصاف کا مشاہدہ کیا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کے ظہور کی باتیں یہودی کیا کرتے ہیں۔ اِس وقت کو غنیمت سمجھو اور اِن پر ایمان لے آؤ تا کہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے۔ پس وہ لوگ ایمان لے آئے اور واپس یثرب جا کر دِینِ اسلام کی تبلیغ کی جس کے نتیجے میں وہاں کے کئی گھروں میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔[۱]

---

[۱] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۷

علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۰

بیعتِ عقبہ اولیٰ

(سنہ ۱۲ بعثت، ذوالحجہ ۱ قبل ہجرت/ ۶۲۱ء)

بیعتِ عقبہ اولیٰ سے ایک سال پہلے یعنی سنہ ۱۱ بعثت میں قبیلہ خزرج کے چھ آدمی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور مشرف بہ اسلام ہو کر کے واپس مدینہ طیبہ چلے گئے تھے۔ اُن میں سے پانچ آدمی دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اُن کے ہمراہ مدینہ طیبّہ کے سات اور لوگ بھی تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا عہد کیا۔ اِس عہد کو بیعتِ عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت مکانِ عقبہ میں ہوئی جو مکّہ سے تھوڑے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے اسی لیے اسے ''بیعتِ عقبہ'' کہا جاتا ہے۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ میں شامل بارہ افراد کے نام:

ابوامامہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، معاذ بن حرث، ذکوان بن عبد قیس، خالد، عباد بن صامت، عباس بن عبادہ، ابوالہیثم اور عویم بن ساعدہ۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ کے نِکات:[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل سات نکات پر بیعت لی:

۱) خدا کا کوئی شریک نہ بناؤ۔

۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔

۳) اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

۴) زنا نہ کرو۔

۵) کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ۔

---

[۱] ابو الفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابو الفداء، ج۱ ص ۵۲

۶) غیبت اور چغلی نہ کرو۔

۷) چوری نہ کرو۔

جب لوگ بیعت کر کے جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہ کو اُن کے ساتھ بھیجا اور قرآن کی تعلیم دینے اور اسلام کے اطوار سکھانے پر مامور فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ایک امیر گھرانے کے لاڈلے بیٹے تھے، جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو آگے پیچھے غلام ہُوا کرتے اور بدن پر قیمتی پوشاک ہوتی تھی مگر اسلام قبول کرنے کے بعد یہ عالم تھا کہ جب آپ مدینہ میں دینِ حق کی منادی کرتے تو کاندھے پر کیکر کے کانٹوں سے اٹکایا ہُوا کمبل کا ایک ٹکڑا ہوتا۔[1]

اس بیعت کے نِکات توجہ طلب ہیں۔ دینِ اسلام اُس وقت ابتدائی دَور سے گذر رہا تھا اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہدِ جاہلیت کے اندھیروں میں لپٹی ہوئی ایک گمراہ قوم کی اصلاح کر کے اُسے ایمان کے راستوں پر گامزن کرنا تھا۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سات نکاتی ایجنڈا اپنی جگہ ایک مکمل آئین اور ضابطۂ حیات تھا۔ شرک و بت پرستی کرنے والی قوم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادراکِ توحید دیا اور اپنی اطاعت کا پابند کر کے دینِ مبین کے مضبوط قلعے میں محفوظ کر لیا۔ اُس زمانے میں نومولود بیٹیوں کا قتل، بدکاری، تہمت زنی، غیبت اور چوری جیسے گناہ عام تھے اور یہ گناہ ایسے تھے جن کے بطن سے دیگر تمام برائیاں جنم لیتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شجرِ گناہ کی اِن جڑوں کو کاٹنے کا حکم دے کر ذلت و گمراہی کے تمام راستے بند کر دیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۱۰۱

بیعتِ عقبہ ثانیہ

(سنہ ۱۳ بعثت، ۳ ماہ قبل ہجرت/ جون ۶۲۲ء)

اِس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد ہونے والی دوسری بیعت تھی۔ اس کو بیعتِ عقبہ کبریٰ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں بیعت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی اور یہ بیعت بھی چونکہ مکانِ عقبہ پر ہوئی اس لیے اس کو بھی بیعتِ عقبہ کہا جاتا ہے۔ بعض مؤرّخین نے اِس کو بیعتِ عقبہ ثالثہ بھی لکھا ہے۔ اس حساب سے ہم بیعتِ عقبہ اولیٰ کو جو سنہ ۱۲ بعثت میں ہوئی بیعتِ عقبہ ثانیہ کہیں گے اور قبیلہ بنوخزرج کے چھ افراد کے سنہ ۱۱ بعثت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت پر منیٰ میں عقبہ کے قریب قبولِ اسلام کو بیعتِ عقبہ اولیٰ کہیں گے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ (جنھیں بیعتِ عقبہ اولیٰ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیعت کرنے والوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا تھا) کا قیام مدینہ طیّبہ میں حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے گھر تھا۔ مصعب وہاں ''المقری''، یعنی ''پڑھانے والا'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔ حضرت مصعب اور حضرت اسعد رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے مدینہ کے دو قبائل، بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر مسلمان ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جس روز اسید ایمان لائے اُن کی دعوت پر اُن کے قبیلے (بنی عبدالاشہل) کے تمام مرد غروبِ آفتاب تک مسلمان ہو گئے۔ مصعبؓ کی تعلیم کے نتیجے میں اگلے سال یعنی ۱۳ بعثت کو ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں یثرب کے ایک قافلے میں شامل ہو کر مکّہ آئے۔ اُن کو یثرب کے مسلمانوں نے اس لیے بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دیں۔ طبری میں ہے کہ وہ لوگ رات کے وقت پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ تشریف لے آئے۔ حضرت عباسؓ نے اُن لوگوں سے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ قریشِ مکّہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے جانی دشمن ہیں اس

لیے تم اِن سے کوئی قول واقرار کرنے سے پہلے خوب سوچ بچار کرلو، یہ ایک نازک اور مشکل کام ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے لہٰذا جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو ورنہ بہتر ہے کہ کچھ نہ کرو۔ اُن لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کوئی جواب دینے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں براہِ راست عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کچھ ارشاد فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو اللہ کا پیغام سنایا جسے سُن کر اُن کے دِل منور ہو گئے اور وہ کہنے لگے کہ یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہمارے شہر میں تشریف لائیں اور وہیں رہیں تا کہ ہم زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوسکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میرا ساتھ دو گے؟ اور جب میں تمھارے شہر جا کر رہوں تو کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال ہی کی طرح کرو گے؟ اُنھوں نے پوچھا کہ ہمیں اِس کا کیا صلہ ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جنّت۔'' اُنھوں نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! ہماری تسلّی کے لیے فرما دیجیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہمیں چھوڑ تو نہیں دیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرا جینا مرنا تمھارے ساتھ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اطہر سے اِس جملے کا ادا ہونا تھا کہ عاشقانِ صداقت عجب سُرور ونشاط کے عالم میں بیعت کرنے لگے۔ براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کی۔

ایک شیطان نے پہاڑ کی چوٹی سے یہ منظر دیکھا تو چیخ کر اہلِ مکّہ کو کہنے لگا، ''لوگو! آؤ، دیکھو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور اُن کے ساتھی تم سے لڑنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم اِس آواز کی فکر نہ کرو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اجازت دیں تو ہم کل ہی مکّہ والوں کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔[۱]

---

[۱] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃ لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۱ ص ۱۰۲

ہجرتِ مدینہ

(۱۴ بعثت/ ۶۲۲ء)

حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

قریش کی سازشیں اور ظلم وستم ناقابلِ برداشت ہونے لگا تو سنہ ۱۴ بعثت بمطابق ۶۲۲ عیسوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مسلمان خفیہ طور پر مدینہ طیّبہ چلے گئے۔

بروایتے سب مسلمان ہجرت کر گئے یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ مدینہ طیّبہ میں اسلام پھیل رہا تھا، قریش کو خبر ہوئی تو وہ ایک کاری ضرب لگانے کی منصوبہ بندی کرنے کے لیے قصی بن کلاب کے گھر ''دارالندوہ'' میں جمع ہوئے۔ کسی نے کہا کہ ابھی کچھ دن انتظار کرلو، ایک کافر بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قید کردو، دوسرے نے کہا کہ یہیں قتل کر دو تا کہ اُن کے ساتھ اُن کا دِین بھی ختم ہو جائے۔ تیسرے نے رائے دی کہ جلاوطن کردو۔ [1] پس سورۃ انفال میں ارشادِ الٰہی ہوتا ہے: [2]

''وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰''

(اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اُس وقت کو یاد کیجیے جب کفّار آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ بنا رہے تھے کہ یا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قید کر دیں یا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیں یا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی اُن کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ مکاروں کو بہترین سزا دینے والا ہے۔)

ابوجہل نے مشورہ دیا کہ پانچوں قبیلوں کے لوگ مل کر بیک وقت حملہ کریں تا کہ کسی ایک

---

[1] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۸

[2] سورۃ الفعال، آیت نمبر ۳۰

پر قتل کا الزام نہ آئے اور بنی ہاشم ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں۔ نجدی نے تمام آراء کو کمزور قرار دے کر ابوجہل کے مشورے کو پسند کیا، باقی لوگ بھی اُس بد بخت کی رائے پر متفق ہو گئے چنانچہ سب نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔[1]

وہ جمعرات، یکم ربیع الاوّل سنہ ۱۴ بعثت کا دِن تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی سے مکّہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہُوا۔[2] حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ حکم اِس آیتِ کریمہ میں ہے:[3]

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴿۸۰﴾ (اور کہیے، پروردگار! تُو مجھے (ہر مرحلہ میں) سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ نکال اور اپنے ہاں سے مجھے ایک قوت عطا فرما جو مددگار ثابت ہو۔)

مدارج النبوّت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر یہ حکمِ الٰہی سنایا:[4] ''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُكَ بِالْھِجْرَۃِ'' یعنی اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہجرت کا حکم فرماتا ہے، جبرائیل علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ آج رات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں نہ سوئیں جہاں سویا کرتے ہیں، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا ''خدا نے وحی کی ہے کہ میں رات کو ہجرت کر کے غارِ ثور کی طرف جاؤں اور آپ کو اپنی جگہ پر سلا جاؤں تا کہ دشمنوں کو آپ پر میرا گمان ہو۔'' حضرت علی علیہ السلام نے پوچھا ''حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا میرے سونے سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانِ گرامی بچ جائے گی؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں۔''

یہ سُن کر حضرت علی علیہ السلام مسکرائے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ (بروایتے اسلام میں سب

---

[1] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۸

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۳

[3] سورۃ الاسراء، آیت نمبر ۸۰

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۳

سے پہلا سجدۂ شکر یہی تھا جو حضرت علی علیہ السلام نے ادا کیا) پھر سجدے سے سر اُٹھا کر عرض کیا، ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میری آنکھیں، میرے کان اور میرا دِل آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر فدا ہوں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اطمینان سے تشریف لے جائیں۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے علی! تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور آگاہ رہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کا امتحان دِین میں اُن کے ایمان و منازل کی مناسبت سے لیتا ہے۔ خدا نے تیرا اور میرا امتحان اس طرح لیا ہے جس طرح ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کا لیا تھا، پس صبر کرو کہ صبر سے خدا کی رَحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہو جاتی ہے۔'' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگایا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل دیے۔[1]

مروی ہے کہ اُس وقت قریش کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رَحمت کدے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور اپنی مذموم کاروائی کے لیے رات گہری ہونے کے انتظار میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے ہوئے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرما رہے تھے:[2]

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۝۹

(اور ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار اُن کے پیچھے کھڑی کر دی ہے (اس طرح) ہم نے اُنھیں ڈھانپ دیا ہے پس وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مُشتِ خاک کفّار کے سروں پر پھینکی اور گذرتے چلے گئے۔[3]

قدرت نے اُس خاک کے ذریعے کافروں کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے سامنے سے گذرے لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہ سکے۔

---

[1] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۸

[2] سورۃ یٰسین، آیت ۹

[3] مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۸

مؤرّخین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علی علیہ السلام کو پیچھے چھوڑ کر جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کفّارِ قریش کی کچھ امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں جنھیں لوٹانا تھا۔ واضح ہو کہ باوجود تمام تر کینہ وعداوت کے بنو قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''صادق'' اور ''امین'' یعنی سچا اور امانتدار کہا کرتے تھے اور اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھا کرتے تھے۔ [1]

''مدارج النبوّت'' میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق ومحبت میں اپنی جان کو فدا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہونے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ [2] اہلِ سِیَر کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ اِسی ضمن میں یعنی علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ [3]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

(اور انسانوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال دیتے ہیں اور اللہ (ایسے جاں نثار) بندوں پر بہت شفیق ومہربان ہے)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں، ''یہ سخت خطرے کا موقع تھا، جناب علی علیہ السلام کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بسترِ خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرشِ گل تھا۔'' [4]

پس، دشمن خانۂ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ توڑ کر گھر میں داخل ہوئے تو بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علی علیہ السلام کو سوتا ہُوا پایا۔ پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہاں ہیں؟ علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ جہاں ہیں خدا کی اَمان میں ہیں۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۳

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۳

[3] سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۰۷

[4] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۱۶۲

''طبری'' میں ہے کہ علی علیہ السلام تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور سب بھاگ گئے۔ ''احیاء العلوم غزالی'' کے مطابق علی علیہ السلام کی حفاظت کے لیے خدا نے جبرائیل اور میکائیل (علیہم السلام) کو بھیج دیا تھا اور یہ دونوں مقرب فرشتے ساری رات علی علیہ السلام کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے جیسی نیند شبِ ہجرت آئی ایسی ساری عمر نہ آئی۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ ثور میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سب سے پہلے اُن کے گھر پہنچے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر کے لیے سواری درکار تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر ابنِ ابی قحافہ سے قیمتاً ایک اُونٹ خریدا۔[۲] ''مدارج النبوّت'' میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس دو اُونٹ تھے جو اُنھوں نے چار سو درہم میں خریدے تھے، اُن میں سے ایک نو سو درہم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید لیا۔[۳] اُس کا نام ''قصویٰ'' تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر صبح سے کچھ دیر پہلے بتاریخ ۲ ربیع الاوّل بروز جمعہ غارِ ثور میں پہنچے۔ یہ غار مکّہ سے مدینہ کی طرف اڑھائی تین میل جنوب میں واقع ہے۔ جبلِ ثور کی چوٹی تقریباً ایک میل بُلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار میں داخل ہوئے تو اللہ کے حکم سے اُس کے دہانے پر مکڑی نے جالا بنایا، کبوتر نے انڈا دیا اور ببول کا ایک درخت اُگ آیا۔ اس طرح غار میں داخلے کے نشان ناپید ہو گئے۔[۴]

دشمن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعاقب میں وہاں پہنچے تو متذبذب ہو گئے، دماغ کہتا کہ

---

[۱] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۲ بحوالہ طبری۔ احیاء العلوم غزالی

[۲] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱ حصّہ ۳ ص ۶۹، حدیث ۲۱۳۸

[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۶

[۴] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۳

وہ یہیں غار کے اندر موجود ہیں لیکن آثار ایسے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اِس غار میں داخل ہوتے تو کبوتر کا انڈا ٹوٹ جاتا، مکڑی کا جالا بھی درہم برہم ہوجاتا اور یہ درخت تو اِس جگہ مدّت سے اُگا ہُوا ہے پھر بھلا کوئی کیسے اندر جاسکتا ہے؟

''عجائبُ القصص'' میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انڈہ دینے والے کبوتر کے اُس جوڑے کو خانہ کعبہ پر آکر بسنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔[1] ''المواھبُ اللّدنیة'' میں منقول ہے کہ حرمِ مکّہ کے کبوتر اُسی جوڑے کی نسل سے ہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُعا و برکت سے قیامت تک شکار و ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔[2] واضح رہے کہ حرم مکّہ میں شکار کرنا شرعاً بھی ممنوع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بروز اتوار، ۴ ربیع الاوّل تک غارِ ثور میں رہے۔ اِس دوران میں حضرت علی علیہ السلام اشیائے خورد و نوش پہنچاتے رہے۔ چوتھے روز یعنی ۵ ربیع الاوّل بروز سوموار عبداللہ ابن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی آپہنچے۔ کفّار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گرفتاری یا قتل پر سو ۱۰۰ اُونٹوں کا انعام مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ سراقہ بن مالک انعام کے لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تلاش کرتا ہُوا غار تک جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس وقت روانگی کے لیے غار سے باہر تشریف لا چکے تھے۔ سراقہ قریب پہنچا تو اُس کا گھوڑا زانوؤں تک زمین میں دھنس گیا، وہ سخت گھبرایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معافی کا خواستگار ہُوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے معاف فرمادیا۔ پس زمین نے اُس کے گھوڑے کو آزاد کردیا اور وہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ واپس پہنچا تو کافروں سے کہا کہ میں نے بہت تلاش کیا مگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا کوئی سراغ نہیں ملا۔[3]

اُسی روز یعنی ۵ ربیع الاوّل بروز سوموار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے تینوں ساتھیوں کے ہمراہ معمول کا راستہ چھوڑ کر بحیرۂ قلزم کے ساتھ ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

---

[1] نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۳ بحوالہ عجائب القصص، ص ۲۵۷

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۸ بحوالہ المواھبُ اللدنیة

[3] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۵۱۱

خیمۂ اُمّ معبد عاتکہ میں روشنی

غارِ ثور سے مدینہ منوّرہ جاتے ہوئے راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک بوڑھی عورت اُمّ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمے کو رونق بخشی۔ وہ خاتون وہاں سے گذرنے والے مسافروں کی تواضع کیا کرتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس سے کھجوریں، دُودھ اور گوشت طلب فرمایا۔ اُس نے کہا کہ قحط سالی اور تنگدستی کی وجہ سے میرے پاس کچھ بھی نہیں اور اگر کچھ ہوتا تو ضرور حاضر کرتی۔ اُس وقت اُس کے خیمے میں ایک نہایت نحیف و ناتواں بکری موجود تھی جو کمزوری و ناتوانی کے سبب ریوڑ کے ساتھ چراگاہ جانے سے رہ گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا، ''کیا یہ دُودھ دیتی ہے؟'' وہ کہنے لگی، ''یہ اتنی لاغر ہے کہ اِس میں دُودھ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اگر تم اجازت دو تو میں اِس کا دُودھ دوھ لوں؟'' اُمّ معبد نے کہا، ''میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر قربان ہوں اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اِس میں دُودھ نظر آتا ہے تو ضرور دوھ لیں۔'' پس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بکری کے ایک پاؤں کو دوسرے سے ملایا، اپنے دستِ مبارک کو اُس کے تھنوں پر پھیرا اور بِسْمِ اللہ کہہ کر فرمایا، ''اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھَا فِيْ شَاتِھَا'' یعنی اے اللہ اس بکری میں برکت دے، تو اُس کے تھن دُودھ سے اتنے بھر گئے کہ اُس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمّ معبد سے برتن طلب فرمایا اور دُودھ دوہنا شروع کیا، وہ برتن دُودھ سے بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب کو دُودھ پلایا اور اُن کے خوب سیر ہو جانے کے بعد آخر میں خود بھی نوش فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ دُودھ دوہنا شروع کیا تو خیمے میں موجود تمام برتن بھر گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بکری کو چھوڑ دیا۔ اربابِ سیر کہتے ہیں کہ وہ بکری اٹھارہ سال تک زندہ رہی اور صبح و شام اسی طرح دُودھ دیتی رہی۔ اُمّ معبد کا شوہر جس کا نام اکثم بن حوان تھا، چراگاہ سے لوٹا تو دُودھ سے بھرے ہوئے برتن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بیوی سے پوچھا کہ اتنا دُودھ کہاں سے آیا؟

اُمّ معبد نے کہا کہ ہمارے پاس ایک نہایت خوش اخلاق وخوش رواور برکت والا شخص آیا تھا جس کی بدولت یہ دُودھ آیا ہے۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے کہا، ''پاکیزہ رُو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خُو، نہ توند نکلی ہوئی اور نہ ہی سر کے بال جھڑے ہوئے۔ صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال سیاہ، لمبے، گھنے اور گھنگریالے۔ آواز میں بھاری پن، بُلند گردن، روشن مَردُمک (آنکھ کی پتلی)، سرگیں چشم، باریک و پیوستہ اَبرو۔ خاموش اور باوقار گویا دِل بستگی لیے ہوئے۔ دُور سے دیکھنے میں دیدہ زیب و دلفریب، قریب سے نہایت شیریں وکمال حسین۔ شیریں کلام، کلام کی وبیشی سے مُعرّا، نہ کم سخن نہ فضول گو، واضح الفاظ، تمام گفتگو جیسے موتیوں کی لڑی پروئی ہوئی ہو۔ میانہ قد، کوتاہ نہ طویل کہ آنکھ کو بُرا لگے یعنی دیدہ زیب پودے کی تروتازہ شاخ کی طرح خوبصورت نظر آنے والا۔ ساتھی اور رفیق ایسے کہ ہر وقت اُس کے حضور پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو چُپ چاپ سنتے ہیں، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ ایسا مخدوم جس کی اطاعت کی جائے۔''

رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ مبارک بیان کرنے کے بعد اُس نے تمام واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ وہ عورتِ عاقلہ فصیح ولیح زبان وبیاں رکھتی تھی، اُس کے کلام نے شوہر کو متاثر کیا اور وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم! یہ وہی ہیں جن کی تلاش میں قریش سرگرداں ہیں اور جن کا شہرہ سارے جہان میں پھیلا ہُوا ہے۔ کاش میں اُس وقت موجود ہوتا جب وہ یہاں تشریف لائے تھے تو اُن کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا۔ میں تمنا کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ مل جاؤں اور اُن کی جماعت میں شامل ہو کر ہمیشہ اُن کی خدمت کرتا رہوں۔ [۱] منقول ہے کہ اس کے بعد دونوں میاں بیوی نے ہجرت کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۵۱۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۹۰۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱ ص ۱۱۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ مبارک

اُمّ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی ایک ضعیف لیکن عاقلہ اور فصیح و بلیغ زبان و بیاں رکھنے والی خاتون تھیں۔ ایک مختصر ملاقات میں اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حُلیہ مبارک اور شخصیت کو ملاحظہ کر کے جو تفصیل اپنے شوہر سے بیان کی وہ تقریباً وہی ہے جو اہل بیت اطہار علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف روایات میں ملتی ہے۔ ہم یہاں پر چند روایات پیش کر رہے ہیں مگر واضح رہے کہ ان روایات میں استعمال کی گئی تشبیہات راویان نے محض سمجھانے کے لیے بیان کی ہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ نہ کسی کی مثل ہے اور نہ ہی کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طویل قامت تھے نہ پستہ قد بلکہ متوسط قامت تھے (یہ بات پیشِ نظر رہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عربوں کا اوسط قد بھی ایک طویل قامت پاکستانی کے برابر تھا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فربہ تھے نہ دُبلے پتلے۔ بال گھونگریالے تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرے بل کھائے ہوئے تھے۔ چہرۂ مبارک گول سا اور رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ آنکھیں سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔ جوڑ مضبوط تھے۔ بدن پر بال نہیں تھے، صرف بالوں کی ایک لکیر تھی جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ ہاتھ پاؤں پُر گوشت تھے۔ جب چلنے کے لیے قدم اُٹھاتے تو یوں لگتا جیسے بُلندی سے نیچے اُتر رہے ہوں۔ کسی کی طرف دیکھتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے (صرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنے یا گردن گھما کر دیکھنے میں عموماً غرور کا عنصر پایا جاتا ہے جب کہ پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہونے کا مطلب ہے کہ دیکھنے والا پوری طرح متوجہ ہے۔ مؤلف) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت تھی۔[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے ہی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور میں

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۳۸ بحوالہ ترمذی ومشکوٰۃ، باب اسماء النبی وصفاتہٖ

(چودھویں کے چاند کی طرح) تدویر (گولائی) تھی۔ جلدِ اقدس اور بشرۂ مبارک انتہائی ملائم اور رقیق و نفیس تھا۔ رنگ سفید تھا جس پر سرخی جھلکتی تھی جیسے چاندی پر سونے کا پانی چڑھا ہو یعنی بظاہر سرخی مائل تھا مگر بغور دیکھنے سے جسم پُرنور سے انوار پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ ریشِ مبارک عظیم اور مقدار میں بڑی معلوم ہوتی تھی۔ گردن صفائی اور سفیدی کے لحاظ سے چاندی کے کوزے کی مانند تھی۔ کاندھوں اور گردن کی درمیانی جگہ یعنی شانے فربہ تھے۔ باکرامت اُنگلیاں ہتھیلیوں کی جانب سے موٹی اور طویل یعنی مخروطی تھیں۔ مقدس ہتھیلیاں پُرگوشت تھیں۔ کفِ دست اور پاؤں ضخیم تھے۔ اعضا مبارکہ اور ہڈیوں کے منتہا ضخیم و عظیم تھے (جو کہ خداداد قوت و طاقت کے مظہر سمجھے جاتے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی بُلند قامت تھے نہ کوتاہ قد بلکہ درمیانہ قدِ رعنا تھا۔ بدنِ مبارک بالوں سے خالی تھا، صرف سینۂ اقدس اور ناف کے درمیان بال تھے۔ پسینے کے قطرے چمک دمک میں موتیوں کی مانند تھے اور خوشبو و مہک کے لحاظ سے کستوری کی طرح۔ [1]

حضرت امام حسن علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرِ اقدس عظیم تھا۔ گیسو درمیانے گھنگریالے تھے، کنگھی کرنے سے الگ الگ اور سیدھے ہوجاتے ورنہ اکٹھے ہوجاتے مگر کانوں سے نیچے نہیں آتے تھے، بالوں کی مقدار نہایت مناسب تھی یعنی کم نہ زیادہ۔ چہرۂ مبارک چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا تھا، جبینِ اقدس کشادہ تھی۔ ابرو طویل اور باریک بالوں والے تھے، باہم ملے ہوئے نہ تھے مگر دُور سے دیکھیں تو لگتا تھا کہ ملے ہوئے ہیں اور دونوں کے درمیان ایک رگ مبارک تھی۔ چشمِ مطہر کی پتلیاں بہت سیاہ اور پلکیں دراز تھیں۔ مقدس رخسار پچکے ہوئے نہ تھے بلکہ پُرگوشت تھے اور چہرۂ انور کو چودھویں کے چاند کی مانند گول ظاہر کرتے تھے۔ ناک بُلند اور درمیان سے ذرا خمیدہ معلوم ہوتی تھی جس کی بُلندی درحقیقت نہیں تھی بلکہ کمال درجہ کی موزونیت تھی جو محض جلوۂ نُور کی وجہ سے بادی النظر میں بُلندی کا تاثر پیدا

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۴۴۷ تا ۴۶۳

کرتی تھی۔ گردنِ مبارک دراز معلوم ہوتی اور اس میں چاندی کی مانند صفائی اور سفیدی تھی۔ ریشِ مطہر گھنی تھی۔ سینۂ اقدس چوڑا تھا نیز سینہ اور شکم مبارک متوازی تھے۔ جسدِ رحمت چمکدار و شفاف اور بالوں سے خالی تھا البتہ سینۂ انور کے اُوپر والے حصّے، کلائیوں اور کاندھوں پر بال تھے، سینۂ اطہر سے ناف تک بالوں کا ایک باریک سا خط تھا۔ مقدس ہتھیلیاں کشادہ اور فراخ تھیں۔ پاؤں مبارک کے نچلی جانب ذرا سا خم تھا، زیادہ پُرگوشت نہیں تھے اور تروتازہ ایسے کہ معلوم ہوتا ابھی ان سے پانی بہہ کر الگ ہُوا ہے۔ جسدِ مطہر میں کمال اعتدال تھا یعنی بالکل دُبلا پتلا تھا اور نہ بہت بھاری۔ آپ ﷺ کی عمرِ مبارک کے آخری حصّے میں بھی بدنِ اقدس میں ڈھیلا پن اور اِسترِ خائے لحم (گوشت کا ڈھیلا ہو کر لٹک جانا) پیدا نہیں ہُوا تھا۔ آپ ﷺ عام درمیانے قد والے لوگوں سے دراز قامت اور لمبے لوگوں کی نسبت درمیانہ قامت تھے۔ [1]

ایک اور حدیثِ معتبر میں امام حسن اور امام حسین علیہم السلام سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سرِ مبارک بڑا تھا۔ سر کے بال نہ بہت گھنگریالے تھے نہ ہی بالکل سیدھے، اکثر اوقات کان کی لو سے آگے نہیں بڑھتے تھے، جب کبھی زیادہ لمبے ہو جاتے تو بیچ میں سے مانگ نکال لیا کرتے تھے۔ چشمِ اقدس سے عظمت اور سینۂ اطہر سے ہیبت نمایاں تھی۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح چہرۂ مبارک سے نُور درخشاں تھا۔ ابرو باریک، کمان کی طرح کھنچے ہوئے تھے اور باہم ملے ہوئے نہ تھے، بعض روایات میں ہے کہ ملے ہوئے تھے۔ ایک رگ پیشانی کے درمیان تھی جو غصے کے وقت پھول جاتی اور اُبھر آتی تھی۔ آپ ﷺ کی ناک منوّر، کشیدہ، باریک اور درمیان سے اُٹھی ہوئی تھی۔ دہنِ اقدس بالکل چھوٹا نہیں تھا۔ دانت سفید براق، نازک اور کشادہ تھے۔ ریشِ مبارک گھنی تھی جس کے بال برابر تھے اور اِدھر اُدھر نکلے ہوئے نہ تھے۔ گردن مبارک صفائی، درخشندگی اور استقامت میں صیقل کی ہوئی چاندی کی طرح لگتی تھی۔ نرم و نازک بال سینے سے ناف تک اُگے ہوئے تھے جیسے بالوں کا ایک باریک

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا ﷺ (ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۴۴۲ تا ۴۵۸

سیاہ چمکدار خط۔ ایک روایت کے مطابق سینہ اور شکم بالوں سے خالی تھے مگر ہاتھوں اور شانوں پر بال تھے۔ کمر سے اُوپر کچھ بُلندی تھی جس سے بُلند قامت معلوم ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اطہر کے تمام اعضا نہایت مناسب اور قوی تھے اور سینہ اور پیٹ ایک دوسرے کے برابر تھے۔ دونوں شانوں کے درمیان کشادگی تھی۔ تمام جوڑوں کے سرے مضبوط اور ٹھوس تھے جو شجاعت وقوّت کی علامت ہوتے ہیں اور عرب میں قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں۔ بدن مبارک سفید نورانی تھا جیسے مثل چاندی کے اُس پر صیقل کیا ہُوا ہو۔ کلائیاں چوڑی اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔ ہاتھ پاؤں مضبوط تھے، یہ صفات مردوں کے لیے پسندیدہ اور طاقت وشجاعت کی علامتیں سمجھی جاتی ہیں۔ اُنگلیاں لمبی، بازو اور پنڈلیاں صاف وکشیدہ تھیں۔ پیروں کے تلوے برابر نہ تھے بلکہ درمیان سے خالی تھے۔[1] (یعنی تلوے کچھ حد تک محرابی تھے)۔

روایت ہے کہ ہند بن ابی ہالہ، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حُلیہ مبارک بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُن سے دریافت فرمایا تو اُنھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میانہ قد تھے لیکن دُور سے چھوٹے نظر نہیں آتے تھے اور نہ اتنے طویل قامت تھے کہ آنکھ کو بُرا لگے۔ چہرہ پاکیزہ اور کشادہ تھا جس پر چاند کی سی چمک تھی۔ رنگت سفید اور چمکدار۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سر بڑا مگر اعتدال ومناسبت کے ساتھ تھا۔ مانگ درمیان سے نکلی ہوئی۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو خمیدہ، باریک اور گنجان اور دونوں کے درمیان ایک رگ کا اُبھار جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتی تھی۔ پتلیاں سیاہ۔ دیکھنے کا انداز حیادارانہ اور نظریں نیچی تھیں۔ ناک بُلندی مائل، اُس پر نورانی چمک جس کی وجہ سے ابتدائی نظر میں بڑی معلوم ہوتی تھی۔ رخسار ہموار اور ہلکے، نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہُوا۔ دہن بہ اعتدال فراخ۔ ریشِ مبارک بھرپور اور گنجان بال۔ گردن پتلی اور لمبی جیسے نہایت خوبصورتی سے تراشی گئی ہو۔ گردن کی رنگت چاندی جیسی اُجلی اور خوشنما۔ بدن پر بال زیادہ نہ تھے، سینے سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی۔ سینہ چوڑا، سینہ اور پیٹ

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۲۰۶

ہموار۔ کندھوں، بازوؤں اور سینے کے بالائی حصّے پر تھوڑے سے بال تھے۔ اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط، کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ، اُنگلیاں ایک حد تک لمبی، ہتھیلیاں اور پاؤں پُر گوشت، تلوے قدرے گہرے، پاؤں ایسے چکنے کہ اُن پر پانی نہ ٹھہرے۔ رفتار باوقار، چلتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے بُلندی سے اُتر رہے ہوں۔ جب کسی کی طرف توجہ کرتے تو پورے جسم کے ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہوتے، آسمان کی بجائے زمین پر زیادہ نگاہ رکھا کرتے تھے اور ہر ملنے والے پر سلام میں پہل کرتے۔"[۱]

امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنے والد ماجد سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو فرماتے کہ حمد وثنا صرف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے میرے خَلق (یعنی ہیئت و صورت اور قد وقامت) اور میرے خُلق (یعنی سرشت اور عادات وخصائل) کو حَسین بنایا ہے۔"[۲]

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث کیا وہ خوبصورت اور اُس کی آواز حَسین تھی یہاں تک کہ تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی حَسین صورت اور حَسین آواز دے کر مبعوث فرمایا۔[۳]

حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سرخی مائل سفید تھیں یعنی سفیدی میں باریک سرخ دھاریاں تھیں، جب میں اُن کی طرف دیکھتا تو سوچتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سُرمہ لگا رکھا ہے حال آنکہ وہ قدرتی دھاریاں تھیں نہ کہ سُرمہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پنڈلیاں قدموں کی طرف سے انتہائی موزوں انداز میں پتلی تھیں اور زیادہ موٹی نہ تھیں۔[۴]

---

[۱] الشیخ الصدوق بن بابویہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا جلد ۱ ص ۱۵۵

[۲] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۸۳۸ بحوالہ:

البہیقی، شعب الایمان، در مشکوٰۃ، باب الرفق والحیاء وحسن الخُلق

[۳] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۷۳ بحوالہ ابن سعد

[۴] عبد الرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۴۴۴، ۴۵۵

عبدالرحمٰن بن مالک بن حشم نے اپنے باپ سے روایت کی اور اُنھیں اُن کے بھائی سراقہ نے بتایا کہ میں نے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قریب سے دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منوّرہ کی طرف جارہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُونٹنی پر سوار تھے اور پاؤں مبارک رکاب میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پنڈلیاں (سفیدی اور چمک دمک کی وجہ سے) یوں معلوم ہورہی تھیں جیسے کھجور کا خوشہ اپنے پردے سے ابھی ابھی باہر نکلا ہو۔[۱]

''مسلم'' میں جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک ایڑیاں زیادہ بھاری اور پُرگوشت نہیں تھیں بلکہ خفیف اللحم اور ذرا پتلی تھیں۔[۲]

ورقہ بن نوفل سے جو اُمّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کے چچا زاد بھائی تھے، منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ چاند کی طرح، پیشانی روشن اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں شہد وشکر سے زیادہ شیریں تھیں۔ جب چلتے تو یوں لگتا جیسے چودھویں کا چاند متحرک ہو اور ابرِ رَحمت برس رہا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجسم حُسن اور عالی نسب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اخلاقِ حسنہ کا پیکر تھے اور حُسنِ سیرت میں دُنیا بھر میں بہترین تھے۔ جب چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لٹکے ہوئے بالوں سے سیاہی ٹپکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رخسار گلاب کی کلی سے زیادہ شاداب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشبو خالص مُشک سے زیادہ معطر تھی۔[۳]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت، جاذب نظر اور دلکش تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رنگت بالکل گندم گوں تھی نہ ہی بالکل سفید، اُس میں بہت آب وتاب اور چمک دمک تھی۔ بال درمیانے گھنگریالے تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ ہی انتہائی سخت۔ دستِ مبارک سب لوگوں سے زیادہ ملائم تھے، میں نے ہر قسم کے ریشم دیکھے

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ص ۴۵۵

[۲] مختصر صحیح مسلم، حدیث ۱۵۵۶

[۳] ڈاکٹر نصیر احمد، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۳۹ بحوالہ مولوی محمد عبداللہ، خطباتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بھالے ہیں مگر جو لطافت و نفاست اور نرمی و ملائمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی میں تھی وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دس سال گذارے۔ میں نے کئی طرح کے عطر سونگھے اور اُن کی خوشبوؤں کو محسوس کیا مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر سے پھوٹنے والی خوشبو اور مہک اُن تمام سے بڑھ کر تھی، گویا کہ دُنیا کے مُشک و عنبر کو اُس کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قامت تھے یعنی نہ انتہائی طویل اور نہ پستہ قامت ہی۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت میں لطافت و چمک تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو آگے کی طرف جُھکے ہوئے سے لگتے۔ میں نے دیبا و ریشم کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا اور کوئی مُشک و عنبر ایسا نہیں سونگھا جس کی خوشبو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے بہتر ہو۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قامتِ زیبا کا اعجاز تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی طویل آدمی کے ساتھ مل کر چلتے تو اُس سے بُلند نظر آتے اور بسا اوقات دو بُلند قامت آدمیوں کے درمیان چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن دونوں سے دراز قامت معلوم ہوتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے الگ ہوتے تو میانہ قامت دکھائی دیتے۔ پسینۂ مبارک چہرۂ انور پر یوں معلوم ہوتا جیسے لؤلؤِ آبدار ہو اور خوشبو کے لحاظ سے وہ خالص کستوری سے زیادہ پاکیزہ اور مہک والا ہوتا۔ گیسوئے مبارک کانوں اور کندھوں کے درمیان آتے تھے۔[3]

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ وصال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔[4]

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۴۶۲ تا ۴۶۳

[2] صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ

[3] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ: الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۴۶۹ تا ۴۶۳

[4] جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۳۹۹

ابو اسحٰق سے مروی ہے کہ حضرت براء سے پوچھا گیا کہ کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرۂ مبارک (چمک دمک کی نسبت سے) تلوار کی مانند تھا؟ تو اُنھوں نے کہا نہیں بلکہ وہ چودھویں کے چاند کی طرح تھا۔ یعنی تلوار کی چمک سیاہی مائل ہوتی ہے جب کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ اقدس کی چمک میں سیاہی کا میلان ذرا سا بھی نہیں تھا۔ نیز تلوار کی تشبیہ میں چہرۂ انور کی طوالانی کا گمان پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ چودھویں کے چاند کی طرح گول سا تھا۔[1]

حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا تو میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس وقت سرخ لباس پہنے ہوئے تھے اور چاند سے زیادہ حسین لگ رہے تھے۔[2]

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رُخِ انور کِھل اُٹھتا اور یوں لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔[3]

حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رُبَیِّع بنت معوِّذ بن عفرا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفات بیان کرنے کو کہا تو اُنھوں نے کہا، ''بیٹا! اگر تُو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھتا تو تجھے یوں لگتا جیسے آفتاب نکلا ہُوا ہو۔''[4]

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چراغ کے پاس کھڑے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نُور چراغ کی روشنی پر غالب آجاتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ انور کی چمک دمک اور نورانیت سورج کی ضیا پر غالب آجاتی۔[5]

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری

[2] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۳۹ بحوالہ: ترمذی، دارمی در مشکوٰۃ

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۳۹ بحوالہ: صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ

[4] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۳۹ بحوالہ: دارمی در مشکوٰۃ

[5] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرت سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ص ۴۶۱

عبد الرحمٰن ابن جوزی ، الوفا باحوال المصطفٰی ﷺ میں لکھتے ہیں،''امام سیوطی نے خصائص کبریٰ جلد اوّل صفحہ ٦٨ پر حکیم ترمذی کے حوالے سے حضرت ذکوان کی روایت درج فرمائی ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں نظر آتا تھا اور نہ چاند کی چاندنی میں ہی اور فرمایا کہ ابنِ رُبَّیع نے سرورِ عالم ﷺ کے خصائص میں ذِکر فرمایا کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور یہ کہ آپ ﷺ نور تھے لہٰذا جب دن کی روشنی یا چاند کی چاندنی میں چلتے تو سایہ نظر نہیں آتا تھا اور بعض نے اس پر دُعائے نور یعنی''واجعلنی نوراً''(اے اللہ مجھے مجسم نور بنا دے) سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی ایک موقع پر بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ اللہ نے آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا۔ شیخ محقق نے مدارج جلد ثانی میں صفحہ ١٦١ پر لکھا ہے کہ حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے سورج اور چاند کے اندر سایہ نہ ہونے کی روایت نقل کی ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ ان بزرگوں پر تعجب ہے کہ چراغ کا ذِکر نہیں کیا حال آنکہ چراغ کی روشنی میں بھی سایہ نظر نہیں آتا تھا اور فرمایا آنحضرت ﷺ کے اسمائے طیبہ میں ایک اسم''نور'' بھی ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ نور محض ایسا نام نہیں جس کے تحت کوئی معنی اور حقیقت جلوہ گر نہ ہو۔ مولوی رشید احمد دیوبندی نے امداد السلوک میں نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کے سائے کا نہ ہونا تواتر اور شہرت کے ساتھ ثابت ہے۔''[١]

(حصّہ اوّل تمام شُد)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[١] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ٣٩٩ بحوالہ: دارمی در مشکوٰۃ

نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی — آپ ہی ہیں مرا آسرا آخری
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
ہے ''اُحد'' سے بڑا میرا ہر اک گناہ — آپ ہی کے کرم سے ہو بخشش مری
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
روزِ محشر جو آؤں میں سہما ہوا — ہو شفاعت تری کاش آگے کھڑی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
غرقِ بحرِ ندامت غلام آج ہے — یا شہِ انبیا! تھام لیں مجھ کو بھی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
پھول، پتے، ستارے، قمر، آفتاب — آپ ہی کی ثنا کر رہے ہیں سبھی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
آپ کے ہاتھ پر سنگ کلمہ پڑھیں — آپ کی راہ میں سرنگوں ہر کوئی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
آپ کے حکم سے مہر واپس مڑا — جو اشارہ ملا شق ہوا ماہ بھی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
ہائے طائف تری وادیوں کا ستم — ہائے سرکار کی وہ کرم پروری
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

(کلام: سیّد حماد رضا بُخاری)

دُعا

یارب ذوالجلال والاکرام! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، دُرود وسلام ہو تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آلِ اطہار علیہم السلام پر۔ تیرا شکر ہے کہ تُو نے مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعقیدت میں یہ کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الٰہی! میری اس کاوش کو اپنی بارگاہِ جلیلہ میں قبول فرما اور اس میں جو غلطی اور کوتاہی ہوئی ہے اُسے معاف فرما کہ بے شک تُو معاف کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔ الٰہی! میری اس کوشش کو میرے لیے، میرے والدین کے لیے، میرے بھائی کے لیے، میری بہنوں کے لیے، میری اولاد وازواج کے لیے، میرے احباب واقربا کے لیے ،اس کتاب کے پڑھنے والوں اور اس کی تیاری میں معاونت کرنے والوں کے لیے ذریعہ نجات اور توشۂ آخرت بنا۔ (آمین یارب العالمین)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

تمت

ماٰخذ

(اس کتاب کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا گیا)

قرآن حکیم

آب کوثر، ازمفتی محمد امین

آسان مسائل، ازآیت اللہ سید علی سیستانی

اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام، ازعلامہ محمد محمدی اشتہاردی، مترجم سیّد علی شیر نقوی

اُمہات المومنین، ؓ ازگُل احمد عطاری

ابواب المقدمات، ازدواج در اسلام، ازآیت اللہ مشکینی

ارشاد، ازشیخ مفید (متوفی ۱۰۲۲ء)

ازدواج اوراخلاقیات دراسلام، ازسیّد محمد رضوی

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ازعلی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۸ھجری)

اسعاف الراغبین برحاشیئۃ نوالابصار شبلنجی (طبع مصر)

اسلام اورمسلمانوں کی تاریخ، ازخواجہ محمد لطیف

اسلامی ازدواج، جوان کے لیے تحفہ، ازشہب رضوی، طبع ورڈ اسلامک نیٹ ورک

اصح السیر، ازابو البرکات عبد الرؤف داناپوری

اعلام الوریٰ، ازعلامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)

اعیان الشیعۃ، ازسید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)

الاحتجاج، ازالشیخ الطبرسی

الاستیعاب، ازحافظ ابن عبد البر قرطبی (متوفی ۴۶۳ھجری)

الامام علی علیہ السلام، ازالشیخ جواد مفتیۃ

الانتصار، ازشریف مرتضیٰ

البیان والتعریف، از حسینی

التنبیۃ والاشراف، از ابوالحسن المسعودی (متوفی ۳۴۶ ھجری)

الثاقب فی المناقب، مناقب اہل بیت، ترجمہ: القطرۃ من بحار مناقب النبی والعترۃ، از آیت اللہ سیّد احمد مستنبط

الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، از جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ ھجری)

الدر فی اختصار المغازی والسیر، از الحافظ یوسف بن البر (متوفی ۴۶۳ ھجری)

الرحیق المختوم، از مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، (طبع لاہور)

الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، از محب طبری

الزرقانی علی المواہب، از علامہ زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ ھجری)

السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام القسم الثانی، لالجز الثالث والرابع

السیف الجلی علیٰ منکر ولایۃ علی علیہ السّلام، از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

الشریف المرتضح، از الفصول المختارہ

الشفاء، از قاضی عیاض

الصارم المسلول علی شاتم الرسول، از تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی (۷۲۸ ھجری)

الصحیح، از ابن حبان

العبر فی خیر من غیر، از حافظ ذہبی، مطبع کویت

الفاروق، از مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی طبع اوّل ۱۹۹۱ء

الفردوس، از حافظ دیلمی (متوفی ۵۵۸ ھجری)

القول البدیع، از محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (متوفی ۹۰۲ ھجری)

الکامل، از ابن الاثیر

المسائل العکبریة، از الشیخ المفید

المستدرك علی الصحیحین، از ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم

المسند ابویعلی، از ابویعلیٰ (متوفی ۹۱۹ ھجری)

المصنف، از ابن ابی شیبة

المعجم الاوسط، از حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ھجری)

المعجم الکبیر، از حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ھجری)

المغازی للواقدی، از ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)

المواھبُ اللدنیة، از احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ھجری)

النور المبین فی قصص الانبیاء والمرسلین، از علامہ جزائری

الوثائق السیاسیة، طبع مصر

امالی، از شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ھجری)

بحارالانوار، از علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)

پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، مطبوعہ فیروزسنز، پاکستان

تاریخ الاسلام السیاسی، از حسن ابراھیم حسن (متوفی ۱۳۴۷ء)

تاریخ ابن الوردی، از ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ/۱۳۴۹ء)، طبع مصر

تاریخ ابن خلدون، از ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)

تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ) از ابو الفداء عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)

تاریخ ابو الفدا، از ابو الفدا عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)

تاریخ، از امیر حیدر احمد شہابی، طبع مصر

تاریخ، از کاسن ڈی پرسون

تاریخ ازبکستان، ازسیّد کمال الدین احمد، طبع ویب سائٹ، دین اسلام

تاریخ اسلام، از ذاکر حسین

تاریخ اسلام، از شاہ معین الدین احمد ندوی

تاریخ اسلام، از علامہ علی نقی نقوی

تاریخ اسلام، از علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)

تاریخ بغداد، از حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)

تاریخ خمیس، از حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)

تاریخ خواص عامہ، از ابن جوزی

تاریخ دمشق (عساکر)، از علی ابن حسین ابن عبداللہ ابن عساکر دمشقی (متوفی ۵۷۱ ہجری)

تاریخ دمشق الکبیر، از ابن عساکر (متوفی ۱۱۷۵ء)

تاریخ طبری، از ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری) عربی، طبع مصر

تاریخ طبری، از ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری) اردو، نفیس اکیڈمی، کراچی پاکستان

تاریخ کامل، از علامہ ابنِ کثیر

تاریخ کبیر، از علامہ ابن جریر طبری، طبع مصر

تاریخ واقدی، از ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)

تاریخ یعقوبی، از ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، طبع نفیس اکیڈمی کراچی، پاکستان

تذکرۃ الخواص، از سبط ابن جوزی

ترجمان القرآن، از ابوالکلام احمد

ترجمہ تاریخ ابوالفدا، از مولانا کریم الدین حنفی، طبع لاہور

تفسیر القرآن، از مولانا سیّد ظفر حسن

تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ، ازعلامہ حسین بخش جاڑا

تفسیر توریت، از پی شلومر اسحاق (مفسر توریت)

تفسیر فرات کوفی، ازابوسعید

تفسیر معروف، ازفخر الدین الرازی (متوفی ۱۲۰۹ء)

تفسیر نمونہ، ازآیت اللہ مکارم شیرازی

تلخیص المستدرک، ازشمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی (متوفی ۷۴۸ ھجری)

تلقیح الفھوم، ازابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)

توضیح المسائل، ازآیت اللہ سیّد علی حسینی سیستانی

تہذیب الاحکام، ازمحمد بن حسن طوسی

تہذیب الاسماء، ازانووی

جامع المدارک، ازسیّد خوانساری

جواھرالکلام، ازشیخ جواھری

جامع ترمذی

جذبُ القلوب، ازشیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)

چودہ ستارے، ازعلامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)

حصنِ حصین، ازمحمد بن محمد جزری شافعی (متوفی ۱۴۲۹ء)

حکایاتُ القرآن، ازسیّد محمد صحفی، طبع جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

حیاتُ القلوب، ازعلامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، ناشران امامیہ کتب خانہ، لاہور

حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ازمحمد حسین ہیکل

خصائص نسائی، ازحافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (متوفی ۳۰۳ ہجری)

خطباتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ازمولوی محمد عبداللہ، طبع دائرۃ المعارف، لاہور

درالسحابہ، ازشوکانی

درمنثور، ازابن مدویۃ

دعوت دہلی سیرۃ طیبہ نمبر ۱۶ ستمبر ۱۹۵۹ء، ازمولوی عبدالباری ایم اے
دلائل الخیرات کانپوری، ازمحمد عبدالحق مہاجر

دی پرافٹ اینڈ دی ایج آف کیلی فیٹس، ازہیوا ین کینیڈی، طبع لندن

The Prophet and the Age of Caliphates

دی پریچنگ آف اسلام، از سرتھامس واکر آرنلڈ (متوفی ۱۹۳۰ء)

The Preaching of Islam

دی سوشل سٹرکچر آف اسلام، ازروبن لیوی (متوفی ۱۹۶۶ء)، طبع کیمبریج یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء

The Social Structure of Islam

دی عرب سولائزیشن، ازجوزوف ہیل، طبع ڈبلیوہیفر اینڈسنز، کیمبریج ۱۹۲۶ء

The Arab Civilization

دی عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال، ازجولیس ویل ہاسن (متوفی ۱۹۱۸ء) طبع یونیورسٹی آف کلکتہ، ۱۹۲۷ء

The Arab Kingdom and Its Fall

دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ازجان بیگٹ گلب پاشا (متوفی ۱۹۸۶ء)، طبع نیویارک

The Life and Times of Mohammad (p.b.u.h)

دی میسیج (The Message)، ازآیت اللہ جعفر سبحانی

دی ہسٹری آف دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر، ازایڈورڈ گبن (متوفی ۱۷۹۴ء)

The History Of The Decline And Falls Of Roman Empire

ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ازمحب طبری

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی، ازمحمد حمید اللہ

روضۃ الاحباب، از جمال الدین محدث

روضۃ الصفا، از محمد بن خاون شاہ، غیاث الدین خواند

رحمۃً للعالمین ﷺ، از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، مطبوعہ مرکز الحرمین الاسلامی

روح المعانی، از شہاب الدین محمود آلوسی (متوفی ۱۲۷۰ ہجری)

روضۃ الواعظین، از فتال نیشاپوری

زادلمعاد، از ابن القیم (متوفی ۷۵۱ ہجری)

سبل السلام، از صنعانی

سفینۃ البحار، از محدث شیخ عباس قمی (متوفی ۱۳۵۹ ہجری)

سلمانِ محمدی، از مولانا مقبول احمد

سنن ابی داؤد، از حافظ ابی داؤد سلیمان (متوفی ۴۸۵ ہجری)

سنن الترمذی، از محمد ترمذی (متوفی ۲۷۹ ہجری)

سنن الکبریٰ، از ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی (متوفی ۴۵۸ ہجری)

سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ)، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

سیر اعلام النبلاء، از ذہبی

سیرتُ النبی ﷺ (اردو)، از ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)

سیرتِ سیّد الانبیا ﷺ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ)، از عبدالرحمٰن ابن جوزی

سیرت ابن ہشام، از ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)

سیرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام، از سلطان مرزا دہلوی

سیرت نبوی ﷺ اور مستشرقین، از ڈاکٹر عبدالعلیم

سیرۃ النبی ﷺ، از مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، طبع چہارم مطبع معارف اعظم گڑھ

شذرات الذهب فی اخبار من ذهب لابن العماد الحنبلی، از ابن العماد الحنبلی

شرح ابن ابی الحدید

شرح المواهبُ اللدنیۃ، از محمد الزرقانی (متوفی ۱۱۲۲ هجری)

شواهد النبوت، از مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی (متوفی ۱۴۹۲ء)

صحیح بخاری، از محمد بن اسماعیل بخاری

صحیح مسلم، از ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن در دین

صفوۃ الصفوہ ۱، از ابن جوزی

الصواعق المحرقۃ، از الشیخ احمد ابن حجر المکی (متوفی ۹۷۴ هجری)

طبقات ابن سعد، از محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ هجری)

عرائس المجالس، از ابو اسحاق احمد ثعلبی (متوفی ۴۲۷ هجری)

علل الشرایع، از الشیخ الصدوق بن بابویۃ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین

عیون اخبار الرضا، از شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ هجری)

عہد نبوی کا نظام حکمرانی، از محمد حمید اللہ

فتح البیان فی مقاصد القرآن، از نواب صدیق حسن خان قنوجی

فتح القدیر، از محمد بن علی بن محمد شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ هجری)

فروع کافی، از محمد بن یعقوب کلینی، مطبوعہ ایران ۱۳۱۵ هجری

کتاب مستطاب الشافی، از مولانا سید ظفر حسن، (ترجمہ اُصول کافی، شیخ محمد بن یعقوب گُلینی، متوفی ۳۲۹ء)

کتاب مستطاب مجمع الفضائل، از مولانا سیّد ظفر حسن (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب)

کذا فی الشفا، از قاضی عیاض

کشاف (زمخشری)، از محمود ابن عمر الزمخشری (متوفی ۵۳۸ھجری)

کشف الانوار ترجمہ فارسی بحار (طبع ایران)

کفایۃ الأثر فی النص علی الأئمۃ الإثنی عشر

کمال الدین، از الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین

کنز العمال، از علامہ علا الدین علی متقی بن حسام الدین

کتاب السنن، از سعید بن منصور (متوفی ۲۲۷ھجری)

کشف الخفا، از عجلونی (متوفی ۱۶۲ھجری)

کشف الغمہ، از علی بن عیسیٰ اربیلی (متوفی ۶۹۴ھجری)

کیرالہ میگزین ۱۹۴۸

لٹریری ہسٹری آف دی عربز، از رینالڈ ایلین نکلسن (متوفی ۱۹۴۵ء) طبع کیمبرج یونیورسٹی ۱۹۵۳ء

Literary History of the Arabs

لوامع التنزیل، از علامہ جلال الدین

مائیکروسافٹ انکارٹا انسائیکلوپیڈیا

مبانی تکملۃ المنہاج، از آغا خوئی

مجالس صدوق (ترجمہ امالی الشیخ الصدوق)، از شیخ صدوق بن بابویہ، ناشر ادارہ تعلیم و تربیت لاہور

مجمع الزوائد و منبع الفوائد، از ابو الحسن نور الدین علی بن ابی بکر ھیثمی شافعی

مجمع النورین، از شیخ ابو الحسن نجفی

محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، از محمد الخضری (متوفی ۱۳۷۶ء)

محاضرۃ الابرار، از علامہ ابن عربی (متوفی ۱۲۴۰ء)، مطبوعہ مصر

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اینڈ دا کونکوئسٹس آف اسلام، از فرانسسکو جبریلی (متوفی ۱۹۹۶ء)

Mohammad (p.b.u.h) and the Conquest of Islam

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایٹ مدینہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں) ،از ویلیم منٹگمری واٹ (متوفی ۲۰۰۶ء)،طبع کراچی

Mohammad (p.b.u.h) At Madina

مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، از محمد بن عبد الوھاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ ھجری)

مدارج النبوّت (اردو)، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، ناشر شبیر برادرز، لاہور

مراۃ الجنان للیافی، مطبوعہ حیدر آباد دکن

مروج الزھب ومعادن الجواھر (تاریخ مسعودی) از ابو الحسن بن حسین بن مسعودی

مستدرک الوسائل، از میرزا حسین نوری

مستدرک حاکم، از الحاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ ھجری)

مستدرک علی الصحیحین، از الحاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ ھجری)

مسلم انسٹی ٹیوشنز، از ماورس گاڈفرائے ڈی ماماہنز (متوفی ۱۹۵۷ء)، طبع لندن ۱۹۵۴ء

Muslim Institutions

مسلمانانِ عالم، از کے اے حمید (بیرسٹرایٹ لاء)

مسند احمد بن حنبل، از ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی

مسند، از اسحاق بن راھویہ

مسند امام رضا علیہ السلام

مشکوٰۃ المصابیح (مشکوٰۃ شریف)، از امام ولی الدین محمد ابن عبداللہ الخطیب

معجم البلدان، از شھاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ رومی

مقاتل الطالبین، از علی بن حسین بن محمد بن احمد بن ھیثم، معروف بہ ابو الفرج اصفھانی

مناقب ابن شھر آشوب، از علامہ شھر آشوب

مناقب فاطمۃ الزہراء علیہا السلام، از ڈاکٹر طاہر القادری

منہاج الصالحین، از الشیخ وحید الخراسانی

موارد الظمآن، از ھیثمی

میثاقِ مدینہ، از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

نُور الابصار، از الشیخ بن حسن مؤمن الشبلنجی

نقوشِ عصمت، از علامہ سیّد ذیشان حیدر جوادی (متوفی ۲۰۰۰ء)

نوادر المعجزات، از ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھجری)

نور الابصار فی مناقب اھل بیت النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، از الشیخ مومن الشبلنجی

نیل الاوطار، از شوکانی

وسائل الشیعہ، از محمد بن حسن الالمعروف بہ شیخ حر عاملی

وکی پیڈیا اُردو

سیّد حماد رضا بخاری کی اسلامی کتب

بلغ العلیٰ بکمالہ

(حیات طیبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

صلوا علیہ وآلہ

(فضائل دُرود، دُعا و مناجات)

ناخدا

(حیاتِ سیّد الشہدا امام حسین علیہ السلام)

(جلد آرہی ہے، ان شاء اللہ)

مؤلف: سیّد حماد رضا بخاری